جس میں مسائلِ نماز کو قرآنِ مجید، احادیثِ مبارکہ اور آثارِ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مدلل کیا گیا ہے

تالیف: الشیخ محمد الیاس فیصل مدظلہ

مکتبۃ قاسمیۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز حبیب

اللهم
صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد
اللهم
بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صلوا کما رأیتمونی اصلی

نمازِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

جس میں مسائلِ نماز کو قرآنِ مجید، احادیثِ مبارکہ
اور آثارِ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مدلل کیا گیا ہے

تالیف

الشیخ محمد الیاس فیصل مدظلہ

مکتبہ قاسمیہ
الفضل مارکیٹ ۱۷- اُردو بازار لاہور
Ph: 042-37232536, 0321-4220554

نام .... نمازِ پیمبر ﷺ

مصنف .... الشیخ محمد الیاس فیصل مدظلہ

اشاعت اول .... جون 2012ء

باہتمام .... حافظ فہیم الدین

ناشر .... مکتبہ [illegible]

قیمت ....

پیش لفظ

مسلمانان برصغیر کی اکثریت احناف اہل السنۃ والجماعۃ پر مشتمل ہے۔ امت کی اس عظیم طاقت اور وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے انگریز استعمار نے برصغیر میں اپنے بعض خطاب یافتہ، شمس العلماء، خان بہادر، نواب، نواب وقار نواز جنگ بہادر............ وغیرہ افراد کو استعمال کیا، جنہوں نے نماز کے بعض فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ احناف کی نماز امام ابوحنیفہ کے اقوال پر مبنی ہے اور دلائل حدیث سے ثابت نہیں یا یہ کہ ان کے دلائل ضعیف احادیث پر مشتمل ہیں.............................. نتیجے بعض لوگ اپنی کم علمی یا کم فہمی کی وجہ سے اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے لگے اور استعماری مفادات کی تکمیل کے لئے ایک نیا فرقہ معرض وجود میں آ گیا۔ صد افسوس کہ امت اسلامیہ کی بدلتی ہوئی عالمی صورتحال اور اس کے تقاضوں سے بے خبر اس نومولود فرقہ کی سرگرمیاں تا حال جاری ہیں جو ہر گلی محلے میں ان فروعی اختلافات کو اجاگر کر کے امت میں تفریق و انتشار کی خلیج کو وسیع تر کر رہا ہے اور وحدت کے تعمیر کے پیچھے بیٹھ کر آتشی دیواروں پر پتھر پھینک رہا ہے۔

اس پس منظر میں یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ احناف اہل السنۃ والجماعۃ کے دلائل کو ایک کتابی دستاویز کی صورت میں جمع کر دیا جائے تاکہ حنفی حضرات اس کو پڑھ کر ان کے جھوٹے پروپیگنڈے سے محفوظ رہیں، نیز مخالفین کا یہ پروپیگنڈہ اگر کسی غلط فہمی اور اخلاص کی بناء پر ہے تو وہ بھی اپنی معلومات درست کر لیں اور امت مسلمہ کی حالت زار پر رحم کرتے ہوئے اس کا شیرازہ مزید بکھرنے سے رک جائیں۔ اس کتاب کی اشاعت کے پہلے دن سے ہم بھی آس لگائے بیٹھے ہیں مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شد

کے مصداق ماحول گواہ ہے کہ اس نو مولود استعماری فرقے کے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، جس سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ ان کے اس تفریقی طرزِ عمل کے اصل محرکات کچھ اور ہیں اور ان کی ڈوری کہیں اور سے مل رہی ہے۔

اس سب کے باوجود ہم پر امید ہیں کہ اس گروہ میں اگر ایک شخص بھی مخلص اور حقیقت پسند ہوا تو وہ میدان میں اترے گا اور اپنے متعصب واعظوں اور کم علم اماموں کو مخاطب کر کے کہے گا:

تم نے باور کرایا تھا کہ ہم غیر مقلدوں کی نماز صحیح بخاری و صحیح مسلم سے ثابت ہے اور حنفیوں کے پاس امام ابوحنیفہ کے اقوال کے علاوہ کوئی دلیل نہیں، ہم کم علم تمہاری اندھی تقلید میں تم پر اعتماد کر بیٹھے لیکن جب نماز کے دلائل سے متعلق احناف کی کتابوں کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا تو ہماری آنکھیں کھل گئیں اور یقین ہو گیا کہ تم نے ہمیں اندھیرے میں رکھا۔ تمہارے بلند بانگ دعووں کی حقیقت سراب نکلی۔

الغرض کتاب "نماز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم" آپ کے سامنے ہے، جس کے مختلف ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے نفع کو مزید عام کریں اور اس کے مؤلف و ناشر کو بہترا جر عطا کریں۔

فقیر الی اللہ

محمد الیاس فیصل عفا اللہ عنہ

۱۰ رصفر ۱۴۳۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

دیباچہ

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نماز پیمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پہلے ایڈیشن کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی کہ مختلف طبقوں میں اس کے مفید اثرات مرتب ہوئے۔ چونکہ نماز کی ادائیگی کے وقت جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مفہوم ذہن میں ہو تو نماز میں خشوع و خضوع کا پیدا ہونا ایک یقینی امر ہے جو کہ نماز کی روح ہے۔

نیز اس کتاب کو پڑھنے سے اہل سنت و جماعت کا یہ یقین مزید پختہ ہو گیا کہ ان کی نماز کا طریقہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے عین مطابق ہے۔

آج کل ایک ایسا گروہ بھی معرض وجود میں آ گیا ہے جن کے مذہبی افکار کا خلاصہ نماز کے چند اختلافی مسائل کو ہوا دینا ہے۔ ان کے ہاں سنت کا ایک نرالا معیار ہے کہ جو کام وہ خود کریں اسے سنت کا عنوان دیتے ہیں اور ہر اس کام کو خلاف سنت گردانتے ہیں جس پر جمہور اہل اسلام عمل پیرا ہیں۔ ان میں اکثریتی طبقہ تو سادہ لوح اَن پڑھ عوام کا ہے جو اس انداز فکر کے حامل کسی بھی امام مسجد یا واعظ کے مقلد ہیں۔ جب کہ دوسرا طبقہ وہ ہے جو ابتدائی قسم کی سطحی معلومات رکھتا ہے اور بعض مصنفین و واعظین کی تقلید کی وجہ سے اس زعم میں مبتلا ہے کہ یہی طرز فکر حدیث سے ثابت ہے۔ ان میں تیسرا طبقہ اس مسلک کے ذمہ دار لوگوں پر مشتمل ہے جو اپنے مسلک کے بانی و اکابرین کی تعلیمات اور ان کے وضع کردہ امتیازی اصولوں کو حرف آخر سمجھتا ہے اور اس ساری صورت حال کو عوام کی نظروں سے اوجھل رکھنے کے لئے یہ لوگ حدیث کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار کرتے ہیں اور یہ

تاثر دیتے ہیں کہ دوسرے تمام مسلمان حدیث پر عمل نہیں کرتے۔

اس صورت حال کے پیش نظر قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں نماز کے اہم مسائل کو مرتب کردیا گیا تاکہ اس مغالطہ کا ازالہ ہو جائے۔ الحمدللہ کہ اول الذکر دونوں طبقوں پر اس کتاب کا مثبت اور مفید اثر ہوا۔ نیز انہیں اپنے موقف کی کمزوری کا احساس بھی ہوا۔

موجودہ ایڈیشن میں اس طرز فکر کے بانی وزعماء کی بعض تحقیقات بھی شامل کردی گئی ہیں تاکہ تیسرا طبقہ بھی ان حقائق کا بغور جائزہ لے اور امت اسلامیہ کو مزید منتشر ہونے سے بچانے کی فکر کرے اور اتحاد بین المسلمین کی مساعی میں شریک ہو۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت شامل حال ہوئی کہ یہ ایڈیشن مفید اضافوں اور نئی کتابت وطباعت کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ اس کتاب کا انفرادی مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ باجماعت نماز کے بعد چند احادیث کا سننا سنانا بھی بہت مفید رہے گا۔

آخر میں تمام مخلصین اور خصوصاً محترمی مولانا عبدالرؤف فاروقی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس ایڈیشن کی اشاعت میں دلچسپی لی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مزید نافع اور زاد آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد الیاس فیصل

ریاض الجنۃ، مسجد نبویؐ

المدینۃ المنورۃ

۱۶ رجب ۱۴۲۵ھ

بروز جمعہ سات بجکر بیس منٹ

کچھ کتاب کے بارے میں

ضرورت کتاب

ایک عرصہ سے اردو زبان میں ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ جس میں مسنون نماز سے متعلق آیات واحادیث کو یکجا جمع کر دیا جائے تا کہ:

۱- عوام وخواص کے ذہن میں پیدا ہونے والے اور پیدا کئے جانے والے شبہات رفع ہوسکیں۔

۲- نماز کے اہم مسائل اور دلائل سے ہر نمازی واقف ہو سکے۔

۳- نماز کے ہر رکن کی ادائیگی کے وقت جب ذہن میں یہ تصور ہو کہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ایسا کر رہا ہوں تو خشوع وخضوع میں اضافہ ہوگا۔

انداز کتاب

کتاب کا انداز خالص علمی ہے۔ ہر مسئلے کے ساتھ اس کی دلیل کا بھی ذکر ہے۔
کتاب کی ترتیب میں تفسیر وحدیث ودیگر علوم کی تقریباً ایک صد کتب سے مدد لی گئی ہے۔
بعض اختلافی مسائل کی تشریح وتوضیح اور دلائل کا موازنہ حاشیہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔
حدیث کی کتاب کا حوالہ دیتے وقت صفحہ نمبر درج کرنے کے بجائے متعلقہ باب کا ذکر کیا گیا ہے تا کہ مختلف ایڈیشنوں میں بوقت رجوع آسانی ہو۔ عربی عبارات کا ترجمہ بامحاورہ کیا گیا ہے۔ قاری کی آسانی کے لئے مضامین کے اصلی وذیلی عنوانات قائم کر دیے گئے ہیں اور ہر پیرا گراف کو نمبروار بیان کیا گیا ہے۔

مشمولات کتاب

کتاب کا آغاز پانی سے متعلقہ مسائل سے ہوتا ہے پھر وضو اور غسل کے مسائل، اوقات نماز، اذان، نماز کے اہم مسائل اور صلوات خمسہ کے علاوہ دیگر فرض کفایہ، مسنون و نفل نمازوں کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ اس طرح یہ کتاب اپنے موضوع میں کافی حد تک جامع ہے۔

احادیثِ کتاب سے متعلق

ایک تجزیہ - ایک تنبیہ

اس کتاب میں کل اکتیس (۳۱) قرآنی آیات اور تین سو دس (۳۱۰) احادیث و آثار وارد ہیں، جن میں سے ایک سو سینتالیس احادیث صحیح بخاری شریف و صحیح مسلم شریف کی ہیں، جب کہ اٹھاسی احادیث صحاح ستہ کی دوسری چار کتب (سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ) سے لی گئی ہیں اور باقی پچھتر (۷۵) احادیث دیگر معتبر کتب حدیث، موطا امام مالک، سنن بیہقی اور طحاوی وغیرہ) سے نقل کی گئی ہیں، گویا نصف سے کچھ کم احادیث تو صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ہیں، اور بقیہ احادیث کو نقل کرنے میں بھی صحت و ثبوت کا اہتمام کیا گیا ہے بلکہ بیشتر احادیث کے ساتھ حضرات محدثین کا تبصرہ بھی نقل کردیا گیا ہے کہ یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے۔ اس تحقیق و تجزیہ کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے دوران احادیث کی صحت و ثبوت کے بارے میں قاری کا ذہن مطمئن ہوگا، دوسرا بعض لوگوں کی اس غلط فہمی کا مداوا بھی ہوگا جو انہوں نے احادیث نبویہ کے بارے میں پھیلا رکھی ہے کہ بلا تحقیق ہر اس حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں، جو ان کے مزعومہ موقف کے خلاف ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرض مسلم

ہر مسلمان کا فرض منصبی ہے کہ عقیدۂ توحید و رسالت کو صحیح معنی و مفہوم کے ساتھ اپنائے رہے۔ نیز زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق اسلامی تعلیمات سیکھے اور اپنی زندگی کو اس نظام الٰہی کے مطابق گزارے۔ دوسروں کو اس کی دعوت دے اور اس نظام کے عملی قیام اور غلبہ کے لئے انفرادی و اجتماعی کوشش کرتا رہے۔

زندگی کے رہنما اصول

یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ مسلمان کی یہ پوری زندگی کن اصولوں کی پابند ہو۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

یا أیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم فإن تنازعتم فی شیء فردوه إلی الله والرسول إن کنتم تؤمنون بالله والیوم الآخر ذلک خیر وأحسن تأویلا. (النساء ۵۹)

اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے اہل اختیار کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی خوشتر ہے۔

اس آیت کے ذیل میں امام رازی لکھتے ہیں کہ "دین کی سمجھ رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ شریعت کی چار بنیادیں ہیں۔ نمبر۱: قرآن کریم، نمبر۲: سنت مطہرہ، نمبر۳: اجماع، نمبر۴: قیاس، اطیعوا اللہ سے مراد قرآن کریم ہے۔ اطیعوا الرسول سے سنت مطہرہ مراد ہے۔ واولی الامر منکم سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت ہے اور "فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول۔" سے معلوم ہوا کہ قیاس حجت شرعیہ ہے۔(۱)

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں

واتفق جمهور العلماء ان هذه هي اصول الادلة وان خالف بعضهم في الاجماع والقياس الا انه شذوذ.(۲)

جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ بنیادی دلائل یہی چار ہیں گو کہ اجماع و قیاس میں بعض کو اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کی حیثیت شذوذ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں

حضرات غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری تقلید شخصی کے عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"عام رائے کے مطابق دین کے اصول چار ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع امت، قیاس مجتہد۔ سب سے مقدم قرآن شریف ہے پھر علی ہذا الترتیب۔ قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لئے علم لغت، قواعد صرف و نحو، علم معانی، بیان، اصول فقہ وغیرہ ذریعے ہیں۔ جو مسئلہ قرآن و حدیث سے بطریق مذکورہ ہماری سمجھ ناقص میں نہ آ سکے تو جس مسئلہ پر تمام امت کا اجماع ہو گا وہ قابل عمل ہے اور جو مسئلہ اس طرح بھی نہ مل سکے اس میں کسی مجتہد کا قیاس (بشرائط اصول فقہ جن کا ذکر کیا گیا ہے) قابل عمل ہو گا۔(۳)

ذیل میں اختصار کے ساتھ ہر ہر دلیل کی تشریح کی جاتی ہے۔

---

(۱) تفسیر کبیر رازی، ج ۱۰، ص ۱۴۴ تا ۱۴۷۔

(۲) ابن خلدون، مقدمہ، ص ۴۰۳، طبع دارالبیان۔

(۳) ثناء اللہ امرتسری، اہل حدیث کا مذہب، ص ۴۲۔

۱۔قرآن

یہ وہ ضابطہ حیات ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی دنیوی و اخروی کامیابی کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا۔ جن لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو اس کے مطابق گزارا انہیں متقین کا لقب دیا گیا۔

ذلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین۔ (البقرہ ۲)

یہ کتاب کہ جس میں کوئی شبہ نہیں۔ متقین کے لئے ہدایت ہے۔

مسلمان کی زندگی کے تمام معاملات میں قرآن کریم کو اولین اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ وما اختلفتم فیہ من شیء فحکمہ الی اللہ۔ (شوریٰ ۱۰)

اور جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔

۲۔حدیث شریف

حدیث سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و معمولات ہیں نیز حضرات صحابہؓ کے وہ اعمال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوئے ہوں اور آپ نے اس پر کسی قسم کا انکار نہ کیا ہو۔ اس کمل مفہوم میں حدیث کا تعلق وحی الٰہی سے ہے۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ (النجم۔ ۳،۴)

اور وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں نہیں کرتے۔ ان کا تو تمام تر کلام وحی ہی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

وحی قرآن اور وحی حدیث میں یہ فرق ہے کہ قرآن کریم کے مفاہیم والفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، جب کہ حدیث میں صرف مفہوم و معنی کی وحی ہوتی تھی جس کا اظہار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و معمولات سے ہوتا تھا۔ مختصر الفاظ میں قرآن کو وحی جلی اور حدیث کو وحی خفی کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں بعض مسائل کا ذکر تفصیلاً ہے۔ بعض کا اجمالاً اور بعض مسائل وضاحت سے بیان ہوئے ہیں جب کہ بعض کا ذکر اشارات میں ہوا ہے تو حدیث میں قرآنی علوم و معارف کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم۔ (النحل۔ ۴۴)
اور ہم نے آپ پر یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تا کہ آپ لوگوں کو کھول کر ظاہر کر دیں جو ان کے پاس بھیجا گیا ہے۔
قرآن کریم میں حدیث شریف کے دلیل و حجت ہونے کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ
وما اتکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا۔ (الحشر۔ ۷)
اور رسول جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روک دیں رک جایا کرو۔
الغرض معلوم ہوا کہ قرآن وسنت ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان قرآن کے ساتھ سنت کو بھی حجت و دلیل مانتا ہے کہ اسی عقیدہ میں اس کی ہدایت و نجات کا راز ہے اور قرآن وسنت میں سے کسی ایک کی حجیت کا انکار گمراہی اور تباہی کا باعث ہے۔"
ارشاد نبوی ہے :
ترکت فیکم امرین لن تضلوا بعدھما، کتاب اللہ وسنتی۔ (حاکم)
میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جن کو تھامے رکھنے کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری سنت۔

۳۔ اجماع

علماء وفقہاء امت کا کسی مسئلہ میں متفق ہونا اجماع کہلاتا ہے۔ واضح رہے اجماع کا مرتبہ قرآن وسنت کے بعد ہے۔ اجماع کا تعلق ایسے نئے مسائل سے ہے جن کے اصول وقواعد قرآن وسنت میں ذکر ہوں، لیکن تفصیلات اور کیفیت کا تعین نہ ہو یا پھر ایک ہی مسئلہ کی کیفیت میں مختلف قسم کے نصوص وارد ہوں اور ناسخ ومنسوخ کا تعین نہ ہو تو شواہد وقرائن کی روشنی میں علماء امت ایک جانب کو متعین کر دیتے ہیں، جیسے تکبیرات جنازہ کی تعداد میں اختلاف تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں چار تکبیروں پر حضرات صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔
(الف) اجماع کی حجیت قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی ونصله جهنم وساءت مصیرًا. (النساء، ۱۱۵)
اور جو کوئی بعد اس کے کہ اس پر ہدایت کی راہ کھل چکی ہے رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے رستہ کے علاوہ کسی اور رستہ کی پیروی کرے گا، ہم اسے کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے اور پھر ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

(ب) ارشاد نبوی ہے :

عن ابن عمرؓ .... ان الله لا یجمع امتی علی ضلالة وید الله علی الجماعة من شذ شذ فی النار. (ترمذی)
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں ہونے دے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے جو جماعت سے نکل گیا وہ جہنم میں ڈال دیا گیا۔

(ج) ابن قیم فرماتے ہیں :

ولم یزل ائمة الاسلام علی تقدیم الکتاب علی السنة والسنة علی الاجماع، وجعل الاجماع فی المرتبة الثالثة. (۱)
ہمیشہ سے تمام ائمہ اسلام کا یہی مذہب رہا ہے کہ قرآن کا درجہ سنت سے پہلے ہے اور سنت کا مقام اجماع پر مقدم ہے اور اجماع تیسرے نمبر پر ہے۔

(د) خود علامہ وحید الزماںؒ لکھتے ہیں :

والاجماع القطعی حجة ومنکره کافر. (۲)
کہ اجماع قطعی حجت اور دلیل ہے اور جو شخص اس کو حجت نہ مانے وہ کافر ہے۔

۴۔ قیاس (چوتھی بنیاد)

دو چیزوں میں ظاہری یا معنوی برابری کرنے کو قیاس کہتے ہیں۔ وہ یوں کہ ایک نیا مسئلہ یا اس کی کوئی نئی صورت و کیفیت پیدا ہو جائے جس کا ذکر قرآن و سنت میں نہیں

---

(۱) ابن قیم اعلام الموقعین۔ ج ۲۔ ص ۲۴۸ مطابع الاسلام مصر۔
(۲) وحید الزماں۔ نزول الابرار۔ ج ۱۔ ص ۶

ہے۔ البتہ اس کے مشابہ ایک اور مسئلہ مذکور ہے تو اس نئے مسئلہ کو اس سابقہ مسئلہ پر قیاس کر کے اس پر بھی وہی حکم لگائیں گے۔ جیسے کوئی نیا نشہ آور مشروب یا کھانا تیار کیا گیا ہو تو اس کا تذکرہ قرآن وسنت میں نہیں ملے گا۔ البتہ شراب کی حرمت قرآن وسنت میں موجود ہے چونکہ شراب نشہ آور ہے لہٰذا یہ مشروب بھی حرام ہے چونکہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ گویا نئی نشہ آور چیز کو سابقہ نشہ آور چیز پر قیاس کر کے اس پر بھی وہی حکم لگا دیا گیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی نئے حکم کو ثابت کرنے کا نام قیاس نہیں بلکہ قرآن وسنت میں پہلے سے موجود حکم کو ظاہر کرنے کا نام قیاس ہے۔ حضرات فقہاءؒ کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ "قیاس مظہر حکم ہے مثبت حکم نہیں ہے۔"

۲- نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قیاس کا براہ راست تعلق قرآن وسنت سے ہے۔

۳- نیز معلوم ہوا کہ جو مسائل قرآن وسنت واجماع سے ثابت ہیں ان میں قیاس نہیں چلتا۔

(الف) دلیل قرآنی

قرآن کریم میں قیاس کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی الله والرسول. الآیة. (النساء. ۵۹)

پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو۔

اس کی تفسیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ "اس سے مراد یہ ہے کہ نئے پیش آنے والے مسئلہ کو قرآن سے ثابت شدہ مسئلہ کی طرف لوٹانا، جب دونوں میں مناسبت ومشابہت ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قیاس حجت شرعیہ ہے۔(۱)

(ب) دلیل نبوی

عہد نبوی میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ نے بوقت ضرورت قیاس کیا۔ اختصار کے پیش نظر ذیل میں ایک ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

۱- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(۱) رازیؒ۔ تفسیر کبیر ج۔۱۰، ص ۱۴۶۔

خدمت میں بنو خثعم کا ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ "میرا مسلمان باپ بوڑھا ہے سفر کی طاقت نہیں رکھتا اور حج اس پر فرض ہو چکا ہے تو کیا میں اس کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے پوچھا تم اولاد میں سب سے بڑے ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا، اگر تمہارے والد پر کوئی قرض ہوتا اور تم اس کو ادا کر دیتے تو کیا یہ قرض اس کی طرف سے ادا ہو جاتا؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر اس کی طرف سے حج بھی ادا کر لو۔ (نسائی)

(اس مثال میں آپ ﷺ نے حج بدل کی ادائیگی کو قرض کی ادائیگی پر قیاس کیا باہمی مشابہت کی وجہ سے)

۲- جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنے لگے تو پوچھا: "اگر کوئی فیصلہ کرنا پڑا تو کیسے کرو گے۔" حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔

اگر کتاب اللہ میں نہ ملا تو پھر؟ سنت رسولؐ سے فیصلہ کروں گا۔

اگر سنت رسولؐ اللہ میں نہ ملا تو پھر؟ اپنی رائے کے ساتھ اجتہاد کر کے فیصلہ کروں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ترتیب اور اس جواب سے خوش ہو کر حضرت معاذؓ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ "تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے رسول اللہ کے نمائندہ کو ایسی چیز کی توفیق دی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

(ج) دلیل اجماعی

ابن قیم فرماتے ہیں: الصحابة اول من قاسوا واجتهدوا فالصحابة رضی الله عنهم مثلوا الوقائع بنظائرها وشبهوها بامثالها وردوا بعضها الی بعض فی احکامها وفتحوا للعلماء باب الاجتهاد ونهجوا لهم طريقه. (۱)

حضرات صحابہؓ نے سب سے پہلے قیاس اور اجتہاد کیا۔ ملتے جلتے واقعات کے حکم کو ایک دوسرے کی طرف لوٹا دیا اور علماء کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھول دیا اور اجتہاد کا طریق کار متعین کر دیا۔

---

(۱) ابن قیم اعلام الموقعین۔ ج ۱۔ ص ۲۱۶ مطابع الاسلام۔ مصر۔

گزشتہ سطور سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی کہ قرآن کریم، سنت نبوی، اجماع امت اور قیاس فقہی بالترتیب دلائل شرعیہ ہیں۔ ان سب کے باوجود بعض معتزلہ، بعض شیعہ، بعض ظاہریہ (اور اس دور میں ان کے افکار کے علمبردار) قیاس کو دلیل نہیں مانتے۔ ابن خلدونؒ نے اس مسئلہ میں جمہور اہل اسلام سے علیحدہ راہ اختیار کرنے والے جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہی ہیں۔

(الف) علم فقہ کا تعارف: دلائل شرعیہ کے مختصر ذکر کے بعد

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سطور میں علم فقہ کا مختصر تعارف کرا دیا جائے، نیز فقہ حنفی کا انداز ترتیب و تدوین، فقہ حنفی کے علمی ماخذ اور امام ابوحنیفہؒ کا بلند پایۂ علمی مقام واضح کیا جائے۔ اس سے بہت سی غلط فہمیوں کو ختم کرنے میں مدد ملے گی چونکہ بعض سطحی علم اور ظاہری انداز فکر رکھنے والے لوگ مختلف غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔

گزشتہ صفحات سے معلوم ہو گیا کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک شرعی دلائل قرآن و سنت، اجماع و قیاس ہیں۔ مسلمان کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل و احکام کو انہی دلائل کی روشنی میں مرتب و مدون کر دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان دلائل کا ذکر بھی موجود ہے اس مرتب و مدون مجموعہ کا نام علم فقہ ہے۔ فقہ کی تعریف سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔

الفقه علم بالاحكام الشرعية من ادلتها التفصيلية۔

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت)

کہ دلائل تفصیلیہ (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) سے مسائل شرعیہ کو جاننا فقہ ہے
(اس تفصیل کے بعد یہ غلط فہمی رفع ہو گئی ہے کہ فقہ کوئی الگ اور زائد چیز ہے)

شاید یہی وجہ ہے کہ مشہور غیر مقلد عالم جناب وحید الزمانؒ نے علم فقہ کو تمام علوم سے افضل قرار دیا ہے۔ وہ اپنی فقہ کی مشہور کتاب نزول الابرار کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وبعد فان اعلى العلوم قدراً واجلها عزاً وفخراً علم الفقه المستنبط من الكتاب والسنة فانه من مكائد الشيطن جنة۔(۱)

---

(۱) وحید الزمان۔ نزول الابرار ج ۱۔ ص ۲۔

کہ علم فقہ تمام علوم میں اعلیٰ وارفع اور عظیم المرتبت علم ہے جو قرآن وسنت سے مستنبط
وماخوذ ہے اس لئے کہ یہ علم شیطانی تدبیروں کے مقابلہ میں ڈھال کا کام دیتا ہے۔

(ب) فقہ حنفی کا انداز ترتیب وتدوین

امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاء حنفیہؒ نے فقہ کی تدوین میں جس سنہری ترتیب کو بطور اصول
پیش نظر رکھا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ

"سب سے پہلے میں قرآن کریم کی طرف رجوع کرتا ہوں جو چیز قرآن کریم میں
نہ ملے اس کو سنت سے اور ان آثار سے لیتا ہوں جو سند صحیح کے ساتھ منقول ہیں۔ اگر
کتاب وسنت میں کوئی مسئلہ نہ ملے تو حضرات صحابہؓ کے اقوال کی طرف رجوع کرتا ہوں
اور ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتا۔ حضرات صحابہؓ کے بعد جب تابعین کی باری آتی
ہے تو مجھے بھی اختیار ہے کہ میں اجتہاد کروں۔

كتب ابو جعفر الى ابى حنيفةؒ : ويقول بلغني انك تقدم القياس
على الحديث فرد عليه فقال: ليس الامر كما بلغك يا امير المومنين انما
أعمل اولاً بكتاب الله، ثم بسنة رسوله ثم بأقضية الخلفاء الاربعة ثم
بأقضية بقية الصحابة. ثم اقيس بعد ذلك اذا اختلفوا. (۱)

عباسی خلیفہ ابوجعفر نے امام ابوحنیفہؒ کو لکھا۔ "مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ قیاس کو
حدیث پر مقدم کرتے ہیں۔" امام نے جواب میں لکھا۔ "اے امیر المومنین آپ کو جو اطلاع
پہنچی ہے وہ حقیقت نہیں۔ میں اولاً کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں۔ پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ
وسلم پر عمل کرتا ہوں پھر خلفائے اربعہؓ کے فیصلوں کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر پھر بھی
مطلوبہ حکم نہ ملے تو بقیہ صحابہؓ کے فیصلوں کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اس کے بعد والے
مرحلے میں اگر اختلاف ہو تو پھر میں قیاس سے کام لیتا ہوں۔

اس قسم کے ایک اور پروپیگنڈہ کو رد کرتے ہوئے امامؒ فرماتے ہیں۔

"كذب والله، وافترى علينا من يقول عنا إنا نقدم القياس على

---

(۱) الشعرانی۔ المیزان۔ ج۱۔ ص ۶۲۔ المطبعۃ الازہریۃ۔

النص وھل یحتاج بعد النص إلی قیاس؟"(۱)
اللہ کی قسم وہ جھوٹ کہتا ہے اور ہم پر بہتان باندھتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم نص پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں اور نص کے بعد بھلا قیاس کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟
اس طرح امام ابو حنیفہؒ اوروں کو بھی اسی انداز کی دعوت دیتے ہیں اور کتاب وسنت کی موجودگی میں رائے زنی سے روکتے ہیں۔
ولیس لاحد ان یقول برایہ مع کتاب اللہ ولا مع سنۃ رسولہ ولا مع ما اجمع علیہ اصحابہ واما ما اختلفوا فیہ فنتخیر من اقاویلھم اقربہ إلی کتاب اللہ أو إلی السنۃ ونجتھد وما جاوز ذلک فالاجتھاد بالرای لمن عرف الاختلاف وقاس.(۲)
کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسولؐ اور اجماع صحابہؓ کی موجودگی میں اپنی رائے سے کوئی بات کہے البتہ جب حضرات صحابہؓ سے مختلف اقوال منقول ہوں تو ہم وہ قول منتخب کرنے کی کوشش کریں گے جو قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہو اور ان کے علاوہ (تابعین کے) اختلاف کی صورت میں اجتہاد کیا جائے گا۔ جو اجتہاد کا اہل ہو۔
اس تفصیل سے فقہ حنفی کا انداز اور طریق کار بالکل واضح ہو گیا اور ان افواہوں کی حقیقت بھی سامنے آ گئی جو امت مسلمہ میں اختلاف وانتشار پیدا کرنے کے لئے پھیلائی گئی ہیں۔

فقہ حنفی کے علمی ماخذ

کوفہ میں پندرہ سو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تشریف لائے جن کے علوم کوفہ میں پھیلے۔ اس طرح کوفہ مرکز علوم کتاب وسنت بن گیا۔ ابن سعد نے طبقات میں جن مشہور حضرات صحابہؓ کے نام ذکر کئے ہیں۔ ان میں حضرات: علی رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعد بن زید رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، ابو قتادہ رضی اللہ عنہ، ابو موسیٰ انصاری رضی اللہ عنہ، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، براء

---

(۱) الشعرانی المیزان ج ۱ص ۶۱ المطبعۃ الازھریۃ۔
(۲) ابن حجر الخیرات الحسان ص ۲۸ دار الکتب العربیۃ۔

بن عازب رضی اللہ عنہ، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، وائل بن حجر رضی اللہ عنہ، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان سب حضرات کے علوم کوفہ اور گرد و نواح میں پھیلے جب کہ اہل کوفہ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علمی رنگ خوب چڑھا۔ کوفہ کے سات بڑے علماء و فقہاء آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ جن میں حضرت علقمہ بن قیس نخعی المتوفی ۶۲ھ سب سے نمایاں ہیں۔ حضرت علقمہ کے بعد یہ علمی قیادت حضرت ابراہیم نخعی کے سپرد ہوئی۔ جنہیں علماء و فقہاء کوفہ کی زبان کا لقب دیا گیا حضرت ابراہیم کے بعد حضرت حماد اس منصب پر فائز ہوئے تا آنکہ ۱۲۰ھ میں امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علمی اسلوب کو عروج پر پہنچا دیا۔

کوفہ کے اہم علمی مرکز ہونے کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ امام حاکم نے اپنی کتاب "معرفۃ الحدیث" میں مشہور علماء تابعین و تبع تابعین کا ذکر کیا ہے جو اس قابل ہیں کہ مشرق و مغرب سے آ کر ان سے علوم حدیث کو پڑھا جائے۔ اس میں مدینہ منورہ کے ۸۶، مکہ مکرمہ کے ۲۱ اور کوفہ کے ۴۰ علماء کا ذکر کیا ہے۔(۱)

امام ابوحنیفہؒ کا علمی مقام

(الف) گزشتہ سطور سے کوفہ کی علمی مرکزیت واضح ہوئی، نیز کہ اس میں کس قدر جلیل القدر علماء موجود تھے، امام بخاریؒ کے استاد یحییٰ بن آدمؒ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شہر کے علوم حدیث کا پورا ذخیرہ جمع کر لیا تھا اور اس میں آپ کی مخصوص توجہ ان احادیث کی طرف ہوتی تھی جن کا تعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی سے ہوتا۔(۲)

(ب) خود امام ابو یوسفؒ اپنا ذاتی تجربہ نقل کرتے ہیں کہ جب امام ابوحنیفہؒ کسی مسئلہ کا حکم بتا دیتے تو میں کوفہ کے دیگر علماء کے پاس جاتا کہ اس حکم میں ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ اگر دو تین حدیثیں مل جاتیں اور حضرت امام کی خدمت میں عرض کرتا تو

---

(۱) محمد امین: اثر الحدیث الشریف۔ ص ۸۷۔ مطبوعہ دار ہاشم

(۲) محمد امین: اثر الحدیث الشریف ص ۸۸، ۸۹۔ مطبوعہ دار ہاشم۔

آپ فرماتے کہ فلاں حدیث صحیح نہیں، فلاں حدیث غیر معروف ہے اور اس لئے میں نے ان کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ آپ کو ان تفصیلات کا کیسے علم ہے حالانکہ یہ تو آپ کے نحو کی تائید میں ہیں؟ آپ فرماتے ہیں کہ اصل میں کوفہ کے علم کا مجموعہ میرے پاس ہے۔(۱)

(ج) امام ابوحنیفہؒ نے صرف اہل کوفہ کے علوم پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علماء سے بھی استفادہ کیا۔ خصوصاً سفرہائے حج کے دوران، واضح رہے کہ آپ نے زندگی میں ۵۵ دفعہ حج کیا۔(۲)

(د) یہی وجہ ہے کہ علامہ صالحی نے عقود الجمان میں اور ابن حجرؒ نے "الخیرات الحسان" میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ کو شمار کیا گیا تو ان کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی۔(۳)

علم حدیث میں امامؒ کے اس بلند پایہ مقام کے ذیل میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کی حقیقت بھی بیان کر دی جائے کہ "امام ابوحنیفہؒ کو سترہ احادیث یاد تھیں۔"

۱- جو شخص دیانت دارانہ طور پر امامؒ کی حیات اور ان کی تعلیمات کو پڑھے وہ اس شبہ کی سخافت کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔

۲- امامؒ کے شاگردوں نے پندرہ مسانید مرتب کئے ہیں جن میں خاص طور پر امام صاحب کی مرویات جمع کی گئی ہیں۔ گو کہ بہ مناسبت سے بعض دیگر حضرات کی مرویات بھی شامل کر لی گئی ہیں۔ پھر خوارزمیؒ نے ۶۶۵ھ میں ان تمام مسانید کو یکجا کر کے اس مجموعہ کا نام "جامع المسانید" رکھا اور وہ طبع شدہ ہے۔

۳- امامؒ کے اساتذہ کی تعداد ۴۰۰۰ چار ہزار ہے اگر ہر ہر استاذ سے ایک ایک حدیث بھی حاصل کی ہو تو آپ کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔(الرای جواب)

---

(۱) اثر الحدیث الشریف۔ ص ۸۸۔ مطبعہ محمد ہاشم۔

(۲) محمد عوامہ: اثر الحدیث الشریف۔ ص ۸۵ تا ۸۹ مطبعہ محمد ہاشم۔ سباعی: السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی۔ ص ۴۱۳۔ المکتب الاسلامی۔

(۳) محمد عوامہ: اثر الحدیث الشریف۔ ص ۸۵ تا ۸۹ مطبعہ محمد ہاشم۔ سباعی: السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی۔ ص ۴۱۳۔ المکتب الاسلامی۔

۴۔ امام کے مجتہد ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ علماء امت ایک ایسے شخص کو مجتہد مان لیں جس کا علمی سرمایہ کے احادیث نہیں ہوں۔

امام ابو حنیفہؒ کی علمی و فقہی مجلس مشاورت

اس عظیم مجلس مشاورت تفصیلات ڈاکٹر سباعی نے "السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی" میں ابو زہرہ نے کتاب "ابو حنیفہ" میں اور ڈاکٹر مصطفیٰ نے "الائمۃ الاربعۃ" میں بیان کی ہیں، مختصراً یہ کہ امام ابو حنیفہؒ نے تدوین فقہ میں اپنے ذاتی علوم پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ چالیس چوٹی کے علماء پر مشتمل ایک مجلس قائم کی، جس میں ہر ہر مسئلہ پر تفصیلی گفتگو ہوتی اور پھر آخر میں جو حکم دلائل سے ثابت ہو جاتا اس کو لکھا جاتا۔ حتیٰ کہ کبھی ایک مسئلہ پر تین تین تک دن بحث و تمحیص ہوتی رہتی، نیز اس قدر احتیاط تھی کہ اگر ایک رکن بھی موجود نہ ہوتا تو اس کی انتظار کیا جاتا اور اس سے مشورہ کر کے مسئلہ کو آخری شکل دی جاتی اس مجلس میں اس دور کے بڑے بڑے مفسرین محدثین و فقہاء شامل تھے۔ (۱)

آخر میں اس جملہ پر ہم اس موضوع کو مکمل کرتے ہیں کہ "جس فقہ حنفی کی بنیاد قرآن وسنت اجماع و قیاس ہوں، جس کی تدوین میں ایسے جلیل القدر علماء شامل ہوں۔ ہر ہر مسئلہ میں اس قدر غور و خوض و احتیاط سے کام لیا گیا ہو اور خیر القرون میں جس کی تدوین مکمل ہوئی ہو جسے اللہ رب العزت نے مشرق و مغرب، عرب و عجم میں شرف قبولیت سے نوازا ہو، وہ اپنی افادیت اور بقاء میں کسی کی تصدیق و تحسین کسی حمد و ثناء کی محتاج نہیں اور نہ کسی کی تائید یا تردید ہی سے اس کے حال میں فرق آئے گا۔

اجتہاد و تقلید

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی اختصار کے ساتھ اس اہم مسئلہ کی توضیح کر دی جائے۔ سب سے پہلے اجتہاد کی تعریف، اجتہاد کی شرائط، تقلید کی تعریف، عوام کا مسئلہ؟ قرآن وسنت، اجماع امت، دلائل عقلیہ اور اسلاف امت کے ارشادات کی روشنی میں

---

(۱) ابو زہرہ "ابو حنیفہ" ص ۲۱۳۔ دار الفکر العربی۔ السباعی "السنۃ ومکانتہا" ص ۱۴۷۔ المکتب الاسلامی۔ مصطفیٰ "الائمۃ الاربعۃ" ص ۶۵۔ دار الکتاب المصری۔

اس مسئلہ کا معتدل حل اور بصورت دیگر راہ احتمال چھوڑنے کے مفاسد کا ذکر کیا جائے گا۔
ان شاء اللہ۔

اجتہاد کی تعریف

لغت میں اجتہاد کا مادہ "ج، ہ، د" ہے ج کے پیش اور زبر کے ساتھ طاقت کوشش اور محنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

علامہ زبیدیؒ فرماتے ہیں۔

الاجتهاد بذل الوسع في طلب الامر والمراد به رد القضية من طريق القياس الى الكتاب والسنة.(۱)

اجتہاد کہتے ہیں کہ کسی چیز کی تلاش میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنا اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی مسئلہ کو قیاس کے واسطے سے کتاب وسنت کی طرف لوٹانا۔

امام غزالیؒ اصطلاحی تعریف کرتے ہیں کہ

الاجتهاد بذل المجتهد وسعه في طلب العلم باحكام الشريعة.(۲)

احکام شریعت کا علم حاصل کرنے کے لئے مجتہد کا اپنی توانائیوں کو صرف کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔

اجتہاد کی شرائط

اس موضوع پر بہت سے علماء واسلاف امت نے تفصیلاً بحث کی ہے۔ علامہ آمدیؒ نے احکام میں، امام غزالیؒ نے المستصفی میں، ابن خلدونؒ نے مقدمہ میں شرائط اجتہاد کا ذکر کیا ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم پہلو ہے جسے بعض لوگ نظر انداز کئے ہوئے ہیں، حالانکہ جس عالم وفقیہ میں اجتہاد کی تمام شرائط موجود ہوں وہی اس کا اہل ہے جیسے کہ نماز کی شرائط میں سے ایک شرط باوضو ہونا ہے۔ اگر کوئی شخص بلا وضو نماز پڑھ لے تو ایسی نماز صحیح اور مقبول نہ

---

(۱) الزبیدی تاج العروس۔ ج۲۔ ص۳۲۹۔
(۲) المستصفی۔ ج۲۔ ص۲۷۸۔ مکتبۃ الجندی مصر۔

کیا۔ الٹا اس کی تباہی کا باعث ہوگی۔ یونہی معاملہ ہے اس شخص کا کہ جو اجتہاد کے سمندر میں تیرنا نہ جانتا ہو اور اس میں کود جائے۔

ذیل میں علامہ شوکانی کی بیان کردہ شرائط اجتہاد کو مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔

شرط اول : مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ علوم عربیہ صرف، نحو، بلاغت وغیرہ پر عبور رکھتا ہو، عربی زبان کے نشیب و فراز، اسلوب بیان سے واقف ہو، چونکہ قرآن وسنت جو کہ اجتہاد کی بنیاد ہیں عربی زبان میں ہیں۔ (ملخص)۔ (۱)

شرط دوم : علوم القرآن میں مہارت رکھتا ہو، خصوصاً تفسیر منقول، اسباب نزول، علم ناسخ و منسوخ سے بخوبی واقف ہو۔ (۲)

شرط سوم : علوم حدیث پر دسترس ہو، علوم حدیث کی اصطلاحات، علم اسماء الرجال سے واقف ہو اور اپنے زمانے کے مسائل کے مطابق اسے ان تمام احادیث کا علم ہو جو متعلقہ مسائل میں وارد ہوئی ہیں۔ (۳)

شرط چہارم : جن مسائل پر علماء امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے ان سے واقف ہو۔ (۴)

اور یہ سب اس لئے کہ اگر اس کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کونسا حکم قرآن وسنت میں منصوص ہے کونسا نہیں؟ نیز کس کس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہے تو خطرہ ہے وہ منصوص اور متفقہ مسائل میں بھی اجتہاد کرنے لگے۔ حالانکہ اجتہاد کا تعلق صرف ایسے مسائل کے ساتھ ہے جو قرآن وسنت واجماع میں وضاحت وصراحت کے ساتھ مذکور نہ ہوں۔ علاوہ ازیں اگر وہ قرآن وسنت کا صحیح علم نہیں رکھتا تو یقیناً اجتہاد میں غلطی کرے گا۔ کہیں ضعیف احادیث کو بنیاد بنائے گا تو کہیں منسوخ احکام پر فتویٰ دے گا۔

شرط پنجم : اجتہاد و استنباط کے اصول و قواعد جانتا ہو یعنی علم اصول فقہ کا ماہر ہو۔ (۵)

---

(۱) شوکانی ارشاد الفحول۔ ص ۲۵۱۔ (المصدر السابق فی الاجتہاد)

(۲) شوکانی ارشاد الفحول۔ ص ۲۵۰۔

(۳) شوکانی ارشاد الفحول۔ ص ۲۵۱۔

(۴) شوکانی ارشاد الفحول۔ ص ۲۵۱۔

(۵) شوکانی ارشاد الفحول۔ ص ۲۵۲۔

امام غزالیؒ اور ابن خلدونؒ نے مجتہد کے لئے اس علم کی خصوصی اہمیت کا تذکرہ کیا ہے چونکہ اجتہاد و استنباط کے ساتھ اس کا بہت گہرا تعلق ہے۔

شرط ششم: اجتہاد چونکہ علمی، فنی اور عقلی کاوش کا نام ہے لہٰذا ضروری ہے کہ مجتہد اعلیٰ درجہ کا ذہین اور عقلی و فکری صلاحیتوں کا مالک ہو، نیز متقی و پرہیزگار ہو کہ اس کے اجتہاد میں خواہش پرستی کا عمل دخل نہ ہو۔

تقلید کی تعریف

تقلید کی مختلف تعریفات کی جاتی ہیں کچھ تعریفات میں لغوی معنیٰ کا غلبہ ہوتا ہے اور کچھ تعریفات میں مصنف کے ذاتی افکار کا دخل ہوتا ہے۔ حضرات مقلدین جس عقیدہ کے ساتھ مجتہد کی تقلید کرتے ہیں اس کی صحیح ترجمانی سید محمد موسیٰ کی تعریف سے ہوتی ہے۔

التقليد أن يعتمد الانسان في فهم الحكم من الدليل على غيره لا على نفسه(۱)

دوسرے شخص نے جو مسئلہ دلیل کے ساتھ سمجھا ہے اس پر اعتماد کر کے اسے مان لینا اور خود یہ (اجتہادی) کاوش نہ کرنا۔

اس تعریف میں تقلید کا صحیح تصور پیش کیا گیا ہے کہ نمبر ۱، تقلید ہمیشہ کسی مجتہد کی ہوگی۔ نمبر ۲، وہی صحیح مجتہد ہے جو دلائل شرعیہ کی روشنی میں اجتہاد کرے۔ نمبر ۳، مقلد میں چونکہ اجتہادی شرائط نہیں لہٰذا وہ مجتہد کی تحقیق پر اعتماد کر لیتا ہے۔

عوام کو تقلید کا حکم

جو شخص عالم نہیں اسے چاہئے کہ عالم سے پوچھ لیا کرے، جو شخص مجتہد نہیں چاہئے اسے مجتہد سے پوچھ کر عمل کرنا چاہئے۔ ارشاد ربانی ہے۔

دلیل نمبر ۱: فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون۔ (النحل۔ ۴۳)

اگر تم خود نہیں جانتے تو ان لوگوں سے پوچھ لیا کرو جو جانتے ہیں۔

علامہ آمدیؒ الاحکام میں فرماتے ہیں: یہ خطاب ہر ہر مکلف کو ہے لہٰذا جو چیز بھی کسی کو معلوم نہ ہو وہ دوسرے سے سوال کرے۔(۲)

ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت سے مراد عوام ہیں۔(۳)

---

(۱) محمد موسیٰ الاجتہاد ص ۱۶۷ ط۔ (۲) آمدی الاحکام ج ۴۔ ص ۱۹۸ دار الفکر۔

(۳) ابن عبدالبر جامع بیان العلم ج ۲۔ ص ۱۴۰۔

دلیل نمبر۲ : ارشادِ نبوی ہے : عن جابرؓ وفیہ .... الا سألوا اذ لم یعلموا فانما شفاء العی السؤال. (ابو داؤد)

دلیل نمبر۳ : اجماعِ اُمت

اس بات پر علماءِ امت کا اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے کہ عوام اور ہر غیر مجتہد تقلید کرے۔

علامہ آمدیؒ فرماتے ہیں کہ : "العامی ومن لیس له اهلیة الاجتهاد وان کان محصلا لبعض العلوم المعتبرة فی الاجتهاد، یلزمه اتباع قول المجتهدین والاخذ بفتواه عند المحققین الاصولیین، ومنع ذلک بعض المعتزلة البغدادیین، والمختار انما هو المذهب الأول ویدل علیه النص والاجماع والمعقول، .... أما الاجماع فهو أنه لم تزل العامة فی زمن الصحابة والتابعین قبل حدوث المخالفین یستفتون المجتهدین ویتبعونهم فی الاحکام الشرعیة والعلماء منهم یبادرون إلی اجابة سؤالهم من غیر إشارة الی ذکر الدلیل، ولا ینهونهم عن ذلک من غیر نکیر فکان اجماعاً علی جواز اتباع العامی للمجتهد مطلقاً. (۱)

کہ عام آدمی اور ہر وہ شخص جس میں اجتہاد کی اہلیت نہیں گو کہ وہ اجتہاد سے متعلقہ بعض علوم کو جانتا بھی ہو، اس کو مجتہدین کی اتباع اور ان کے فتویٰ پر عمل کرنا لازم ہے محقق علماءِ اصول کا یہی نظریہ ہے۔ البتہ بغداد کے بعض معتزلہ اس تقلید سے روکتے ہیں۔ ان میں پہلا نظریہ حق ہے جو قرآن وسنت، اجماعِ امت اور دلائلِ عقلیہ سے ثابت ہے.....

اجماعِ امت یہ ہے کہ حضرات صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں عوام مجتہدین سے مسائل پوچھتے اور احکامِ شرعیہ میں ان کی پیروی کرتے اور علماء بلا تردد ان کے سوالات کا جواب دیتے اور عوام کو مسئلہ بتاتے وقت وہ دلیل کا ذکر ضروری نہ سمجھتے اور عوام کو اس انداز پر پوچھنے اور عمل کرنے سے نہ روکتے تھے تو یہ اجماع ہے کہ بغیر کسی قید کے عوام مجتہد کی اتباع کر سکتے ہیں۔

---

(۱) الاحکام للآمدی ـ ج ۳ ـ ص ۲۰۳ ـ مکتبۃ المعارف المغرب ـ

علامہ ابن تیمیہؒ کا ارشاد
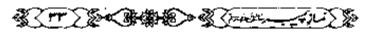
والذی علیه جماهیر الأمة أن الاجتهاد جائز في الجملة والتقلید جائز في الجملة لا یوجبون الاجتهاد علی کل احد ویحرمون الاجتهاد وان الاجتهاد جائز للقادر علی الاجتهاد والتقلید جائز للعاجز عن الاجتهاد. فأما القادر علی الاجتهاد فهل یجوز له التقلید هذا فیه خلاف والصحیح انه یجوز حیث عجز عن الاجتهاد اما لتکافؤ الادلة واما لضیق الوقت عن الاجتهاد او لعدم ظهور دلیل له، فإنه من حیث عجز سقط عنه وجوب ما عجز عنه وانتقل إلی بدله وهو التقلید کما لو عجز عن الطهارة بالماء. (۱)

جمہور علماء امت کا یہی مسلک ہے کہ اجتہاد اور تقلید اپنی اپنی جگہ جائز ہے ہر شخص پر اجتہاد واجب اور تقلید حرام نہیں، اور ہر شخص پر تقلید واجب اور اجتہاد حرام نہیں، بلکہ جو شخص اجتہاد کا اہل ہے اس کے لئے اجتہاد جائز ہے اور جو شخص اجتہاد کا اہل نہیں اس کے لئے تقلید جائز ہے اب یہ کہ جو شخص اجتہاد کا اہل ہے وہ تقلید کر سکتا ہے یا نہیں، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح مسلک یہی ہے کہ اس کے لئے بھی تقلید جائز ہے چونکہ عملاً اس نے اجتہاد نہیں کیا۔ یا تو اس لئے کہ متعلقہ مسئلہ میں وارد شدہ دلائل برابر ہیں یا قلت وقت کی وجہ سے وہ اجتہاد نہ کر سکا یا اس کو ایک مسئلہ میں خاص دلیل نہیں ملی۔ بہر حال جب وہ عملاً اجتہاد سے عاجز ہو تو جو چیز اس پر واجب تھی (اجتہاد) وہ ساقط ہو گئی اور اب وہ اس کے متبادل پر عمل کرے گا اور وہ تقلید ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص پانی کے ساتھ وضو کرنے سے عاجز ہو جائے تو تیمم کرے۔

شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد

حضرت شاہ صاحبؒ عقد الجید میں فرماتے ہیں کہ تقلید دو طرح کی ہے ایک واجب ہے اور دوسری حرام ہے۔

---

(۱) ابن تیمیہ فتاویٰ۔ ج ۲۰۔ ص ۲۰۳۔ مکتبۃ المعارف المغرب۔

تقلید واجب یہ ہے کہ جو شخص کتاب وسنت کے علوم سے واقف نہیں، وہ نہ تو خود مسائل کا حکم تلاش کرسکتا ہے اور نہ استنباط ہی کرسکتا ہے ایسے شخص کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ کسی فقیہ سے پوچھے کہ اس مسئلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تعلیمات ہیں؟ اور پھر اس پر عمل کرے چاہے یہ مسئلہ کسی نص میں صراحۃً مذکور ہو، یا استنباط شدہ ہو، یا کسی منصوص حکم پر قیاس کیا گیا ہو۔ اس طرح درحقیقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر ہی عمل پیرا ہے اور اس کیفیت کے صحیح ہونے پر ہر ہر صدی کے علماء کا اتفاق ہے اور اس تقلید صحیح کی علامت یہ ہے کہ مجتہد کے قول پر عمل کرنا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ سنت کے مطابق ہو۔ اس لئے اگر کہیں یہ مسئلہ سنت کے خلاف نکل جائے تو سنت پر عمل کیا جائے گا اور حضرات ائمہ نے اس کا حکم دیا ہے۔

اور تقلید حرام یہ ہے کہ مجتہد کو یہ سمجھا کر وہ ایسے مقام پر فائز ہے کہ غلطی کر ہی نہیں سکتا۔ حتی کہ اگر کوئی حدیث صحیح اس کے مخالف ہو تو پھر بھی مجتہد کی بات کو نہ چھوڑے۔(۱)

علامہ وحید الزمان کا ارشاد

علامہ موصوف بھی عوام کے لئے شخصی تقلید کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ ہاں اگر کسی مسئلہ میں نصوص کی مخالفت لازم آتی ہو تو ایسے موقع پر عمل نہ کرے۔ وہ لکھتے ہیں :

ولا بد للعامی من تقليد مجتهد أو مفتي.(۲)

کہ عام آدمی (غیر مجتہد) کے لئے کسی مجتہد یا بڑے عالم کی تقلید ضروری ہے۔

خلاصہ کلام

گزشتہ سطور میں دلائل شرعیہ کی روشنی میں اجتہاد و تقلید کی حقیقت واضح ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

۱- اجتہاد کرنا دلائل شریعت سے ثابت ہے۔

۲- جس شخص میں اجتہاد کی شرائط موجود ہوں وہی اجتہاد کا اہل ہے۔

---

(۱) شاہ ولی اللہ۔ عقد الجید۔ ص ۳۲، المطبعۃ السلفیۃ قاہرہ

(۲) وحید الزمان۔ نزول الابرار۔ ج ۱۔ ص ۷۔

۳- جو شخص قرآن وسنت سے ناواقف ہے وہ لازماً مجتہدین پر اعتماد کرکے ان کی تقلید کرے۔

۴- جس نے اجتہاد سے متعلقہ کچھ علوم حاصل کئے ہوں مگر مجتہد کی تمام شرائط اس میں نہ ہوں۔ وہ بھی لازماً مجتہدین کی تقلید کرے۔

۵- اگر کوئی شخص درجہ اجتہاد کو پہنچ بھی چکا ہو مگر اجتہاد نہ کر سکے تو اس کے لئے بھی تقلید جائز ہے۔

۶- عام علماء اور عوام کو مجتہدین کی تقلید سے روکنا معتزلہ کا مذہب ہے۔

۷- مجتہد پر اعتماد کرکے اس کی تقلید اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ جو کچھ بتاتا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں بتاتا ہے۔

ترک تقلید اور اس کے علمبردار

گزشتہ صفحات میں دلائل کی روشنی سے واضح کر دیا گیا کہ جو شخص اجتہاد کا اہل ہے اس کے لئے اجتہاد کرنا جائز ہے اور جو اجتہاد کا اہل نہیں اس کے لئے تقلید واجب ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود ایک طبقہ اس بات پر مصر ہے کہ جو شخص اجتہاد کا اہل نہیں ہے وہ بھی اجتہاد کرے۔ اور تقلید حرام ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ کی حقیقت اور اس کے مقاصد بیان کرنے سے پہلے اس کی تاریخ بیان کر دی جائے۔

۱- جمہور علماء امت کے مقابلہ میں معتزلہ اس نظریہ کے علمبردار تھے۔(۱)

۲- ابن حزم ظاہری کا بھی یہی کہنا تھا کہ ہر عام وخاص اجتہاد کرے اور تقلید مطلقاً حرام ہے۔(۲)

۳- پھر اس نظریہ کے علمبردار شوکانی اور صنعانی ہیں۔(۳)

۴- ظاہریہ اور معتزلہ کے اس نظریہ کے علمبردار ہندوپاک میں غیر مقلدین کے نام سے معروف ہیں۔

---

(۱) آمدی الاحکام۔ ج۳۔ ص۲۳۵۔ دار الفکر

(۲) ابن حزم الاحکام۔ ج۶۔ ص۱۴۶۔ مطبعۃ العاصمۃ مصر۔

(۳) شوکانی القول المفید اور دیگر تالیفات

عدم تقلید اور اس کی حقیقت
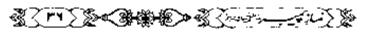
شرائط اجتہاد کے بغیر کسی کا اجتہاد کرنا ایسا ہی ہے جیسے نماز کی شرائط پوری کئے بغیر بلا وضو نماز پڑھنا۔ اور اجتہاد کی اہلیت کے بغیر اجتہاد کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جاہل کو وزیر تعلیم اور کسی ان پڑھ کو سپریم کورٹ کا جج بنا دینا۔ ایسا ہونا عملاً ناممکن ہے۔ اس لئے دیکھتے ہیں کہ دعوائے عدم تقلید کے باوجود ہر شخص مقلد ہے اور اپنے طبقہ کے عام علماء وائمہ مساجد کے اقوال کی تقلید کرتا ہے۔

اب اہل سنت والجماعت اور اس طبقہ کی تقلید میں فرق صرف یہ ہے کہ اہل سنت امام ابوحنیفہؒ اور اس پایہ کے علماء وفقہاء ومجتہدین کی تقلید کرتے ہیں، جن کے امام ومجتہد ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ جن کا تعلق خیر القرون سے ہے اور یہ لوگ ایسے علماء کی تقلید کرتے ہیں جن میں شرائط اجتہاد ہی پوری نہیں جس میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ عام عالم اور امام مسجد جو اجتہاد کا اہل نہیں وہ اجتہاد کرتا ہے اور عوام بھی ایسے شخص کی تقلید کرتے ہیں نہ تو یہ اجتہاد ہے اور نہ ہی تقلید بلکہ ہے ایسے اجتہاد وتقلید کی بابت سید موسیٰؒ فرماتے ہیں۔

واما اعتماد الشخص على نفسه وفهمه من غير ان يكون اهلا للاجتهاد كما هو داب بعض الناس اليوم، فاخذ بالتشهي واعتماد على الهوى وليس بتقليد ولا اجتهاد. (۱)

جو شخص اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور اپنی ذات اور اپنی سمجھ پر اعتماد کر بیٹھے جیسے کہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں نہ تو یہ تقلید ہے نہ اجتہاد بلکہ یہ اپنی شہوت کی اتباع اور خواہش پرستی ہے۔ (۲)

عدم تقلید کے مقاصد

تاریخ کے ہر طالب علم پر یہ حقیقت واضح ہے کہ جس طبقہ نے بھی "قرآن وسنت اجماع وقیاس" کی بابت اہل سنت والجماعت کے منہج کو اختیار کرنے کے بجائے اپنی ذاتی

---

(۱) سید محمد موسیٰ الاجتہاد ص۵۶۸ ج ۱ ۵۷۱۔

(۲) سید محمد موسیٰ الاجتہاد ص۵۶۸ ج ۱ ۵۷۱۔

سوچ ذاتی عقل و فہم کو اپنا منہج بنایا ان سے مختلف فتنے نمودار ہوئے۔ اگر معتزلہ نے اپنی عقل پر زیادہ بھروسہ کیا تو کیسے کیسے فتنے نمودار ہوئے۔ اسی طرح اسی منہج کو جب ہند و پاک میں اپنایا گیا تو حسب سابق اس تجربہ کے بھی وہی نتائج برآمد ہوئے جیسے اس طبقہ فکر کے بانی مخلص زعماء نے محسوس کیا اور بروقت اس کی نشاندہی کر دی۔ ذیل میں چند حضرات کے تجربات وارشادات کو نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کا پچیس سالہ تجربہ (مشہور غیر مقلد عالم)

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق، اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر، ارتداد وفسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہ اہل حدیث جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جارہے ہیں۔ (۱)

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کا بے باک تجزیہ

ایک دفعہ امام غزالی زائد بن احمد کی مجلس میں حاضر ہوئے تو یہ حدیث سنی۔

("من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ" اور فرمایا کہ فی الحال یہی کافی ہے اس پر عمل کر کے مزید سنوں گا۔ نواب صدیق حسن خانؒ اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ تو پچھلے متقدم لوگوں کا حال تھا جب کہ آج کل جاہلوں کا ایک گروہ ہے جس کی حدیث دانی کا بیشتر حصہ اس سے عبارت ہے کہ حضرات محدثین و مجتہدین کے اختلافی مسائل میں سے عبادات پر زیادہ زور دیتے ہیں، لیکن روز مرہ زندگی کے معاملات کو یکسر نظر انداز کئے ہوئے ہیں ان کی اجتماع کا دارومدار ان اختلافی مسائل کو ہوا دینے پر ہے اسی لئے یہ لوگ اہل حدیث کے اصل رستے سے بھٹکے ہوئے ہیں، انکو معاملات سے متعلق احادیث کا کچھ علم نہیں ہے۔ ان کی علمی استعداد کا یہ عالم ہے کہ تو اعد حدیث کے مطابق وہ

---

(۱) محمد حسین بٹالوی رسالہ اشاعت السنہ نمبر ۲، جلد ۱۱، ۱۸۸۸ء

حدیث سے ایک مسئلہ کا استنباط بھی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ان کو حدیث پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ہوتی اور توفیق کیونکر ہو وہ شیطان کے مکروفریب کے سبب حدیث پر عمل کرنے اور اس کی اتباع کے بجائے زبانی دعووں پر اکتفا کرتے ہیں (کہ ہم اہل حدیث ہیں) ان کے خیال میں دین کا خلاصہ یہی ہے گویا وہ مسلمانوں میں سے پیچھے رہ جانے والے طبقہ کے ساتھ رہ جانا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کو بارہا آزمایا ہے۔ ان کے ہر چھوٹے بڑے کا یہی وطیرہ ہے۔ میں نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ مخلص مسلمانوں کے رستہ پر چلتا ہو یا نیک لوگوں کی پیروی کا خواہاں ہو۔ بلکہ ان کو دیکھا ہے کہ کمینی دنیا کو جمع کرنے میں مگن ہیں۔ مال وجاہ کے لالچی ہیں۔ اس سلسلہ میں انہیں حلال وحرام کی بھی کوئی تمیز نہیں ہے۔ ان کا دل اسلام کی چاشنی سے محروم ہے۔ مسلمانوں کے مسائل ومعاملات میں پتھر دل واقع ہوئے ہیں۔ جیسے کوئی کم عقل سرکش ہوتا ہے۔

اسلهم ثم تاملتهم

فلاح لی ان لیس فیهم فلاح

میں نے ان سے بہت امیدیں وابستہ کی تھیں۔ پھر غوروخوض کے بعد واضح ہو گیا کہ ان میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

اور جس قوم کے قول وعمل میں تضاد ہو وہ کیونکر کامیاب ہو سکتی ہے۔ یہ مخلوق کی بہترین ہستی کی باتیں کرتے ہیں لیکن یہ خود مخلوق کے بدترین لوگ ہیں۔ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو ٹھیک جواب دیتے ہیں، لیکن جب خود انہیں وہ کام کرنے پر قدرت ہو جاتی ہے تو پھر کسی چیز کی پرواہ کئے بغیر دل کھول کر وہ کام کرتے ہیں۔

عجبت من شیخی ومن زهده

ومن ذکره النار واهوالها

یکره ان یشرب فی فضة

ویسرق الفضة ان نالها

مجھے اپنے شیخ اس کے تقوے اور جہنم کی سختیوں کے تذکرہ پر تعجب ہوتا ہے وہ چاندی کے گلاس میں پانی پینے کو مکروہ گردانتا ہے لیکن موقع مل جائے تو چاندی کے اس برتن کو چوری کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کیسے اپنے آپ کو پکے موحد (توحیدی) کہتے ہیں اور
دوسروں کو مشرک و بدعتی قرار دیتے ہیں۔ نیز یہ بہت متعصب ہیں اور دینی امور میں غلو سے
کام لیتے ہیں ان کی ساری محنت اور وقت بے مقصد کاموں میں ضائع ہو رہا ہے۔ یہ خود تنگی
میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔ یہ اصول و قانون کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ بھلا
کی بات قبول کرنے کی استعداد چھن گئی ہے۔ انھوں نے رسالت سے اعراض کیا ہے
بھلا گمراہی کے گہرے گڑھے میں جا گرے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو دیکھنا ایسا ہی تکلیف
دہ ہے جیسے آنکھ میں تنکا پڑ جائے یا گلے میں کانٹا پھنس جائے یا نفسیاتی تکلیف ہو یا روح
بیمار ہو۔ گویا دل و دماغ کو کوفت ہوتی ہے ان سے انصاف کا سلوک کرو گے تو ان کی طبائع
اس کو برداشت نہ کریں گی اور اگر ان سے انصاف کی امید رکھو تو یونہی ہے جیسے ثریا ستارہ کو
ہاتھ لگانا۔ ان کے دل اُلٹے ہیں۔ ان کا مقصد ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ یہ خیالات کی
دنیا میں رہتے ہیں اسی لئے محروم رہتے ہیں۔ یہ اپنی علمی گہرائی کے بلند بانگ دعوے کرتے
ہیں۔ حتیٰ کہ کثرت زبان کے سبب ان کے منہ سے جھاگ بہنے لگا ہے۔ حالانکہ ان کے پاؤں
بھی علم کے قطرہ سے تر نہیں ہوئے، نہ ان کی عقل ہی اس سے صیقل ہوئی ہے نہ علم کی روشنی
سے ان کی اندھیری راتیں منور ہوئی ہیں نہ علم کے نور سے ان کے دل ہی چمکے ہیں۔ کاش
کی پیشانی ان کے علمی رشد و ہدایت پر خوش ہونے کے بجائے ان کے قلم کی سیاہی سے صدی
ہے۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ دین نہیں بلکہ زمین میں ایک بہت بڑا فتنہ و فساد ہے۔ اگر یہ
لوگ اپنے قول و عمل میں مخلص ہوتے، انھیں علم نافع کی طلب ہوتی، اللہ کا ڈر اور نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم سے حیا ہوتی تو دنیا کا میل کچیل جمع نہ کرتے اور نیکوں کا لبادہ اوڑھ کر ان کی سی
شکل و صورت بنا کر ناواقف اور جاہل طبقہ کو اپنے دام میں نہ پھنساتے، مسلمانوں کا مال
ناجائز طریقہ سے نہ کھاتے، دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے، قرآن پر عمل کرنے کے بجائے
محض اس کا نام لینے پر اور علم حدیث کی رسمی و سطحی حیثیت پر اکتفاء نہ کرتے، اپنے قیمتی وقت
اور صلاحیتوں کو نیک کاموں میں خرچ کرتے شب و روز دنیا داروں کی صحبت میں نہ
گزارتے، زندگی کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا مرکز و محور نہ بناتے اور
اگر تقریر و اقدام کے میدان میں اترتے تو اس کا حق ادا کرتے جیسا کہ ان سے پہلے کے اہل

محدثوں اور موحدین نے اپنے زمانہ میں عملاً کر کے دکھایا ہے۔ لہٰذا صرف ایسے لوگوں کو قرآن وسنت کی اتباع اور اس کی طرف دعوت دینے کا حق حاصل تھا اور قرآن وحدیث بھی صرف ایسے لوگوں کے لئے آگ سے بچاؤ کا سامان ہے۔ نہ کہ ان جعلی لوگوں کے لئے جن کا قرآن وحدیث کے ساتھ تعلق صرف دعوے کی حد تک ہے اور ان کا کتاب وسنت والا نعرہ صرف ریاکاری ہے۔

نعوذ بالله من اناس
تشيخوا قبل أن يشيخوا
إحدودبوا وانحنوا رياءً
فاحذرهم إنهم فخوخ

ہم ایسے لوگوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جو بوڑھے بزرگ ہونے سے پہلے ہی بتکلف اپنے آپ کو بوڑھا بنا رہے ہیں۔ وہ دوسروں کو اپنے بڑھاپے کا تاثر دینے کے لئے کبڑے ہو کر چلتے ہیں۔ ان لوگوں سے بچ کر رہنا ان کے کبڑے ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے کنڈی کا سرا شکار پکڑنے کے لئے مڑا ہوا ہوتا ہے۔

خدا کی قسم جس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کا خوف ہے وہ اس قسم کی جرأت نہیں کرتا۔ واضح رہے کہ کوئی بھی منصف مزاج ان کے کردار کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین کے روپ میں دنیا جمع کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھے اور ہمیں مداہنت، منافقت اور جاہلوں کی صحبت سے بچائے رکھے۔ (۱)

نوٹ: نماز پیغمبر کی گزشتہ اشاعت میں نواب صاحبؒ کے اس تجزیہ کا خلاصہ پیش کیا گیا تھا، بعض مخلص غیر مقلد دوستوں کو خیال گزرا کہ شاید نواب صاحب کا اصل مضمون کچھ مختلف ہو، لہٰذا اب ناکہ وقوم کے باہمی تاثرات وتبصرہ کو حرف بحرف نقل کر دیا ہے۔ گویا ان مخلصین کے ارشاد کی تعمیل میں عربی تحریر کو اردو اسلوب میں منتقل کرنے کی جسارت کی ہے۔ معذرت خواہ ہوں، جن حضرات کو غیر مقلدین کے قریب بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے یا وہ ان کے لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں انہیں ان حقائق کے سمجھنے میں بہت آسانی ہوگی۔

---

(۱) نواب صدیق حسن خان بھوپالی الحطہ فی ذکر صحاح الستہ۔ ص ۱۵۳ تا ۱۵۵ اسلامی اکیڈمی۔ لاہور۔

۳- قاضی عبدالواحد صاحب خانپوریؒ (مشہور غیر مقلد عالم)

پس اس زمانے میں جھوٹے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ما جاء الرسول سے جاہل ہیں۔ وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوتے ہیں شیعہ روافض کے۔ یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کے تھے اسلام کی طرف اسی طرح یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ زنادقہ منافقین کے بعینہ مثل شیعوں کے..... مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دے دیں۔ اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پرواہ نہیں، اسی طرح ان جہال بدعتی کاذب اہل حدیثوں میں ایک دفعہ رفع یدین کر کے تقلید کا رد کرے اور سلف کی ہتک کرے۔ مثل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر کفر بد اعتقادی اور الحاد اور زندقہ ان میں پھیلا دے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ نہیں بجھیں بھی نہیں ہوتے۔ اگرچہ علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں۔ ہرگز نہیں سنتے۔ "سبحان اللہ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ" اور سراس کا یہ ہے کہ وہ مذہب و عقائد اہل السنۃ والجماعت سے نکل کر اجماع سلف سے مستنکف و مستکبر ہو گئے ہیں۔(۱)

نوٹ: ان مشاہدات و تاثرات میں بعض سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں۔ کمال امانت کی وجہ سے حرف بحرف نقل کر دیے گئے ہیں۔

محمد شفیق اسعد

فاضل مدینہ یونیورسٹی

مدینہ منورۃ

---

(۱) قاضی عبدالواحد اظہار کفر شاہ اللہ بجمیع اصول آمنت باللہ۔ ص ۳۶۲۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین. والصلوۃ والسلام علی رحمۃ للعالمین محمد عبداللّٰہ ورسولہ، وعلی آلہ من اہل بیتہ واصحابہ ومن تبعہم الی یوم الدین. اما بعد.

طہارت کا بیان

پانی یا مٹی کے ساتھ شرعی طریقہ پر صفائی و نظافت کو طہارت کہتے ہیں۔ جیسے: وضو، غسل، تیمم۔

پانی کی اقسام

پانی تین طرح کا ہوتا ہے۔

۱۔عام پانی ۲۔ناپاک پانی ۳۔استعمال شدہ پانی

(۱) عام پانی اور اس کا حکم

اس سے مراد ہر وہ پانی ہے جس کی رنگت، ذائقہ اور بو طبعی حالت پر ہو۔ جیسے سمندر، دریا، نہر، چشمہ، کنوئیں اور بارش کا پانی۔ یہ پانی پاک ہے اور اس سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(الف) ارشاد ربانی ہے: "وینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم بہ"

(انفال. ۱۱)

اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے تم پر پانی اتارا ہے تاکہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کر دے۔

وانزلنا من السماء ماء طھوراً. (فرقان. ۴۸)

اور ہم نے آسمان سے اتارا پانی، جس سے پاکی حاصل کی جاتی ہے۔

(ب) ارشاد نبوی ہے: "هو الطهور ماءه." (ترمذی)
جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "سمندر کا پانی پاک ہے۔"

(۲) ناپاک پانی

اس سے مراد وہ پانی ہے جو اپنی اصلی حالت پر نہ ہو بلکہ اس کا رنگ، ذائقہ یا بو بدل گئی ہو اور اس پر علماء امت کا اجماع ہے۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں:
الإجماع على أن الماء المتغير بالنجاسة ريحاً أو لوناً أو طعماً نجس.
(نيل الأوطار، ج ۱، ص ۳۵)
نجاست کی وجہ سے جس پانی کی بو، رنگ یا ذائقہ بدل جائے اس کے ناپاک ہونے پر امت کا اجماع ہے۔(۱)

(۳) استعمال شدہ پانی

یہ وہ پانی ہے جسے ایک دفعہ وضو یا غسل کے لئے استعمال کیا گیا ہو۔ یہ بذات خود پاک ہے لیکن اس سے دوبارہ پاکی حاصل نہیں ہو سکتی فقہاء کی اصطلاح میں اسے طاہر غیر مطہر کہتے ہیں۔

---

(۱) جب پانی زیادہ مقدار میں ہو جیسے نہر، دریا یا بڑا حوض تو وہاں یہ تبدیلی ہی بنیاد ٹھہرے گی، لیکن اگر پانی تھوڑی مقدار میں ہو۔ جیسے بالٹی، مٹکے وغیرہ کا پانی تو ذرا سی نجاست گرنے سے بھی ناپاک ہو جائے گا۔ گو کسی وصف میں تبدیلی نہ ہوئی ہو۔ ارشاد نبوی ہے۔
عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده في الإناء حتى يغسلها فإنه لا يدري أين باتت يده.
(مسلم، كراهية غمس المتوضي)
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی صبح کو بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے تین دفعہ دھوئے چونکہ اسے معلوم نہیں کہ سوتے میں ہاتھ کہاں کہاں لگتا رہا۔
معلوم ہوا کہ تھوڑا پانی اس قدر معمولی نجاست سے بھی ناپاک ہو جاتا ہے جس کا ہاتھ پر لگا ہونا محتمل ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے پانی کا کوئی وصف نہیں بدلتا۔

(ج) عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقدح فیہ ماء فغسل یدیہ ووجھہ فیہ ومج فیہ ثم قال لھما اشربا منہ وافرغا علی وجوھکما ونحورکما.

(بخاری الغسل والوضوء فی المخضب)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ میں پانی منگوایا، اس میں اپنا دست مبارک اور چہرہ انور دھویا۔ اُسی میں کلی کی۔ پھر ان (ابوموسیٰؓ وبلالؓ) سے فرمایا کہ اس میں سے کچھ پی لو، اور باقی اپنے چہرہ اور گریبان پر بہا لو۔

(د) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وھو جنب. فقالوا یا ابا ھریرۃ کیف یفعل؟ قال یتناولہ تناولا. (مسلم النھی عن الاغتسال)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بھی شخص ٹھہرے پانی میں غسل جنابت نہ کرے۔

لوگوں نے پوچھا، ابوہریرہؓ پھر کیا کرے؟ فرمایا ''ضرورت کا پانی باہر نکال لے۔''

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ استعمال شدہ پانی پاک ہے، اس کو پینا، یا جسم پر بہانا درست ہے۔ جب کہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استعمال شدہ پانی دوبارہ استعمال کے قابل نہیں رہتا۔ یعنی طاہر تو ہے مطہر نہیں۔

یہی مسلک ہے امام اعظم ابوحنیفہ، حسن بصری، زہریؒ اور دیگر فقہاء امت کا۔

آداب استنجاء

(۱) بیت الخلاء میں ایسے اوراق وغیرہ نہ لے جائے جن میں اللہ کا نام یا متبرک کلام ہو۔

(۲) نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ صحرا میں ہو تو ساتھیوں سے دور چلا جائے آبادی میں ہو تو بیت الخلاء استعمال کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے لئے اتنی دور نکل جاتے کہ سب کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ (ابوداؤد: کتاب الطہارۃ)

(۳) بیت الخلاء میں بایاں پاؤں داخل کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھے۔
"بسم اللہ اللھم إنی أعوذ بک من الخبث والخبائث"
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ﷺ بیت الخلاء جانے سے پہلے یہ دعا پڑھتے۔
(بخاری: ما یقول عند الخلاء۔ (مسلم: ما یقول اذا اراد الخلاء)
اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ خبیث شیاطین اور خبیث عادات سے۔
بیت الخلاء سے نکلتے وقت دایاں پاؤں پہلے نکال کر کہے۔ غفرانک۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ بیت الخلاء سے نکل کر کہتے:
اے اللہ تیری مغفرت کا طالب ہوں۔ (ترمذی: ما یقول اذا خرج)
(۴) غسل خانہ میں پیشاب نہ کرے۔ ہاں اگر غسل خانہ میں علیحدہ جگہ بنائی ہو تو حرج نہیں، چونکہ اس میں وساوس کا اندیشہ نہیں رہتا۔
حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہرگز تم میں سے کوئی بھی حمام میں پیشاب نہ کرے پھر اس میں وضو کرے چونکہ اکثر وساوس کا سبب یہی ہے۔ (ابوداؤد: البول فی المستحم)
(۵) ٹھہرے ہوئے یا جاری پانی میں پیشاب نہ کرے۔
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔
(مسلم: النھی عن البول فی الماء۔ بخاری: الماء الدائم)
اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جاری پانی میں پیشاب کرنے سے بھی منع فرمایا۔ (طبرانی)
(۶) راستے میں یا سایہ والی جگہ میں پیشاب نہ کرے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان دو چیزوں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سی ہیں؟ ارشاد فرمایا جو شخص رستہ یا سایہ میں رفع حاجت کرے۔

(مسلم: کراہۃ التبرز فی الطریق)

(۷) جانور کے بل میں پیشاب نہ کرے مبادا کہ سوراخ میں موجود جانور کو تکلیف ہو تو وہ اس کو تکلیف دے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد: النہی عن البول فی الحجر)

(۸) اس حالت میں بات چیت نہ کرے حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی نہ دے۔ اگر چھینک آئے تو الحمد للہ دل میں کہے۔ اگر دعا پڑھنا بھول جائے تو بھی دل میں پڑھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت میں تھے کہ ایک گزرنے والے نے سلام کیا۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب نہ دیا۔

(حسن صحیح) (ترمذی: کراہیۃ رد السلام)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب دو آدمی ستر کھولے رفع حاجت کی حالت میں باہم گفتگو کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سخت ناراض ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد: کراہیۃ الکلام)

معلوم ہوا کہ اس حالت میں گفتگو کرنا غضب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اس بری عادت سے بچنا چاہیے۔

(۹) اپنے جسم اور کپڑوں کو نجاست سے بچائے رکھے۔ چونکہ اس سے نہ بچنا عذاب قبر کا باعث ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں پر سے ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ دونوں عذاب میں مبتلا ہیں اور عذاب کا سبب کوئی بڑی چیز نہیں۔ ان میں سے ایک چغل خور تھا جب کہ دوسرا پیشاب سے نہ بچتا تھا۔

(مسلم: الدلیل علی نجاسۃ البول)

حضرت عبدالرحمان سے روایت ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا گیا۔ تمہارے نبی ﷺ نے تو تمہیں ہر چیز کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ بول و براز کی بھی۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا، ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رفع حاجت میں قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے سے روکا ہے۔ دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے روکا ہے۔ تین ڈھیلوں سے

کم استعمال کرنے سے روکا ہے اور لید یا ہڈی کے ساتھ استنجا کرنے سے روکا ہے۔
(مسلم : الاستطابۃ)

(۱۰) قبلہ کا احترام کرے کہ اس حالت میں نہ تو اس طرف منہ کرے نہ پشت۔

(۱۱) استنجا بائیں ہاتھ سے کرے چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے ساتھ استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

دایاں ہاتھ تو صاف ستھرے کاموں کے لئے ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ رفع حاجت کے وقت اپنے عضو کو دایاں ہاتھ نہ لگائے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجا کرے۔
(بخاری : لا یمسک ذکرہ بیمینہ مسلم باب الطہارۃ)

(۱۲) تین ڈھیلے استعمال کرے یا جن سے صفائی حاصل ہو سکے اور پھر پانی کو مزید نظافت کے لئے استعمال کرے۔

فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین.
(التوبہ ۱۰۸)

اس بستی میں ایسے لوگ ہیں جو نظافت کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب صاف ستھرا رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے پوچھا کہ طہارت کی بابت تمہارا خاص عمل کیا ہے تو انہوں نے کہا ہم ڈھیلے کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۳) ہڈی اور گوبر لید وغیرہ کو صفائی کے لئے استعمال نہ کرے۔

(۱۴) بچہ کا پیشاب ناپاک ہے۔

دودھ پیتے بچہ کا پیشاب ناپاک ہے اور اس پر اسلاف امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے لہٰذا اس کو دھونا ضروری ہے۔

قال النووی : اعلم أن ھذا الخلاف إنما ھو فی کیفیۃ تطھیر الشیء الذی بال علیہ الصبی ولا خلاف فی نجاستہ وقد نقل بعض اصحابنا اجماع العلماء علی نجاسۃ بول الصبیّ. (شرح مسلم للنووی : باب

حکم بول طفل الرضیع
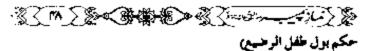
علامہ نووی فرماتے ہیں کہ جس چیز پر بچے نے پیشاب کیا ہے اس کو پاک کرنے کی کیفیت میں تو اختلاف واقع ہوا ہے لیکن اس کے ناپاک ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں اور بعض علماء نے بچے کے پیشاب کی نجاست پر اجماع امت نقل کیا ہے۔

(۱۵) اگر بچی کپڑے پر پیشاب کردے تو اس کو پاک کرنے کے لئے زیادہ اہتمام سے دھونا چاہئے جب کہ بچے کے پیشاب کو دھونے میں اتنے زیادہ مبالغہ کی ضرورت نہیں۔

عن علی رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال فی الرضیع یغسل بول الجاریۃ۔ وینضح(۱) بول الغلام۔

(طحاوی : حکم بول الغلام والجاریۃ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیتے بچے کی بابت فرمایا۔ بچی کا پیشاب مبالغہ سے دھویا جائے گا اور بچے کے پیشاب کو ہلکا سا دھونا کافی ہے۔

جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔ عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا قالت اُتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بصبی یرضع فبال فی حجرہ فدعا بماء فصبہ علیہ۔ (مسلم : حکم بول الطفل الرضیع)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دودھ پیتا بچہ لایا گیا جس نے آپ ﷺ کی گود میں پیشاب کردیا، آپ نے پانی منگوایا اور اس پر بہادیا۔

(۱۶) اس مسئلہ پر بھی علمائے امت کا اجماع ہے کہ جب بچہ کھانے پینے لگ جائے

---

(۱) بچے کے پیشاب سے کپڑے کو پاک کرنے کے بارے میں جتنی روایات آئی ہیں ان میں مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ نمبر۱۔ فصبہ علیہ (پانی بہایا)۔ نمبر۲۔ فاتبعہ بالماء۔ (پانی بہایا) نمبر۳۔ ینضح۔ نمبر۴۔ یرش۔ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ پانی بہانے کا لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب اس چیز کو دھونے میں زیادہ مبالغہ کیا ہو۔ اسی طرح احادیث میں ینضح

تو اس کے پیشاب کو بھی نجاستوں کی طرح اچھی طرح دھویا جائے۔

قال النووی : اما اذا اکل الطعام علی جهة التغذية فانه يجب الغسل بلا خلاف. (شرح مسلم)
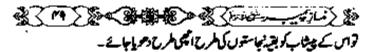
کہ بچہ جب غذا کے طور پر کھانا کھانے لگ جائے تو اس کے پیشاب کو دھونا ہی واجب ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اور نضح کے معنی بھی دھونا ہے۔

نمبر۲۔ نضح کے معنی دھونا عن اسماء قالت جاءت امرأة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت احدانا يصيب ثوبها من دم الحيضة كيف تصنع به.

قال تحته، ثم تقرصه بالماء ثم تنضحه ثم تصلی فيه.

(مسلم : باب نجاسة الدم و كيفية غسله)

(قال النووی : تنضحه' ای تغسله)

علامہ نووی فرماتے ہیں نضح کے معنی ہے دھونا کہ جب ایک عورت نے حیض کے خون کی بابت پوچھا تو آپ نے اسے دھونے کا حکم دیا۔

قال ابن حجر والخطابی فی رواية اسماء بان معنی النضح الغسل.

علامہ ابن حجر اور علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ حضرت اسماء والی روایت میں نضح کے معنی دھونا ہے۔

۳۔ رش کے معنی دھونا۔

عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنها ان امرأة سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الثوب يصيبه الدم من الحيضة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتيه ثم اقرصيه بالماء ثم رشيه وصلی فيه (ترمذی، ما جاء فی غسل دم الحيض من الثوب)

قال المبارکفوری رحمه الله : قرص کا معنی ہے انگلیوں سے کپڑے کو ملنا تاکہ وہ خون تحلیل ہو کر نکلنے کے قابل ہو جائے۔

ثم رشيه ای صبی الماء عليه۔

پھر اس پر رش کرے یعنی اس پر پانی بہائے۔ (تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۳۳)

الغرض دودھ پیتے بچے کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے اور بعض کا یہ کہنا کہ اس پر چھینٹے مار دینا کافی ہے ٹھیک نہیں ہے۔ نیز یہ کہ پیشاب ناپاک ہے اور چھینٹے مارنے سے تو وہ کپڑے میں باقی رہے گا سو وہ کپڑا جوں کا توں ناپاک رہے گا۔

غسل کا بیان

۲۳۔ غسل کا مسنون طریقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت فرماتے تو ابتداء ہاتھ دھوتے۔ پھر دائیں ہاتھ سے پانی ڈال کر بائیں ہاتھ سے مقام مخصوص کو دھوتے پھر وضو فرماتے، جیسے نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے پھر پانی ڈال کر انگلیوں سے بالوں کو جڑوں تک پہنچاتے۔ جب بال تر ہو جاتے تو پھر تین چلو پانی لیتے پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہاتے پھر پاؤں دھوتے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے، پھر انگلیوں سے بالوں کو جڑوں تک پانی پہنچاتے جب جلد تر ہو جاتی تو پھر جسم پر تین مرتبہ پانی بہاتے۔

(مسلم: صفۃ غسل الجنابۃ۔ بخاری: تخلیل الشعر)

(۲۴) فرائض غسل

۱۔ کلی کرنا۔ ۲۔ ناک میں پانی ڈالنا۔ ۳۔ سارے جسم پر ایک دفعہ پانی بہانا کہ ذرا سی جگہ بھی خشک نہ رہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وان کنتم جنبا فاطھروا .... (المائدۃ ۶)

اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب اہتمام سے طہارت حاصل کرو۔ ارشاد نبوی ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے

غسل جنابت میں بال برابر جگہ بغیر دھوئے چھوڑ دی تو اس کے ساتھ آگ سے ایسا اور ایسا کیا جائے گا۔ (ابوداؤد: الغسل من الجنابۃ)

(۲۵) جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے وہ یہ ہیں

۱۔ جماع۔ ۲۔ خروج منی۔ ۳۔ حیض۔ ۴۔ نفاس۔

(۲۶) جماع

جماع سے غسل واجب ہو جاتا ہے چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اذا جلس بین شعبها الاربعة ثم جهدها فقد وجب الغسل وفي رواية لمسلم وان لم ينزل.

(مسلم: بیان أن الغسل۔ بخاری: اذا التقی الختانان)

جب کوئی چار اعضاء کے درمیان بیٹھے اور کوشش کرے تو اس پر غسل واجب ہو گیا چاہے انزال نہ ہو۔

(۲۷) خروج منی

شہوت کی حالت میں تیزی کے ساتھ منی نکلنے (۱) سے غسل واجب ہو جاتا ہے، اس میں نیند اور بیداری کی دونوں حالتیں برابر ہیں۔ نیز مرد و عورت کا بھی ایک ہی حکم ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کی

---

(۱) منی، مذی اور ودی میں فرق:

منی: سفید گاڑھا لیسدار مادہ ہے جو بوقت شہوت دفق کے ساتھ خارج ہوتا ہے اس کے خروج کے بعد عضو میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے خروج سے غسل واجب ہوتا ہے۔

مذی: وہ بے رنگ لیسدار مادہ ہے جو لوازمات جماع کے وقت شہوت کی حالت میں بغیر دفق کے نکلتا ہے اور کبھی اس قطرہ کا خروج محض شہوانی خیال کی وجہ سے بھی ہو جاتا ہے اس کے بعد طبیعت میں کاہلی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے خروج سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

ودی: سفید مادہ ہے جو گاڑھا ہونے میں منی کے مشابہ ہے۔ اس کا خروج کبھی پیشاب سے پہلے یا بعد ہوتا ہے۔ اس کے خروج سے صرف وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

بابت پوچھا تو آپؐ نے فرمایا۔ مذی نکلے تو وضو کافی ہے اور منی نکلے تو غسل کرنا ہوگا۔

(حسن صحیح) (ترمذی: ما جاء فی المنی والمذی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفت حیا حق بیان کرنے میں مانع نہیں ہوتی۔ تو کیا جب عورت کو احتلام ہو تو اس پر غسل واجب ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں غسل واجب ہوگا۔ جب وہ احتلام کے آثار دیکھے۔

(بخاری: اذا احتلمت۔ مسلم: وجوب الغسل علی المرأۃ)

احتلام کی تین صورتیں

(۲۸) (الف) واضح رہے کہ احتلام کے بعد خواب یاد ہو اور منی کے آثار بھی ہوں تو غسل واجب ہوگا اور اگر خواب یاد ہو منی کے آثار نہ ہوں تو غسل واجب نہ ہوگا اور اگر خواب یاد نہ ہو صرف منی کے آثار ہوں تو بھی غسل واجب ہوگا۔

(ب) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کی بابت دریافت کیا جو کپڑوں کو بھیگا ہوا پائے، لیکن اس کو خواب یاد نہ ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر غسل لازم ہے۔ نیز پوچھا کہ جس شخص نے خواب دیکھا ہو لیکن کپڑا خشک ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس پر غسل نہیں ہے۔

(ترمذی: فیمن یستیقظ فیری)

(۲۹) (الف) احادیث نبویہ کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ منی ایک ناپاک مادہ ہے۔ اگر کپڑے کو لگ جائے تو اس کا ازالہ ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

(ب) عن عمرو بن میمون قال سألت سلیمان بن یسار عن المنی یصیب ثوب الرجل أیغسله ام یغسل الثوب؟ فقال أخبرتنی عائشة رضی اللّٰه عنها ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یغسل المنی ثم یخرج إلی الصلوة فی ذلک الثوب وانا انظر إلی اثر الغسل فیه.

(مسلم: باب حکم المنی)

وفی روایة قالت عائشة کنت اغسله من ثوب رسول اللّٰه صلی اللّٰه

علیہ وسلم فیخرج الی الصلوۃ واثر الغسل فی ثوبہ بقع الماء۔

(بخاری: باب غسل المنی وفرکہ)

حضرت عمرو بن میمون نے حضرت سلیمان بن یسار سے پوچھا کہ اگر منی کپڑے میں لگ جائے تو صرف ناپاک جگہ کو دھوئے یا کہ پورے کپڑے کو؟ حضرت سلیمان نے کہا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منی کو دھوتے پھر اسی کپڑے میں نماز کے لئے تشریف لے جاتے اور کپڑے پر دھونے کا نشان مجھے نظر آرہا ہوتا۔

ایک دوسری روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھوتی پھر آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لے جاتے اور کپڑے پر دھونے کا نشان ہوتا۔

(ع) اکثر صحابہؓ اور جمہور فقہاءؒ کا بھی یہی مسلک ہے کہ منی ناپاک ہے۔ حتی کہ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ (فالصواب ان المنی نجس ویجوز تطہیرہ باحدی الامور.) صحیح بات یہ ہے کہ منی ناپاک ہے اور کسی ایک طریقے سے اس کو پاک کرنا جائز ہے۔ (نیل الاوطار ص ۶۷)

علامہ مبارک پوریؒ فرماتے ہیں : کلام الشوکانی ھذا حسن جید کہ شوکانی کی بات بہتر ہے اور وزنی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی۔ ج ا۔ ص ۱۲۵)

(۳۰) ازالہ منی کا طریقہ

اگر منی کسی ایسے کپڑے پر خشک ہو جائے کہ کھرچنے سے مکمل زائل ہو جائے تو صرف کھرچنا ہی کافی ہے اور اگر کپڑا گیلا ہو تو اس کو دھونا ضروری ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک ہے اس سلسلہ میں مختلف احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس سے ان سب پر عمل ہو جائے گا۔

قالت عائشۃ رضی اللہ عنھا وانی لاحکہ من ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یابسا بظفری. (مسلم : باب حکم المنی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے خشک منی کو کھرچ دیا کرتی تھی۔

قالت عائشۃ رضی اللہ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

كان يغسل المني ثم يخرج إلى الصلوة. (مسلم : باب حكم المني)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منی کو دھو کر پھر نماز کے لئے جاتے۔

اور ایک دوسری روایت میں ان دونوں حالتوں کی وضاحت ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت كنت افرك من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يابساً واغسله اذا كان رطباً. (دارقطني)
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر منی اگر خشک ہوتی تو میں کھرچ دیتی اور اگر تر ہوتی تو میں دھو دیتی۔
واضح رہے کہ کھرچ کر زائل کرنے سے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ منی پاک ہے چونکہ علامہ مبارکپوری فرماتے ہیں :

من قال بطهارة المني مستدلاً برواية الفرك اجيب بان ذلك لا يدل على طهارة انما يدل على كيفية التطهير. (ملخص تحفة الاحوذي)
کہ کھرچنے والی روایت منی کی پاکی پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ یہ تو خود اس کو پاک کرنے کی ایک کیفیت ہے۔

(۳۶) جب عورت ماہانہ ایام سے فارغ ہو تو غسل کرے اور پھر سے نمازیں شروع کردے اس پر ایام حیض کی نمازوں کی قضا واجب نہیں۔

ولا تقربوهن حتى يطهرن فاذا تطهرن فاتوهن من حيث امركم الله.
(البقرة، ۲۲۲)
اور جب تک وہ پاک نہ ہوجائیں ان سے قربت نہ کرو، پھر جب وہ پاک ہوجائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ اللہ نے تمہیں اجازت دے رکھی ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کو استحاضہ کی بیماری تھی۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو رگ کا خون ہے حیض کا نہیں۔ البتہ جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو جب ختم ہوجائے تو غسل کرکے نماز پڑھو۔ (بخاری : اقبال المحیض)

(۳۲) ماہانہ ایام میں شرعی پابندیاں

حائضہ عورت اپنے ماہانہ ایام میں نماز روزہ چھوڑ دے۔ پاک ہونے کے بعد روزہ کی قضا کرے نماز کی قضا نہیں ہے۔ نیز اس حالت میں قرآن پاک پڑھنا۔ اس کو ہاتھ لگانا، مسجد میں داخل ہونا، طواف کعبہ کرنا منع ہے اور خاوند سے ہمبستری بھی جائز نہیں۔

حضرت معاذہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔ ''کیا سبب ہے کہ حائضہ عورت روزہ قضا کرتی ہے نماز نہیں۔''

(مسلم: وجوب قضاء الصوم لا الصلوۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''کیا تم حروریہ ہو؟'' میں نے عرض کیا نہیں لیکن مسئلہ کی وضاحت چاہتی ہوں'' آپؓ نے فرمایا۔ ''جب ہماری یہ حالت ہوتی تو ہمیں روزہ کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا نماز کی قضا کا نہیں۔''

(۳۳) مستحاضہ عورت کا مسئلہ

جس عورت کے ایام دس سے تجاوز ہو جائیں تو اس کو چاہئے کہ وہ دس دن کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے۔ پھر ہر نماز کے لئے وضو کر لیا کرے۔ بار بار غسل کی ضرورت نہیں۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت جاءت فاطمة ابنة ابي جبيش الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اني امرأة استحاض فلا اطهر أفادع الصلوة؟ قال لا انما ذلك عرق وليست بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فدعي الصلوة واذا ادبرت فاغسلي عنك الدم وصلي قال ابو معاوية في حديثه وقال توضأي لكل صلوة حتى يجيء ذالك الوقت. (ترمذی باب المستحاضه)

وفي البخاري ثم توضأي لكل صلوة حتى يجيء ذالك الوقت.

(بخاری : باب غسل الدم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''فاطمہ بنت ابی حبیشؓ آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مستحاضہ عورت ہوں کبھی اس سے پاک نہیں ہوتی کیا نماز چھوڑ

دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں چونکہ یہ رگ کا خون ہے حیض کا نہیں، لہٰذا صرف ایامِ حیض میں نماز چھوڑو بعد ازاں غسل کر کے نماز شروع کردو اور ہر نماز کے لئے وضو کر لیا کرو۔''

(۳۴) نفاس

وضعِ حمل کے بعد جتنے دن خون آئے وہ نفاس کے ایام شمار ہوں گے۔ اس دوران عورت پر ایامِ حیض والی پابندیاں عائد رہیں گی۔ واضح رہے کہ نفاس کی کم از کم مدت کا تعین مشکل ہے۔ لہٰذا جونہی خون آنا بند ہو جائے تو غسل کر کے نماز وغیرہ شروع کردے۔ البتہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ جب کہ چالیس دن تک خون آتا رہے۔ اگر اس کے بعد بھی خون آئے تو وہ نفاس کا نہیں بلکہ کسی اور عارضہ کی وجہ سے ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عہدِ نبوی میں نفاس والی عورتیں چالیس دن تک شرعی پابندیوں سے مستثنیٰ رہتیں اور ہم اپنے چہروں پر زرد بوٹی ملا کرتی تھیں۔
(ترمذی: کم تمکث النفساء)

امت کا اجماع

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے بعد تمام علماء کا اجماع ہے کہ نفاس والی عورتیں چالیس دن کی نماز چھوڑ دیں گی۔ البتہ جو عورت اس مدت سے پہلے ہی طہر محسوس کرے وہ غسل کر کے نماز شروع کردے۔
(ترمذی: باب کم تمکث النفساء)

وضو کا بیان

(۳۵) وضو کی فضیلت و اہمیت

(الف) شریعت اسلامیہ کا ہر ہر عمل اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ وضو کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ وضو کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی، بلکہ ایسا کرنے والا گنہگار ہوتا ہے اور وضو کی فضیلت کے لئے اتنا کافی ہے کہ نمازی کے اعضائے وضو قیامت کے دن چمک رہے ہوں گے۔

(ب) حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور خیانت کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ (مسلم: وجوب الطہارۃ)

(ج) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں کہ "بے وضو کی نماز قبول نہیں ہوتی تا آنکہ وہ وضو کرے" (بخاری: لا تقبل صلوۃ بغیر طہور)

(د)۔ حضرت نعیم مجمر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد کی چھت پر چڑھا آپ نے وضو کر کے فرمایا: کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن میری امت اس حال میں بلائی جائے گی کہ اس کے اعضاء وضو روشن چمکدار ہوں گے۔ لہذا تم میں سے جو بھی اپنی اس چمکدار جگہ کو مزید لمبا کرنا چاہے کر لے۔ (کہ اعضائے وضو کو مقررہ مقام سے آگے تک دھوئے)

(بخاری: فضل الوضوء) (مسلم: استحباب اطالۃ الغرۃ)

(۳۶) فرائض وضو

۱- پیشانی سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک دھونا۔ ۲- کہنیوں سمیت ہاتھوں کو دھونا۔ ۳- سر کا مسح کرنا۔ ۴- ٹخنوں سمیت پاؤں دھونا۔

وضو کرتے وقت ان چار فرائض کا اہتمام ضروری ہے ورنہ وضو نہیں ہوگا۔

ارشاد ربانی ہے:

یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم

إلى المرافق وامسحوا برؤسكم وأرجلكم إلى الكعبين. (المائدة. ٦)

سنن وضو

(۳۷) تسمیہ : وضو کرنے سے پہلے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنی چاہیے۔

(۳۸) (الف) مسواک کرنا :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "اگر مجھے امت کے مشقت میں پڑ جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ضرور انہیں حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کیا کریں۔ (مسلم: باب السواک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مسواک منہ کو پاک صاف کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ (نسائی: الترغیب فی السواک)

(ب) روزہ کی حالت میں مسواک کرنا سنت ہے۔ عن عامر بن ربيعةؓ قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم مالا احصى يتسوك وهو صائم.

(حسن، ترمذی: ما جاء فی السواک للصائم)

حضرت عامر بن ربیعہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بے شمار دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا۔

(۳۹) تین بار ہاتھ دھونا۔

(جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سنت نبویہ کے مطابق وضو کر کے دکھلایا تو آپؓ نے شروع میں تین مرتبہ ہاتھوں کو دھویا۔ (مسلم: صفۃ الوضوء)

(۴۰) تین دفعہ کلی کرنا۔ "ثم مضمض" (مسلم)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کلی کی۔

(۴۱) تین دفعہ ناک صاف کرنا۔ "واستنثر" (مسلم)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ناک صاف کی۔

(۴۲) اعضاء وضو کو تین تین دفعہ دھونا۔

ثم غسل وجهه ثلاث مرات ثم غسل يده اليمنى إلى المرفق ثلاث مرات ثم غسل يده اليسرى ثم مسح رأسه ثم غسل رجله اليمنى إلى

الکعبین ثلاث مرات ثم غسل الیسری مثل ذلک۔

(مسلم:صفۃ الوضوء)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چہرہ اور دائیں بائیں ہاتھ کو کہنیوں تک تین تین دفعہ دھویا پھر سر کا مسح کر کے دائیں بائیں پاؤں کو تین دفعہ دھویا۔

(۴۳) داڑھی کا خلال کرنا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کا خلال کیا کرتے تھے۔ (حسن صحیح، ترمذی: ماجاء فی تخلیل اللحیۃ)

(۴۴) انگلیوں کا خلال کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم وضو کرو تو ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر لیا کرو۔"

(حسن صحیح ترمذی: جاء فی تخلیل الا صابع)

(۴۵) دائیں اعضاء کو پہلے دھونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضو، غسل اور دیگر تمام معاملات میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے۔ (بخاری: التیمن فی الوضوء۔ مسلم: حب التیامن)

(۴۶) اعضاء کو مل کر اہتمام سے دھونا۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اعضاء کو ملتے ہوئے فرمانے لگے "اس طرح" کرنا چاہیے۔

(۴۷) ترتیب سے اور پے در پے وضو کرنا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا مسلسل عمل اس کی واضح دلیل ہے۔

(۴۸) کانوں کا مسح: سر کا مسح کر لینے کے بعد اسی پانی سے کانوں کا مسح کرنا۔ کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں، چونکہ کان بھی تو سر کا ایک جزو ہیں۔ جیسا کہ عمل نبوی اور ارشاد نبوی سے معلوم ہوتا ہے۔

عن الربیع انها رات النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یتوضأ قالت مسح

رأسه ومسح ما اقبل منه وما ادبر وصدغيه واذنيه مرة واحدة

(حسن صحيح. ترمذی : ان المسح مرة)

حضرت ربیع نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہتی ہیں کہ آپ سر کے اگلے پچھلے حصے اور کانوں کا مسح ایک ہی دفعہ کرتے۔

ارشاد نبوی ہے : "الاذنان من الرأس۔"

(حسن۔ ترمذی۔ ما جاء أن الاذنين من الرأس)

کہ "کان سر کا حصہ ہیں۔"

(۴۹) گردن کا مسح کرنا : سر اور کانوں کا مسح کر لینے کے بعد اسی پانی سے گردن کا مسح کرنا۔

عن موسى بن طلحة قال من مسح قفاه وقى الغل يوم القيامة. قال ابن حجر هذا وان كان موقوفاً فله حكم الرفع لان هذا لا يقال من قبل الرای۔ (التلخيص الحبير۔ ج ۱۔ ص ۹۲)

حضرت موسیٰ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے گردن سمیت سر کا مسح کیا وہ قیامت کے دن گردن میں ہتھکڑیاں پہنانے سے بچ گیا۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ موقوف حدیث مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ چونکہ ظاہر ہے کہ ایسی بات اپنی طرف سے تو نہیں کہی جا سکتی۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ، ابن سید الناس رحمہ اللہ، شوکانی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ (نیل الاوطار۔ ج ۱۔ ص ۲۰۴)

نواب صدیق حسن خانؒ نے بھی اسی کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ گردن پر مسح کرنے کو بدعت کہنا غلط ہے۔ نیز یہ کہ تلخیص الحبیر کی مندرجہ بالا روایت اور اس سلسلہ کی دیگر روایات قابل استدلال ہیں۔ خصوصاً جب کہ کوئی حدیث ان کے مخالف نہیں ہے۔

(بدور الاہلۃ۔ ص ۲۸)

(۵۰) وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھنا

عن عمر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما منكم من أحد يتوضأ فيسبغ الوضوء ثم يقول "اشهد أن لا إله إلا الله

وحده لا شریک له واشهد أن محمداً عبده ورسوله" إلا فتحت له أبواب الجنة الثمانية يدخل من أيها شاء.

(مسلم : باب الذکر المستحب عقب الوضوء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو وضو کرے اور خوب اہتمام سے کرے پھر یہ کلمات کہے "اشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شریک له واشهد ان محمداً عبده ورسوله" یقیناً اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے جس میں سے چاہے داخل ہو۔

(۵۱) تحیۃ الوضو

وضو کے بعد دو رکعتیں تحیۃ الوضوء کے طور پر ادا کرنا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی وضو کرے اور خوب اچھی طرح وضو کرے۔ پھر ظاہر و باطن کی مکمل توجہ و انہاک کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے یقیناً اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔

(مسلم : الذکر المستحب عقب الوضوء)

نواقض وضو

(۵۲) پاخانہ یا پیشاب کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے: او جاء احد منكم من الغائط. (سورة المائدہ۔ ۲)

یا تم میں سے کوئی شخص بول و براز کر کے آئے۔

(۵۳) ریاح کا خروج بھی ناقض وضو ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں نماز کا انتظار کرنے والے شخص کو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو ایک عجمی شخص نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حدث سے کیا مراد ہے تو انہوں نے بتایا کہ ہوا کا خارج ہونا۔ (بخاری: من لم یر الوضوء)

(۵۴) مذی اور ودی کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے بعد وضو کر لینا کافی

ہے غسل کرنا ضروری نہیں (ان کی تفصیل موجبات غسل کے دوسرے سبب کے حاشیے میں گزر گئی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا "مذی سے وضو اور منی سے غسل لازم ہوتا ہے۔"

(ترمذی: ما جاء فی المنی والمذی)

(۵۵) نیند ناقض ہے

عن صفوان بن عسال قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمرنا إذا كنا سفراً ان لا ننزع خفافنا ثلاثة ايام ولياليهن إلا من جنابة لكن من غائط وبول ونوم.

(حسن صحیح۔ ترمذی: المسح علی الخفین)

حضرت صفوان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تلقین کرتے کہ سفر کی حالت میں تین دن تک موزے اتارنے کی ضرورت نہیں، ہاں اگر جنابت ہو جائے تو موزے اتار دیں (اور غسل کریں) البتہ پیشاب پاخانہ اور نیند کی وجہ سے موزے اتارنے کی ضرورت نہیں ہے (بلکہ وضو کے وقت مسح کر لینا کافی ہے) اس حدیث میں پیشاب و پاخانہ اور نیند کا ایک ہی حکم بیان ہوا ہے کہ ہر دو کی طرح نیند بھی ناقض وضو ہے۔

(ب) کھڑے کھڑے یا بغیر سہارا لگائے یا نماز کی کسی ہیئت پر سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

عن انس رضي الله عنه قال كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ينتظرون العشاء الآخرة حتى تخفق رؤسهم ثم يصلون ولا يتوضؤن.

(ابو داؤد : باب الوضوء من النوم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ نماز عشاء کے انتظار میں ہوتے۔ اسی اثناء میں نیند کی وجہ سے ان کے سر جھک جاتے پھر وہ یونہی نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے تھے۔"

(۵۶) قے اور نکسیر ناقض وضو ہے

عن ابي الدرداء رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم

قاء فتوضا. (اصح شيء في الباب)

قال الترمذي "وقد رأى غير واحد من أهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وغيرهم من التابعين الوضوء من القيء والرعاف".

(ترمذي : باب الوضوء من القيء والرعاف)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قے آ گئی تو آپ نے وضو فرمایا"

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر حضرات صحابہ اور تابعین کا مسلک یہی ہے کہ قے اور نکسیر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(ب) عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا رعف احدكم في صلاته فلينصرف فليغسل عنه الدم ثم ليعد وضوءه وليستقبل صلاته. (معجم طبراني)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر نماز میں کسی کو نکسیر آ جائے تو وہ نماز توڑ دے پھر خون دھو کر وضو کرے اور نئے سرے سے نماز پڑھے"

اور خود نواب صدیق حسن خاں بھی لکھتے ہیں :

قيء ورعاف ونفس ناقض وضواست وحديث قاء فتوضا حسن است. (بدور الأهلة. ص ۳۰)

قے نکسیر اور ابکائی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور حدیث "قاء فتوضا" "حسن درجہ کی ہے۔

(۵۷) خون استحاضہ ناقض وضو ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک استحاضہ عورت حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش کو حکم دیا...... "ثم توضأى لكل صلوة" (بخاري : باب غسل الدم)

"کہ پھر ہر نماز کے لئے مستقل وضو کیا کر" چونکہ استحاضہ کے خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور غسل واجب نہیں ہوتا۔

موزوں پر مسح کا بیان

(۵۸) چمڑے کے وہ موزے جن میں پاؤں ٹخنوں تک چھپے رہیں یا وہ اونی سوتی جرابیں جن پر چمڑا لگایا گیا ہو۔ یا وہ جرابیں جو چمڑے کی طرح سخت وموٹے کپڑے کی ہوں تو اسلاف محدثین وفقہاء امت نے ان کو بھی موزوں کے حکم میں شمار کیا ہے۔ ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا آپؐ نے وضو کے دوران موزوں پر مسح کیا، حضرت مغیرہ نے عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا میں نے یہ موزے باوضو حالت میں پہنے تھے۔ (مسلم: المسح علی الراس والخفین) (بخاری: اذا ادخل رجلیہ)

علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقہاء نے جرابوں پر مسح کے لئے کچھ شرطیں لگائی ہیں تاکہ وہ موزوں کے حکم میں ہو کر ان احادیث کے ضمن میں داخل ہو جائیں جو موزوں کی بابت وارد ہوئی ہیں لہذا بعض نے شرط لگائی کہ اُن پر چمڑا لگا ہو اور بعض نے کہا کہ موٹے سخت کپڑے کے ہوں تو مسح جائز ہے۔ ایک اور دوسری جگہ پر علامہ نے خود اس تفصیل کو راجح قرار دیا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا۔ (بخاری: المسح علی الخفین)

(۶۰) علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موزوں کے مسح پر تمام صحابہ متفق ہیں اور یہ مسئلہ ستر سے زیادہ صحابہ سے منقول ہے اور جس کسی نے اس مسئلے میں مخالفت کی۔ ان کی موافقت بھی منقول ہے۔" (فتح الباری۔ ج ۱۔ ص ۳۰۵۔ باب المسح علی الخفین)

(۵۹) مدت مسح

مسافر کے لئے مسح کی مدت تین دن تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے مسح کی مدت تین دن تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات مقرر فرمائی۔
(مسلم : التوقیت فی المسح علی الخفین)

(۶۰) مسح کا طریقہ

ہاتھ کی انگلیاں پانی سے بھگو کر تین انگلیاں پاؤں کے پنجے پر رکھ کر اوپر کی طرف کھینچے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دینی مسائل کی بنیاد صرف عقل پر ہوتی تو موزے کا نیچے کا حصہ بالائی حصہ کی نسبت مسح کے لئے زیادہ موزوں تھا۔ حالانکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے بالائی حصہ پر مسح فرمایا کرتے تھے۔
(قال فی التلخیص اسنادہ صحیح) (ابوداود: کیف المسح)

جرابوں پر مسح کا بیان

(۷۱)(الف) اونی، سوتی، نائیلون وغیرہ کی جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں۔(۱)
چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت نہیں۔ لہٰذا جرابوں پر مسح کرنے سے وضو نہ ہوگا۔ جس سے نماز نہیں ہوگی۔

---

(۱) اس اہم مسئلہ میں چونکہ عام لوگ غلطی میں مبتلا ہیں اس لئے ہم اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔
جرابوں پر مسح کے جواز میں چھ قسم کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔
۱ـــ عن مغیرۃ قال توضأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسح علی الجوربین والنعلین. (ترمذی)
۲ـــ عن ابی موسی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ و مسح علی الجوربین والنعلین. (بیہقی۔ ابن ماجہ)
۳ـــ عن بلال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسح علی الخفین والجوربین (طبرانی)
۴ـــ قال ابن حجر رواہ الطبرانی بسندین، رواۃ احدھما ثقات.
۵ـــ استدل ابن القیم بعمل بعض الصحابۃ.
۶ـــ عن ثوبان قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریۃ فاصابہم البرد فلما قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم شکوا الیہ ما اصابہم من البرد فامرہم أن یمسحوا علی العصائب والتساخین. (ابوداؤد)
ذیل میں ان دلائل کا ترتیب وار جائزہ مختصر طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی دلیل کا جائزہ :
عن مغیرۃ قال توضأ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسح علی الجوربین والنعلین۔
علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قطعاً استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ
۱ـ امام بیہقی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ : یہ حدیث منکر ہے۔ سفیان ثوری

قال المبارکفوری والحاصل عندی انه لیس فی باب المسح علی الجوربین حدیث صحیح مرفوع خال عن الکلام.

(تحفة الاحوذی، ج ۱، ص ۳۳۳)

علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پوری تحقیق کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جرابوں پر مسح کرنا کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں جو محدثین کی جرح وتنقید سے خالی ہو۔ ہوں کہ جرابوں پر مسح کرنا کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں جو محدثین کی جرح

عبدالرحمٰن ابن مہدی۔ امام احمد بن حنبل، ابن المدینی اور امام مسلم جیسے جلیل القدر علماء نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

امام مسلم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ابوقیس اور ہذیل نے اس حدیث کے بقیہ تمام راویوں کی مخالفت کی ہے۔ چونکہ سب نے صرف موزوں پر مسح کو نقل کیا ہے۔ لہٰذا ابوقیس وہذیل جیسے راویوں کی وجہ سے قرآن کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔

۲- علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حفاظ حدیث اس روایت کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں لہٰذا امام ترمذی کا یہ کہنا قبول نہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

۳- عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میرے نزدیک غیر مقبول ہے۔

۴- امام نسائی فرماتے ہیں کہ کسی ایک راوی نے بھی ابوقیس کی طرح اس روایت کو نقل نہیں کیا حضرت مغیرہ سے صحیح طور پر صرف موزوں پر مسح کرنا منقول ہے۔

۵- امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن ابن مہدی اس حدیث کو بیان نہیں کیا کرتے تھے چونکہ حضرت مغیرہ سے جو مشہور روایت منقول ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موزوں پر مسح کرنا منقول ہے اس میں جرابوں کا ذکر نہیں ہے۔

۶- حضرت علی ابن المدینی فرماتے ہیں کہ اس روایت کو حضرت مغیرہ سے اہل مدینہ اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے نقل کیا لیکن جب ہذیل نے نقل کیا تو اس میں جرابوں پر مسح کا اضافہ کر دیا۔ اور سب لوگوں کی مخالفت کی۔

۷- علامہ مبارکپوری فرماتے ہیں کہ ابوقیس نے تمام راویوں کی مخالفت کی ہے۔ نیز بہت سے علماء حدیث نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے باوجود یہ کہ ثقہ راوی کی زیادتی والا مسئلہ معلوم تھا۔ لہٰذا میرے نزدیک ان کا ضعیف قرار دینا مقدم ہے۔ ترمذی کے حسن صحیح کہنے پر۔ (تحفۃ الاحوذی)

وتنقید سے خالی ہو۔

مشہور غیر مقلد عالم میاں نذیر حسین دہلویؒ سے پوچھا گیا کہ اونی، سوتی جرابوں پر مسح جائز ہے یا نہیں ہے......؟ وہ جواب کے شروع میں لکھتے ہیں ''مذکورہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی صحیح دلیل نہیں اور مجوزین نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے اس میں خدشات ہیں''۔ (آگے خدشات کا ذکر ہے.....)

آخر میں فرماتے ہیں:

والحاصل انه لم يقم على جواز المسح على الجوربة المسئولة عنه دليل لا من الكتاب ولا من السنة ولا من الاجماع ولا من القياس الصحيح كما عرفت.

الغرض مندرجہ بالا جرابوں پر مسح کی کوئی دلیل نہیں نہ تو قرآن کریم سے نہ سنت سے

دوسری دلیل کا جائزہ

عن ابي موسى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم توضا ومسح على الجوربين والنعلين۔ (ابن ماجہ۔ بیہقی)

۱۔ علامہ مبارک پوریؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن سنان کو اختلاط ہو جایا کرتا تھا وہ ضعیف الحدیث ہے۔

۲۔ امام بیہقی فرماتے ہیں اس روایت میں دو کمزوریاں ہیں۔ (۱) امام احمد، ابن معین، ابوزرعہ، نسائی نے عیسیٰ بن سنان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۳۔ نیز امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ضحاک بن عبدالرحمٰن کا سماع ابوموسیٰ سے ثابت نہیں لہٰذا روایت منقطع ہے۔

۴۔ امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ روایت نہ تو متصل ہے نہ قوی ہے۔

تیسری دلیل کا جائزہ

عن بلال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح على الخفين والجوربين۔ (طبرانی)

۱۔ زیلعی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

۲۔ حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے بڑھاپے میں اس کی حالت بدل گئی تھی اور وہ شیعہ تھا۔

۳۔ اس کی سند میں اعمش راوی مدلس ہے اس نے عن عن سے روایت کی ہے اور اس کا سماع حکم سے ثابت نہیں ہے۔

نہ اجماع سے اور نہ قیاس صحیح سے جیسے کہ آپ نے دیکھ لیا۔

(محمد نذیر حسین۔ فتاویٰ نذیریہ۔ ج ۱۔ ص ۳۲۷۔ ص ۳۳۳)

چوتھی دلیل کا جائزہ

قال ابن حجر رواہ الطبرانی بسندین رواۃ احدھما ثقات۔

۱۔ علامہ مبارکپوری فرماتے ہیں کو کہ اس روایت کی ایک سند کے راوی ثقہ ہیں۔ لیکن اس میں بھی اعمش راوی ہے جو کہ مدلس ہے اور اس نے عنعن سے روایت کی ہے اور مدلس راوی کا عنعنہ قبول نہیں ہے۔

۲۔ تمام راوی ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس روایت کا متن بھی صحیح ہو۔ چونکہ یہاں ثقہ راوی مدلس ہے اور وہ اپنے استاد سے عنعنہ کے ساتھ روایت کرتا ہے۔

پانچویں دلیل کا جائزہ

استدل ابن القیم بعمل بعض الصحابۃ۔

۱۔ علامہ مبارکپوری فرماتے ہیں کہ موزوں پر مسح کی بابت بہت سی احادیث منقول ہے جن کے صحیح ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔ اس معیار کی احادیث کی وجہ سے ظاہر قرآن کو چھوڑ کر ان پر بھی عمل کیا گیا۔ جب کہ جرابوں پر مسح کی بابت جو روایات منقول ہیں ان پر جو تنقید ہوئی ہے وہ آپ دیکھ چکے ہیں پس اس قسم کی ضعیف روایت کی وجہ سے ظاہر قرآن کو کیونکر چھوڑا جا سکتا ہے؟

۲۔ بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو جرابیں استعمال فرماتے تھے۔ وہ اتنی باریک نہ ہوتی تھیں کہ پاؤں پر خود بخود ٹھہر نہ سکیں۔ اور ان کو پہن کر طویل مسافت پیدل طے نہ ہو سکے۔ بلکہ وہ موٹی اور سخت ہوا کرتی تھیں۔ جو موزوں کے حکم میں تھیں۔ لہٰذا وہ موزوں پر مسح والی احادیث کے ضمن میں شامل ہیں اور میرے نزدیک یہی بات واضح ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ ان حضرات نے جن جرابوں پر مسح کیا وہ موزوں کی مانند تھیں۔

الغرض جب حضرات صحابہؓ کی جرابوں کی تفصیل معلوم ہو گئی تو اب موٹی باریک ہر قسم کی جراب پر مسح کو جائز کہنا صحیح نہیں رہا۔

چھٹی دلیل کا جائزہ

عن ثوبان قال بعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سریۃ فاصابھم البرد فلما قدموا علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم شکوا الیہ ما اصابھم من البرد

(ب) نیز یہ صورت حال ایک سخت وعید کے ضمن میں آتی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے وضو میں ایڑیوں کو نہیں دھویا تو آپ نے فرمایا۔

"ویل للأعقاب من النار". (مسلم: وجوب غسل الرجلین)

"ایسی خشک ایڑیوں کے لئے ہلاکت ہوا کرے....."

جب ایڑیاں خشک رہ جانے پر اتنی سخت وعید ہے تو جرابوں پر مسح کرنے سے پورا پاؤں خشک رہ جاتا ہے۔

فامرهم أن يمسحوا على العصائب والتساخين۔

بعض حضرات تساخین کے لفظ سے استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں۔

۱- یہ حدیث منقطع ہے ابن ابی حاتم کتاب المراسیل ص ۲۱ میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل کرتے ہیں کہ راشد بن سعد کا سماع ثوبان سے ثابت نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی۔ ج ۱ ص ۳۳۰ تا ۳۳۲)

۲- نیز لغوی تساخین کے کئی معنی کئے گئے ہیں لہٰذا صرف جرابوں کے مسح پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

۱- ابن اثیر کتاب النہایۃ میں فرماتے ہیں کہ تساخین سے مراد موزے ہیں۔

۲- حمزہ اصفہانی فرماتے ہیں کہ یہ ٹوپی کی ایک قسم ہے علماء سے پہنا کرتے تھے۔

۳- دوسرے علماء لغت کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے پاؤں کو گرم رکھا جائے چاہے وہ موزے ہوں جراب ہوں یا کوئی اور چیز۔

۴- بلوغ المرام میں اس روایت کے بعد خود راوی کی وضاحت موجود ہے کہ تساخین سے مراد موزے ہیں۔ (بلوغ المرام: مسح الخفین)

الغرض اسی لئے علامہ مبارکپوری فرماتے ہیں کہ:

والحاصل عندي أنه ليس في باب المسح على الجوربين حديث صحيح مرفوع خال عن الكلام (تحفة الاحوذي۔ ج ۱۔ ص ۳۳۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جرابوں پر مسح کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں جو جرح و تنقید سے خالی ہو۔

اور خود غیر مقلد عالم مولانا ابوسعید شرف الدین بھی معترف ہیں کہ "یہ (جرابوں پر مسح) نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث مرفوع صحیح سے نہ اجماع نہ قیاس صحیح سے نہ چند صحابہ کے عمل اور ان کے دلائل سے اور غسل رجلین (پاؤں کا دھونا) نص قرآنی سے ثابت ہے لہٰذا خف چرمی (موزہ) کے سوا جراب پر مسح کرنا ثابت نہیں۔ (فتاویٰ علمائے امرتسری۔ فتاویٰ ثنائیہ۔ ج ۱۔ ص ۴۴۳)

تیمم کا بیان

(۲۲) جب وضو یا غسل کے لئے پانی نہ ملے، یا پانی کے استعمال سے بیمار ہو جانے یا مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم کرنا جائز ہے۔

ارشاد باری ہے: وان کنتم مرضی او علی سفر أو جاء أحد منکم من الغائط أو لمستم النساء فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیدا طیباً فامسحوا بوجوهکم وایدیکم منه ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج ولکن یرید لیطهرکم ولیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون. (مائدہ . ۲)

اور اگر تم بیمار ہو جاؤ، یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا تم جماع کر کے آؤ اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو، (دونوں کہ) چہرہ اور ہاتھوں پر مٹی مل لو، چونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں حرج میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا، بلکہ وہ تو تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے نیز اس طرح اپنی نعمت کی تکمیل چاہتا ہے۔ تاکہ تم اس کا شکریہ ادا کرو۔

(۲۳) تیمم کا طریقہ

تیمم کی نیت کر کے دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر انہیں جھاڑ دے اور دونوں ہاتھوں کو منہ پر اس طرح پھیرے کہ کوئی جگہ باقی نہ رہ جائے۔ پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے سروں کے نیچے رکھ کر کھینچتا ہوا کہنی تک لے جائے پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی دائیں ہاتھ کے اوپر کی طرف کہنی سے انگلیوں تک کھینچتا ہوا لائے، اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندر کی جانب کو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت پر پھیرے۔ پھر اسی طرح دائیں ہاتھ سے انگوٹھے کی پشت پر پھیرے پھر انگلیوں

کا خلال کرے، اگر انگوٹھی پہنی ہو تو اس کے نیچے بھی ہاتھ پھیرنا ضروری ہے چونکہ اگر بال برابر جگہ بھی یونہی چھوٹ گئی تو تیمم صحیح نہ ہوگا۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال جاء رجل فقال اصابتنی جنابۃ وانی تمعکت فی التراب فقال صلی اللہ علیہ وسلم اضرب، وضرب بیدیہ الارض فمسح وجہہ ثم ضرب بیدیہ فمسح بہما الی المرفقین. قال البیہقی اسنادہ صحیح. (بیہقی : کیف التیمم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا کہنے لگا مجھے غسل جنابت کی حاجت ہوگئی (تو پانی نہ ہونے کے سبب بطور تیمم) مٹی میں لوٹ پوٹ ہوگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح ہاتھ مار، اور خود دونوں ہاتھ زمین پر مار کر چہرہ کا مسح کیا۔ پھر دونوں ہاتھ مار کر کہنیوں سمیت ہاتھوں کا مسح کیا۔

اوقاتِ نماز

(۲۳) (الف) فجر کا وقت : صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے۔
ظہر کا وقت : زوالِ آفتاب سے اشیاء کا سایہ دوگنا ہونے تک رہتا ہے۔
عصر کا وقت : وقتِ ظہر کے اختتام سے غروبِ آفتاب تک رہتا ہے۔
مغرب کا وقت : غروبِ آفتاب سے غروبِ شفق ابیض تک رہتا ہے۔
عشاء کا وقت : شفق ابیض کے غروب سے طلوعِ صبح صادق تک رہتا ہے۔

(ب) حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اوقاتِ نماز کی بابت دریافت کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو دن کی نمازیں ہمارے ساتھ پڑھو۔ زوالِ آفتاب ہوا۔ تو حضرت بلالؓ نے آپؐ کے حکم سے اذان دی۔ پھر اقامت کہی۔ پھر ابھی سورج سفید ہی تھا کہ حضرت بلالؓ نے آپؐ کے حکم سے عصر کی اذان و اقامت کہی۔ پھر

غروب آفتاب پر مغرب کی اور غروب شفق پر عشاء کی نماز پڑھی۔

دوسرے دن حضرت بلالؓ نے آپ کے ارشاد کے مطابق ظہر کو موخر کیا تا آنکہ موسم نسبتاً ٹھنڈا ہو گیا اور عصر کی نماز کو پہلے دن سے موخر کیا تاہم سورج ابھی بلند ہی تھا اور مغرب کی نماز غروب شفق سے پہلے پڑھی جب کہ عشاء کو رات کے تہائی حصہ تک موخر کیا اور فجر کی نماز خوب روشنی ہونے پر ادا فرمائی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اوقات نماز کی بابت پوچھنے والا کہاں ہے؟ سائل حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا، ان اوقات کے درمیان تمہاری نمازوں کا وقت ہے۔ (مسلم : اوقات الصلوٰۃ الخمس)

(ج) عن عبداللّٰہ بن رافع انه سال اباھریرۃ رضی اللّٰہ عنه عن وقت الصلوۃ فقال ابوھریرۃ انا اخبرک، صل الظھر اذا کان ظلک مثلک والعصر اذا کان ظلک مثلیک والمغرب اذا غربت الشمس والعشاء ما بینک وبین ثلث اللیل وصل الصبح بغبش یعنی الغلس.

(موطا مالک : باب وقوت الصلوۃ)

حضرت عبداللہ بن رافع نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے اوقات کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں، جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے تو ظہر کی نماز ادا کر اور جب یہ سایہ دوگنا ہو جائے تو عصر کی نماز ادا کر اور غروب آفتاب پر مغرب کی نماز پڑھ۔ جب کہ عشاء کا وقت رات کے تہائی حصہ تک ہے اور فجر کی نماز اندھیرے میں ادا کر۔
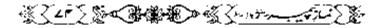
ظہر کا مسنون و مستحسن وقت

(۶۵)(الف) نمازوں کے مجموعی اوقات کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کے مسنون و مستحب وقت کو بھی بیان کر دیا جائے۔

موسم سرما ہو تو زوال آفتاب کے بعد نماز ظہر کا جلد ادا کرنا مسنون ہے جب کہ گرمی کے موسم میں اتنی تاخیر مسنون ہے کہ گرمی کی تیزی کم ہو جائے۔

(ب) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرمیوں کا عمل

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال اذن مؤذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظہر فقال ابرد، ابرد، او قال انتظر انتظر وقال شدۃ الحر من فیح جہنم فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوۃ حتی رأینا فیء التلول۔

(بخاری : باب ابراد الظہر فی شدۃ الحر)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مؤذن بارگاہ رسالت نے ظہر کی اذان دینا چاہی تو ارشاد نبوی ہوا، موسم کو ٹھنڈا ہونے دو، ٹھنڈا ہونے دو، یا فرمایا "مزید انتظار کرو، مزید انتظار کرو، چونکہ گرمی کی شدت جہنم کے اثرات میں سے ہے لہٰذا جب گرمی شدت اختیار کر جائے تو موسم ٹھنڈا ہونے پر نماز پڑھا کرو (یونہی ہم نماز کو موخر کرتے رہے) تا آنکہ ہمیں ٹیلوں کے سائے بھی نظر آنے لگے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ انہ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا اشتد الحر فابردوا الصلوۃ فان شدۃ الحر من فیح جہنم۔

(مسلم : استحباب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گرمی زیادہ ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو چونکہ گرمی کی شدت جہنم کے اثر سے ہے۔

نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس موضوع کی روایات حضرت ابوسعیدؓ حضرت ابوذرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت صفوانؓ حضرت ابوموسیٰؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ سے بھی

مروی ہیں۔(ترمذی : تاخیر الظہر)

(ج) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سردیوں کا عمل

عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظہر حین زالت الشمس. (وھو احسن حدیث فی الباب)

(ترمذی : ما جاء فی تعجیل ظہر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب زوال آفتاب ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا کان الحر ابرد بالصلوۃ وإذا کان البرد عجل. (۱)

(نسائی : تعجیل الظہر فی البرد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ گرمیوں میں نماز تاخیر سے، اور سردیوں میں جلدی پڑھتے۔

---

(۱) الغرض تمام احادیث شریفہ کو پیش نظر رکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سردیوں میں نماز ظہر کو جلدی ادا کرنا اور گرمیوں میں کچھ تاخیر کرنا پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت ہے۔ لیکن علم حدیث سے کچھ تعلق رکھنے والے بعض لوگ سردی وگرمی میں نماز ظہر جلدی ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ نواب صدیق حسن خانؒ کے صاحبزادہ اور مشہور غیر مقلد مصنف مولانا نور الحسن خانؒ لکھتے ہیں۔

"وافضل اوقات اول وقت ہر نماز است مگر آنچہ دلیل تخصیص آں پرداختہ چوں تاخیر عشاء وابراد ظہر در حر۔ (عرف الجادی۔ ص ۲۳)

کہ تمام نمازوں کو ابتدائی وقت میں پڑھنا افضل ہے سوائے ان نمازوں کے جن کی تاخیر دلائل سے ثابت ہے۔ جیسے عشاء کو موخر کرنا اور نماز ظہر کو گرمیوں میں ٹھنڈے وقت پڑھنا۔

(ب) نیز علامہ وحید الزمانؒ لکھتے ہیں :

"وافضل الصلوۃ الصلوۃ فی اول وقتھا إلا صلوۃ العشاء فالأفضل تاخیرھا عند عدم المشقۃ والا صلوۃ الظہر فیبرد بھا فی شدۃ الحر۔

(نزول الأبرار۔ ج ۱۔ ص ۵۷)

کہ ابتدائی وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ جب کہ عشاء کو موخر کرنا اور گرمیوں میں نماز ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھنا بہتر ہے۔

عصر کا مسنون وقت

(۲۲) (الف) جب ہر چیز کا سایہ (اصل سایہ کے علاوہ) دوگنا ہوجائے تو عصر کا وقت شروع ہوجاتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے، لیکن جب آفتاب بہت نیچا اور زرد ہوجائے تو اس وقت نماز مکروہ ہوتی ہے۔

(ب) عن علی بن شیبان قال قدمنا علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینۃ فکان یؤخر العصر ما دامت الشمس بیضاء نقیۃ''۔

(ابو داؤد : وقت صلاۃ العصر)

حضرت علی بن شیبانؓ کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے تو آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ عصر کی نماز کو موخر فرماتے۔ جب تک کہ سورج سفید اور صاف رہتا۔

(ج) عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ صل الظھر اذا کان ظلک مثلک والعصر اذا کان ظلک مثلیک... الحدیث (موطا مالکؒ : وقوت الصلوۃ)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب تیرا سایہ تیرے برابر ہوجائے تو ظہر کی نماز پڑھ اور سایہ دوگنا ہوجائے تو عصر کی نماز پڑھ۔

(د) عن انس بن مالک قال کنا نصلی العصر ثم یذھب الذاھب الی قباء فیاتیھم والشمس مرتفعۃ. (مسلم : استحباب التبکیر بالعصر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز پڑھ چکتے، پھر قبا جانے والا جب وہاں پہنچتا تو سورج ابھی اونچا ہی ہوتا۔

(۲۷) مغرب کا مسنون وقت

آفتاب غروب ہوتے ہی نماز مغرب کی ادائیگی مسنون ہے اور بلا عذر تاخیر مکروہ ہے۔

عن سلمة رضی اللّٰہ عنه قال : کنا نصلی مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم المغرب إذا توارت بالحجاب۔ (بخاری : وقت المغرب)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج چھپتے ہی ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مغرب کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔

عشاء کا مسنون وقت

(۲۸) تقریباً ایک تہائی رات تک مستحب وقت ہے، اس وقت میں رہتے ہوئے جس قدر زیادہ تاخیر ہو وہ مسنون ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "اگر مجھے امت کے مشقت میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ضرور حکم دیتا کہ نماز عشاء کو رات کے ایک تہائی یا نصف حصہ تک مؤخر کیا کریں۔"

(حسن صحیح، ترمذی: تاخیر صلوٰۃ العشاء)

فجر کا مسنون وقت

(۲۹) فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ اگر اس وقت کے دو حصے کیے جائیں تو اصطلاح شریعت میں پہلا نصف غلس اور دوسرا اسفار کہلاتا ہے۔ اکثر و بیشتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسفار میں نماز پڑھتے تھے۔ نیز آپ کا فرمان ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنے کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔

عن رافع بن خدیج قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم اسفروا بالفجر فإنه اعظم للاجر۔

(حسن صحیح، ترمذی : ما جاء فی الاسفار بالفجر)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی نماز کو خوب روشنی ہونے پر (اسفار میں) پڑھو کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

نواب صدیق حسن خان اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

پس بدرستیکہ اسفار بہ فجر بزرگ تر است برائے اجر و ثواب شارع بیان کرد کہ ثواب نماز بقدر ثواب جماعت است و جماعت در اسفار زیادہ می باشد از تغلیس غالباً۔

(مسک الختام ۔ ج ۱ ۔ ص ۳۳۲)

یہ صحیح ہے کہ فجر کی نماز اسفار کی حالت میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ چونکہ نماز کا ثواب جماعت کے ثواب کی مناسبت سے ہوتا ہے اور اسفار میں نماز پڑھنے سے عموماً شرکائے جماعت کی تعداد غلس میں نماز پڑھنے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔

(ب) اسلاف امت کا عمل

وقد رأى غير واحد من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين الاسفار بصلاة الفجر. (ترمذي : باب ماجاء في الاسفار بالفجر)

اور اسی پر جمہور حضرات صحابہ کا عمل تھا اور اکثر صحابہ اور تابعین نماز فجر کو اسفار میں پڑھنے کے قائل تھے۔

اوقات مکروہہ

(۵۰) مندرجہ ذیل اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

(الف) فجر کی نماز کی بعد سے سورج نکلنے تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ البتہ فوت شدہ فرض نماز کی قضا پڑھ سکتے ہیں۔

(ب) طلوع آفتاب سے اس کے بلند ہونے تک (یہ تقریباً بیس منٹ کا وقت ہے) اس دوران نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔ حتی کہ فرض نماز کی قضا بھی جائز نہیں۔

زوال کے وقت بھی نوافل اور فرائض پڑھنا مکروہ ہے۔

(ج) نصف النہار کے وقت بھی نوافل وفرائض پڑھنا مکروہ ہے۔

(د) عصر کی نماز کے بعد دھوپ کے زرد ہونے تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔

(ہ) دھوپ زرد ہونے کے بعد سے غروب آفتاب تک نوافل فرائض پڑھنا مکروہ ہے۔

حضرت عمرو سلمیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ "اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسی چیز بتلایئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتائی ہو اور مجھے معلوم نہ ہو۔ خاص طور پر نماز کے متعلق بتلایئے۔" آپ نے ارشاد فرمایا "صبح کی نماز پڑھ کر کوئی اور نماز پڑھنے سے رکے رہو تا آنکہ آفتاب طلوع ہو کر بلند ہو جائے۔ چونکہ آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت سورج پرست کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔ جب سورج کچھ بلند ہو جائے تو پھر نماز پڑھو، چونکہ ہر نماز بارگاہ الٰہی میں پیش کی جاتی ہے البتہ جب نیزہ بے سایہ ہو جائے (نصف النہار کے وقت) تو نماز نہ پڑھو چونکہ یہ جہنم کو دہکانے کا وقت ہے۔ اور جب سایہ بڑھنا شروع ہو جائے تو پھر نماز پڑھو چونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی جاتی ہے۔ جب عصر کی نماز پڑھ چکو تو پھر دوسری نماز

سے رک جاؤ تا آنکہ سورج ڈوب جائے چونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اس وقت سورج پرست کفار سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔"(۱)

(مسلم: الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا)

عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ یقول سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول، لا صلوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس،

(بخاری : لا یتحری الصلوۃ قبل الغروب)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔"صبح کی نماز کے بعد آفتاب کے بلند ہونے تک اور کوئی نماز نہیں ہے اور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک اور کوئی نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

---

(۱) طلوع آفتاب کے وقت ہر مشرق کا بڑا شیطان اس طرح کھڑا ہو جاتا ہے کہ سورج اس کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا نظر آئے تاکہ وہ دیگر شیاطین و جنات کو تاثر دے سکے کہ یہ سورج پرست حاضر مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

اذان کا بیان

(۷۱) اذان کی فضیلت و اہمیت

حضرت طلحہ کے چچا کہتے ہیں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ مؤذن نے آکر نماز کی اطلاع دی تو حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اذان دینے والوں کی گردنیں قیامت کے دن سب سے لمبی ہوں گی۔" (مسلم: باب فضل الاذان)

(۷۲) تاریخ اذان

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ نماز کی اطلاع کے لئے کون سا طریقہ عمل میں لایا جائے؟ اس دور کے وسائل کے مطابق بعض نے یہ رائے دی کہ جب نماز کا وقت آئے تو پہاڑ کی چوٹی پر آگ جلادی جائے۔ یہ دیکھ کر ہم سب جمع ہوجایا کریں گے۔ بعض نے کہا کہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر یا گلیوں میں گھوم کر کوئی بلند آواز شخص نماز کا اعلان کرے۔ بعض نے ناقوس کی آواز پر جمع ہونے کا مشورہ دیا۔

ایک رات حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور بعض دیگر حضرات صحابہؓ کو خواب میں اذان کا منظر دکھایا گیا۔ انھوں نے آکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، آپؐ نے اس طریقہ کو پسند فرمایا اور حضرت بلالؓ کو اسی طرح پر اذان دینے کا حکم دیا۔

قرآن کریم۔ نے اس طریق کار کے منجانب اللہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

ارشاد ربانی ہے۔

وإذا ناديتم إلى الصلوة اتخذوها هزوا ولعبا ذلك بأنهم قوم لايعقلون. (سورة المائدہ ۔ ٥٨)

اور جب تم لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے ہو تو یہ لوگ (اس آواز پر لبیک کہنے کے بجائے) اس کو ہنسی اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔

(٧٣) کلمات اذان

(الف) اذان کے یہ کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر و متعین ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ ہیں، آپ کی حیات طیبہ میں یہی اذان حرمین شریفین کی فضاؤں میں گونجتی رہی۔ حضرات صحابہ و تابعین واسلاف امت کا مسلسل عمل گواہ ہے کہ انھوں نے اسی اذان کو اپنائے رکھا اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم واضافہ نہ کیا۔ (١)

(١) ہمارا ایمان ہے کہ ہماری نجات اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت اور اولیاء واسلاف اور فقہاء امت کی مکمل اتباع میں ہے۔ اہل سنت وجماعت کا مسلک یہی ہے۔ لہٰذا ہمیں صرف وہی اذان دینی چاہئے جو مسنون ومنقول ہے۔ بعض شیعہ نے اذان کے وسط میں اور بعض مبتدعین نے اذان کے شروع میں جو اضافہ کیا ہے وہ قرآن وسنت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اظہار محبت کے لئے بعض شیعہ نے اذان میں "اشہد ان امیرالمؤمنین وامام المتقین علیاً ولی اللّٰہ" الخ وغیرہ کلمات کا اضافہ کیا ہے۔ ذخیرہ احادیث میں کہیں ان الفاظ کا پتہ نہیں ملتا۔ نیز داخلی شہادت کے طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ الفاظ دور نبوی میں موجود نہ تھے۔ اس کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں موجود نہ تھے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں موجود نہ تھے۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے زمانے میں موجود نہ تھے۔

خلیفہ چہارم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں موجود نہ تھے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا تقاضا ہے کہ وہی اذان دی جائے جو ان کے دور خلافت میں دی جاتی تھی۔

لہٰذا ایسے الفاظ جو خیر القرون میں کہیں بھی نہ تھے سیاسی پارٹی بندی کا نتیجہ ہیں اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ مشہور شیعہ محقق شیخ طوسی نے کتاب الاستبصار کے باب عدد الفصول فی الاذان والاقامۃ

صاحب مجالس فرماتے ہیں:

قد غيرت هذه السنة في هذا الزمان في اكثر البلدان لأن أهلها يؤذنون بانواع النغمات والألحان... ثم انهم لحرصهم على التغني لم يكتفوا بكلمات الاذان بل زادوا عليها بعض الكلمات من الصلوة والتسليم على النبي صلى

(کلمات اذان واقامت) کی حدیث نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، میں کلمات اذان واقامت کا ذکر کیا ہے لیکن مذہب بالا کلمات شہادت کا ذکر نہیں۔ (محمد بن حسن طوسی الاستبصار۔ ج ا۔ ص ۳۰۵)

بلکہ شیعہ کے رئیس المحدثین ابو جعفر محمد علی الصدوق المتوفی ۳۸۱ھ نے من لا یحضرہ الفقیہ باب الاذان والاقامۃ کی حدیث نمبر ۳۵ میں پوری اذان درج کی ہے جس میں حی علی الفلاح کے بعد صرف حی علی خیر العمل کا اضافہ ہے اس کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

"قال مصنف هذا الكتاب هذا هو الأذان الصحيح لا يزاد فيه ولا ينقص منه، والمفوضة لعنهم الله قد وضعوا أخبارا وزادوا في الأذان محمد وآل محمد خير البرية مرتين وفي بعض رواياتهم بعد اشهد أن محمدا رسول الله اشهد أن عليا ولي الله مرتين ومنهم من روى بدل ذلك اشهد أن عليا امير المؤمنين حقا مرتين۔ ولا شك في أن عليا ولي الله وأنه امير المؤمنين حقا وأن محمدا وآله صلوات الله عليهم خير البرية ولكن ليس ذلك في أصل الأذان۔

ابو جعفر الصدوق: فقيه من لا يحضره الفقيه ج ا ص ۱۸۸۔

اس کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ یہی وہ صحیح اذان ہے جس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ شیعہ کے فرقہ مفوضہ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے احادیث گھڑی ہیں اور اذان میں محمد وآل محمد خیر البریۃ کا اضافہ کیا ہے اور بعض میں انہوں نے اشہد ان محمدا رسول اللہ کے بعد اشہد أن علیا ولی اللہ کا جملہ دو دفعہ بڑھایا ہے جب کہ بعض نے اشہد ان علیا امیر المومنین حقا کا جملہ دو دفعہ بڑھایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علی اللہ کے ولی ہیں اور وہ برحق امیر المومنین ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل مخلوق میں بہتر ہیں۔ لیکن یہ کلمات اذان کا حصہ بالکل نہیں۔

الغرض سابقہ تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ شہادت علی کے مروجہ کلمات اذان کا حصہ نہیں بلکہ شیعہ محدث نے تو ایسا کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔

اب اہل تشیع کی اذان کے رد عمل میں اگر کوئی شخص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف ومنقبت کے طور پر اذان میں اضافہ کرے تو یقینا یہ اضافہ بھی بدعت اور غیر مسنون شمار ہوگا چونکہ اسلام نے

الله عليه وسلم وإن كان مشروعا بنص الكتاب والسنة وكان من اكبر العبادات واجلها لكن اتخاذها عادة في الاذان على المنارة لم يكن مشروعاً اذ لم يفعلها احد من الصحابة والتابعين ولا غيرهم من ائمة الدين وليس لاحد ان يضع العبادات إلا في مواضعها التي وضعها فيها الشرع ومضى عليها السلف الاترى ان قراءة القرآن مع كونها من اعظم العبادات لا يجوز للمكلف ان يقرأها في الركوع ولا في السجود ولا في القعدة لأن كلا منها ليس محلاً. (مجالس الابرار. ص ۳۰۷)

آج کل اکثر مقامات پر مسنون اذان میں تبدیلی ہو چکی ہے۔ اولاً تو یوں کہ موذن لوگ اذان کے کلمات کو گا گا کر مختلف لہجوں میں ادا کرتے ہیں۔ پھر جب راگ ورنگ کے دلدادہ طبقہ کے ذوق کی تکمیل نہ ہوئی تو انہوں نے اذان کے موجودہ کلمات کو ناکافی سمجھا سنت و بدعت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ مسلک و مشرب اور شخصیات کی جکڑ بندیوں سے بالاتر ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص بھی اسلامی عبادات میں اضافہ کرے گا تو یہ اضافہ بدعت اور خلاف سنت ہی ہوگا۔

اذان سے پہلے درود

پاک و ہند میں بعض مبتدعین نے اذان سے قبل درود شریف کا اضافہ کیا۔

۱- جائزہ از روئے قرآن : ارشاد باری ہے: إن الله وملائكته يصلون على النبي يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما (الاحزاب آیت نمبر ۵۶)
اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود و سلام پڑھا کرو۔

یہ آیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور کون ہے جو آپ سے زیادہ بڑھ کر اس کے مفہوم و مراد سے واقف ہو۔ آپ نے حسب عادت یہ آیت بھی حضرات صحابہؓ کو بتائی۔ صحابہؓ نے آپ کی تعلیمات کے مطابق اس پر عمل کیا۔ اگر اس آیت کے مفہوم میں اذان سے قبل درود شریف پڑھنا بھی ہوتا تو یقیناً آپ ضرور بتلاتے اور حضرات صحابہ ضرور اس پر عمل پیرا ہوتے۔ لیکن آپ کی حیات طیبہ میں اذان سے قبل درود شریف نہ پڑھا گیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہ قرآنی مفاہیم سے بخوبی واقف تھے۔ جن میں ابن عباسؓ جیسے سید المفسرین بھی موجود تھے۔ اس کے باوجود حضرات صحابہؓ نے اذان سے قبل درود

اور درود شریف کا اضافہ کرلیا (اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو پاک میں اذان سے قبل یہ اضافہ لاؤڈ سپیکر کے بعد کی پیداوار ہے) کیونکہ درود شریف کا پڑھنا قرآن وسنت کی رو سے مستحسن اور بہت بڑی عبادت ہے لیکن اسے اذان کا جزو بنالینا جائز نہیں۔ اس لئے شریف نہ پڑھا۔ معلوم ہوا کہ اذان سے قبل درود شریف قرآنی نقطہ نظر سے صحیح نہیں۔ اب اگر اس دور میں کوئی شخص اس درود کو آیت کے مفہوم میں داخل کرے تو بارگاہ الٰہی کی گستاخی ہوگی، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذان کے جو کلمات عطا ہوئے ان میں ایک چیز کی کمی تھی جسے اب پورا کیا گیا۔ نیز اس سے بارگاہ رسالت کی گستاخی ہوگی کہ یا تو اللہ کے رسول کو آیت کا مکمل مفہوم معلوم نہ تھا یا معلوم تھا مگر آپؐ نے امت کو نہیں بتایا۔ نیز یہ کہ آپ کی حیات طیبہ میں جو اذان دی جاتی تھی وہ قدرے قابل اصلاح تھی اور درود شریف کے اضافے کی متقاضی تھی۔

نیز اس سے شان صحابہؓ میں گستاخی ہوگی کہ یا تو وہ قرآنی مراد سے ناواقف تھے یا واقف ہونے کے باوجود انہوں نے اس محبوب عمل کو چھوڑے رکھا۔

۲- جائزہ از روئے سنت

(الف) مسنون اذان کی تمام تفصیلات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دی تھیں۔ مؤذن کا انتخاب، اذان کے دوران جواب، اذان کے بعد کی دعا وغیرہ۔

اگر اذان سے قبل درود شریف مسنون ومستحب ہوتا تو آپ امت کو یہ بھی بتا دیتے، لیکن ذخیرہ احادیث میں کہیں بھی اس کا پتہ نہیں ملتا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا ہے کہ ہمیں بھی وہی اذان پسند ہو جو خود آپ کو پسند تھی۔ ہم وہی مسنون اذان دیں جو آپ کی حیات طیبہ میں حرمین شریفین ودیگر مساجد کی مقدس فضاؤں میں گونجتی رہی۔

(ب) عشق ومحبت کے زبانی دعوے نہیں بلکہ کردار وعمل کے غازی اپنے تن من دھن کو قربان کر دینے والے سچے محب اور عاشق رسول تمام حضرات صحابہؓ تھے۔ اگر اذان میں یہ اضافہ کسی وجہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا سبب ہوتا تو سب سے پہلے یہ کام حضرات صحابہؓ کرتے۔ خصوصاً بارگاہ رسالت کے مؤذنین جن میں حضرت بلالؓ، حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ، سلمہ بن الاکوعؓ، حضرت ابومحذورہؓ جو کہ بارگاہ رسالت کے مزاج آشنا تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ محبت کے تقاضوں کو پورا کیا کہ وہی مسنون اذان دیتے رہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی۔ الغرض اذان میں اس اضافہ کو محبت کا لبادہ اوڑھانے کی کوشش نہیں کی جا سکتی۔

(ج) اذان میں اس قسم کا اضافہ تو بڑی دور کی بات ہے عہد رسول کے بعد اور حضرات صحابہؓ تو عام

کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر ائمہ وفقہاء امت میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا۔ شریعت اسلامیہ نے عبادات کو جس مقام و جس کیفیت پر رکھا ہے خصوصاً جس پر اسلاف امت کا عمل جاری ہے اس میں تبدیلی کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی توضیح کے لئے یہ مثال کافی ہے کہ "تلاوت کلام پاک باوجود یہ کہ بہت بڑی عبادت ہے، لیکن کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ رکوع، سجدہ یا قعدہ، میں قرآن پڑھے چونکہ ان میں سے کوئی جگہ بھی تلاوت کا محل نہیں ہے۔"

مسنون اوراد و اذکار میں بھی ذرہ برابر آمیزش کو برداشت نہ کرتے تھے کو کہ وہ آمیزش بظاہر کتنی ہی بلا وجہ کیوں نہ ہو۔ ملاحظہ فرمائیں۔ عن نافع أن رجلا عطس إلى جنب ابن عمر فقال الحمد لله والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابن عمرو أنا أقول الحمد لله والسلام على رسول الله وليس هكذا علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا أن نقول الحمد لله على كل حال۔

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے چھینک مار کر کہا الحمد لله والسلام على رسول الله۔ اس پر فرمایا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حمد و سلام کا تو میں بھی قائل ہوں، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا نہیں سکھایا۔ آپ نے بتلایا کہ ہم اس موقع پر صرف الحمد للہ کہا کریں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ بذات خود السلام علی رسول اللہ کوئی قابل اعتراض جملہ نہیں۔ جب ایک صحابی رسول کو ایک عام مسنون ذکر الحمد للہ پر السلام على رسول الله کا اضافہ منظور نہیں تو خود صاحب شرع صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان جیسا اہم معاملہ میں الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ کا اضافہ کیونکر منظور ہوگا؟

علماء امت اور علماء بریلویہ کا تجزیہ

گزشتہ سطور سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی، کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان سے پہلے اور بعد یہ اضافہ نہیں تھا، اسی طرح خلافت راشدہ، خلافت بنی امیہ، خلافت عباسیہ اور پھر قریب زمانہ میں خلافت عثمانیہ تک اذان اپنی اصلی حالت میں باقی رہی۔ اس دوران آٹھویں صدی میں بعض لوگوں نے اذان میں اضافہ کیا تو علماء امت نے ان کو سختی سے روک دیا اور اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا ملاحظہ ہو علامہ ابن حجر مکی شافعی لکھتے ہیں:

وردت أحاديث أخر بنحو تلك الأحاديث السابقة ولم نر في شيء منها
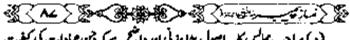
(د) صاحب مجالس کا یہ اصول بڑا وزنی اور واضح ہے کہ جن عبادات کی کیفیت وحیثیت متعین ہے ان میں حذف یا زیادت کا اختیار کسی کو نہیں۔ اس کی ایک اور واضح مثال یہ ہے کہ جو شخص نماز ظہر کے پہلے قعدہ میں تشہد کے بعد عمداً درود شریف پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر بھول کر پڑھے تو سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

چونکہ قعدہ اولیٰ میں درود شریف نہیں قعدہ ثانیہ میں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ شریعت اسلامیہ نے جہاں درود شریف متعین کیا ہے اس کو وہاں سے ہٹانا جائز نہیں اور جہاں متعین نہیں وہاں بڑھانا جائز نہیں۔

مشہور حنفی محقق علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں اس بات کی تصریح کی ہے ملاحظہ ہو : أو تاخير القيام إلى الثالثة بسبب الزيادة على التشهد ساهياً ولو بحرف من الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم.

(فتح القدير. ج ۱. ص ۲۰۵)

اگر تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے میں تاخیر ہوگی اور بھول کر درود شریف

التعرض للصلاة عليه صلى الله عليه وسلم قبل الأذان ولا إلى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم بعده ولم نر ايضاً في كلام ائمتنا تعرضا لذالك ايضاً فحينئذ كل واحد من هذين ليس بسنة في محله المذكور فيه فمن اتى بواحد منهما في ذلك معتقدا سنيته في ذلك المحل المخصوص نهي عنه ومنع منه لانه تشريع بغير دليل ومن شرع بلا دليل نزجر عن ذلك وينهي عنه ۔ (الفتاوى الكبرى الفقهيه، ج ۱۔ ص ۱۳۱)

اس قسم کی اور احادیث بھی ہیں، لیکن کسی کی بھی حدیث میں اذان سے قبل درود شریف اور اذان کے بعد محمد رسول اللہ کہنے کا ذکر تک نہیں، نیز ہمارے ائمہ کے کلام میں بھی اس مسئلہ کا نشان نہیں ملتا۔ اس طرح یہ دونوں چیزیں اذان میں مسنون نہیں ہیں لہٰذا جو شخص بھی اس مقام پر ہی عمل سنت سمجھ کر کرے گا اسے روکا جائے گا۔ چونکہ یہ تو بلا دلیل ایک مسئلہ کو شریعت کی طرف منسوب کرنا ہے اور ایسا کرنے والے کو سختی کے ساتھ روک دیا جائے گا۔

علامہ مفتی محمد حسین نعیمی لکھتے ہیں : اذان کے کلمات مقرر ہیں۔ اس میں کمی بیشی کرنا یا ان کے آگے پیچھے درود شریف یا قرآن کریم کی آیات بلا فصل ملانا بدعت ہے اور عبادت میں خلل ڈالنے

پڑھ لیا تو سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔

مسنون اذان کے کلمات

(۴۷) اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، اشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، اشھد أن محمداً رسول اللّٰہ، اشھد أن محمداً رسول اللّٰہ، حی علی الصلوۃ، حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لا إلٰہ إلا اللّٰہ.

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بنانے کا حکم دیا تاکہ ناقوس بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کیا جائے۔ تو میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو ناقوس اٹھائے ہوئے ہے۔ میں نے کہا یہ ناقوس بیچو گے؟ اس نے کہا کہ تم اس کو کیا کرو گے؟ میں نے کہا اس سے نماز کے لئے لوگوں کو جمع کریں گے۔ اس نے کہا تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ میں نے کہا ضرور! اس نے کہا اچھا تو پھر تم یہ کہا کرو (ترجمہ) اللہ سب سے بڑا ہے (۴ دفعہ) میں (صدق دل) سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی عبادت کے قابل نہیں۔ (۲ دفعہ) میں (میں

کے خلاف ہے۔ اذان کے ساتھ اول درود شریف کو لازم قرار دینا یا اہل سنت کا شعار بتانا بھی بدعت ہے اور عبادت مسنونہ میں تحریف کرنے کی کوشش ہے۔ (ملخص) فتویٰ مفتی محمد حسین نعیمی، جامعہ نعیمیہ لاہور انوار الصوفیہ میں ہے: قرون اولیٰ میں ملک پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے کہیں بھی اذان سے پہلے بلند آواز سے قصیدہ یا صلاۃ وسلام پڑھنا شروع نہیں ہے۔ دراصل یہ دو بدعات ہیں جو بدعتیوں کی ضد سے یا نعت خواں قسم کے مؤذنین نے پیدا کئے ہیں، یہ رسم جو اسلام میں مسنون نہیں کیا جاہلانہ پڑھتے چلے جا رہے ہیں اور علماء کرام خاموش ہیں، پتہ نہیں کیا وجہ ہے؟ (ملخص انوار الصوفیہ (جماعت علی پور شریف) جنوری ۱۹۸۷ء۔ دار العلوم حزب الاحناف کا فتویٰ: تکبیر ہونے سے پہلے لاؤڈ اسپیکر پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنا جائز نہیں۔ فتویٰ دار العلوم حزب الاحناف، لاہور۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۶ء
الغرض اذان سے پہلے یا بعد درود شریف وغیرہ کا اضافہ قرآن وسنت واقوال صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے اور خود بریلوی مکتب فکر کے علماء نے بھی اس کو بدعت اور ناجائز قرار دیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تمام بریلوی حضرات گروہی مفادات کو بالائے طاق رکھ کر ان حقیقت پسندانہ تعلیمات پر عمل کریں۔

صدق دل سے) گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں (۲ دفعہ) نماز کے لئے آؤ (۲ دفعہ) کامیابی کی طرف آؤ (۲ دفعہ) اللہ سب سے بڑا ہے (۲ دفعہ) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ (الحدیث)

(قال الدارقطنی ھذا ثابت صحیح) (ابوداود: باب کیف الاذان)

(۷۵) فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو دفعہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا چاہئے۔

عن ابی محذورۃ وفیہ. قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فان کان صلوۃ الصبح قلت الصلوۃ خیر من النوم. الصلوۃ خیر من النوم. (الحدیث)

(قال العظیم آبادی حدیث صحیح) (ابوداؤد : کیف الاذان)

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر صبح کی نماز کا وقت ہو تو دو دفعہ الصلوۃ خیر من النوم کہا کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسنون یہ ہے کہ فجر کی اذان میں مؤذن جب حی علی الفلاح کہہ لے تو الصلوۃ خیر من النوم کہے۔

(قال البیہقی اسنادہ صحیح) (بیہقی: التثویب فی اذان الصبح)

اذان کا جواب دینا

(۷۶) اذان کے آداب کا تقاضا ہے کہ اس دوران ادھر ادھر کی بات چیت نہ کرے بلکہ کلمات اذان پر غور کرے اور مؤذن کے ساتھ ساتھ یہ کلمات دہراتا جائے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم اذان سنو تو وہی کلمات دہراؤ جو مؤذن کہتا ہے۔“

(مسلم: استحباب القول مثل قول المؤذن۔ بخاری: ما یقول اذا سمع المنادی)

اذان کے بعد دعا

(۷۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اس کے لئے میری شفاعت حلال

ہوگی۔ (بخاری: الدعاء عند النداء)

دعا یہ ہے:

"اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمداً الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودا الذی وعدتہ۔"

اقامت کا بیان

(۷۸)(الف) اقامت کے مسنون کلمات یہ ہیں

اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ، اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ، اشہد ان محمداً رسول اللّٰہ، اشہد ان محمداً رسول اللّٰہ، حی علی الصلوۃ، حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، قد قامت الصلاۃ، قد قامت الصلاۃ، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لا الٰہ الا اللّٰہ.

(ب) مؤذن رسول حضرت ابو محذورہؓ کا عمل

عن ابن محیریز انہ سمع ابا محذورۃ یقول "علمنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الاقامۃ سبع عشرۃ کلمۃ."

ابن محیریز نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت کے سترہ کلمات سکھائے تھے۔

واضح رہے کہ ترمذی نے حضرت ابو محذورہؓ سے جو مرفوع روایت نقل کی ہے اس میں بھی سترہ کلمات اقامت کا ذکر ہے امام ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(ج) مؤذن رسول حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی تھا۔

عن عبید مولی سلمۃ بن الاکوع ان سلمۃ بن الاکوع کان یثنی الاقامۃ. (طحاوی : الاقامۃ کیف ھی؟)

حضرت عبید فرماتے ہیں کہ سلمۃ بن الاکوع اقامت کے دوہرے کلمات کہا کرتے تھے (یعنی اشہد ان لا الہ الا اللہ سے آخری اللہ اکبر تک تمام کلمات دو دفعہ کہا کرتے تھے)

(د) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آخری عمل (۱)

عن الأسود بن يزيد أن بلالاً كان يثني الأذان ويثني الاقامة.

(مصنف عبدالرزاق، اسناده صحيح، آثار السنن. ج ۱ . ص ۵۳)

حضرت اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان واقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہا کرتے تھے۔

---

(۱) عن أنس رضي الله عنه قال امر بلال أن يشفع الأذان ويوتر الاقامة.

(مسلم : الأمر بشفع الأذان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دوہرے اور اقامت کے کلمات اکہرے کہا کریں۔

لہذا حضرت بلال ابتدائی ایام میں اقامت کے کلمات ایک ایک دفعہ کہتے تھے لیکن جب یہ حکم منسوخ ہوا تو پھر آپ آخری عمر تک اقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہا کرتے تھے۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں :

ثم ثبت هو من بعد على التثنية في الاقامة بتواتر الآثار في ذلك فعلم أن ذلك هو ما امر به . (طحاوي : الاقامة كيف هي؟)

پھر حضرت بلال کا مستقل عمل اقامت دوہری کہنے کا رہا جس پر روایات متواترہ دلالت کرتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال کو اسی کا حکم دیا گیا تھا۔

خود علامہ شوکانیؒ حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بنیاد بناتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عمل کو منسوخ قرار دیتے ہیں ملاحظہ ہو۔

وهو متأخر عن حديث بلال الذي فيه الامر بايتار الاقامة لأنه بعد فتح مكة لأن أبا محذورة من مسلمة الفتح وبلالاً امر بافراد الاقامة اول ما شرع الأذان فيكون ناسخاً وقد روى ابو الشيخ أن بلالاً اذن بمنى ورسول الله صلى الله عليه وسلم ثم مرتين مرتين واقام مثل ذلك إذا عرفت هذا تبين لك أن احاديث تثنية الاقامة صالحة للاحتجاج بها لما اسلفناه واحاديث افراد الاقامة وان كانت

(۷۹) تکبیر کہنے والے کے ساتھ انہی کلمات کو دہرانا مسنون ہے

عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ ان بلالا اخذ فی الاقامۃ فلما ان قال قد قامت الصلوۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اقامہا اللہ وادامہا اللہ وقال فی الاقامۃ کنحو حدیث عمر رضی اللہ عنہ فی الاذان.

(ابو داؤد : مایقول اذا سمع الاقامۃ)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت شروع کی جب وہ قد قامت الصلوۃ پر پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: "اقامہا اللہ وادامہا اللہ" اور باقی اقامت کا جواب اذان کی طرح دیا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہوا۔

انگوٹھے چومنا

(۸۰) مسنون اذان مسنون اقامت اور اس دوران مسنون اعمال کا ذکر ہوا۔ الغرض جو اعمال بھی مستحسن تھے وہ ہمیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیے۔ اب اس

اصح منها لكثرة طرقها وكونها في الصحيحين لكن احاديث التثنية مشتملة على الزيادة فالمصير اليها مع تأخر تاريخ بعضها كما عرفناك.

(شوکانی: نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۳ باب صفۃ الاذان ...)

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ والی روایت حضرت بلالؓ کی ایک روایت سے مؤخر ہے جس میں حضرت بلالؓ کو اکہری اقامت کہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ چونکہ حضرت ابو محذورہؓ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور حضرت بلالؓ کو اکہری اقامت کہنے کا حکم شروع شروع میں دیا گیا تھا۔ لہٰذا حضرت ابو محذورہؓ والی روایت نے سابقہ حکم کو منسوخ کر دیا۔ بلکہ ابو الشیخؒ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت بلالؓ نے منیٰ میں اذان دی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں موجود تھے۔ تو وہ اذان و اقامت ایک جیسی تھی اور اس میں دو دو دفعہ کلمات کو دہرایا گیا ہے۔ جب تمہیں یہ تفصیل معلوم ہو گئی تو واضح ہو گیا کہ جن احادیث میں دہری اقامت کا ذکر ہے وہ دلیل بن سکتی ہیں اور اکہری اقامت والی احادیث طرق مختلفہ اور صحیحین میں وارد ہونے کی وجہ سے گو کہ زیادہ صحیح ہیں لیکن دہری اقامت والی احادیث میں ایک زیادہ چیز کا تذکرہ ہے لہٰذا ان کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ ان میں آخری زمانہ کا تذکرہ ہے جیسے کہ ہم بتا چکے ہیں۔

میں اپنی طرف سے پیوند لگا نا اہل السنت و جماعت کو زیب نہیں دیتا کہ یہ شانِ نبوت میں گستاخی ہے جیسا کہ بعض مبتدعین اذان و اقامت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر انگوٹھے چومتے ہیں۔ ذخیرہ(۱) احادیث میں کہیں اس کا پتہ نہیں ملتا۔

---

(۱) ذخیرۂ قرآن و سنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر انگوٹھے چومنے کا ذکر نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کو جائز ثابت کرنے کے لئے من گھڑت قصوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔

ایک قصہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ جسے علامہ سخاوی رحمہ اللہ المقاصد الحسنہ باب المیم میں نقل کر کے خود فرمایا کہ "ولا یصح" یہ اثر مرے سے صحیح ہی نہیں ہے۔

علامہ سخاوی کی پوری عبارت درج ذیل ہے: ذکرہ الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر لما سمع قول المؤذن اشهد ان محمداً رسول اللّٰہ قال هذا وقبل باطن الأنملتین السبابتین ومسح علی عینیه فقال صلی اللّٰہ علیه وسلم من فعل مثل ما فعل خلیلی فقد حلت له شفاعتی "ولا یصح."

ایک اسی قسم کا قصہ حضرت خضر علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس کی بابت خود علامہ سخاوی علیہ فرماتے ہیں۔ وکذا ما اوردہ ابو العباس أحمد بن ابی بکر الرداد الیمانی المتصوف فی کتابه موجبات الرحمة وعزائم المغفرة بسند فیه مجاهیل مع انقطاعه عن الخضر علیه السلام. (المقاصد الحسنه : باب المیم)

ترجمہ: "اسی طرح وہ قصہ بھی غلط ہے جس کو ابو العباس یمنی صوفی نے اپنی کتاب "موجبات الرحمة وعزائم المغفرة" میں درج کیا ہے چونکہ اس کی سند میں بہت سے نامعلوم (مجہول) لوگ ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ سرے سے راوی کی ملاقات ہی ثابت نہیں۔"

ایک اور قصہ حضرت طاؤس کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے شمس بن نصر سے سنا کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر انگوٹھے چومے وہ اندھا نہیں ہوگا۔

خود علامہ سخاوی اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ "ولا یصح فی المرفوع من هذا شیء۔"

ان سب باتوں میں سے ایک بھی مرفوعاً ثابت نہیں۔

اور جناب احمد رضا خاں صاحب بریلوی بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ انگوٹھے چومنا کسی بھی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں تو آ جا کے بعض ضعیف اور مجروح قصے ہیں جن کا سہارا لیا جاتا ہے اور یہ تو ایک حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات کی بنیاد ٹھوس حقائق اور مضبوط دلائل پر رکھی گئی ہے من گھڑت قصے کہانیوں پر نہیں۔ ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں:

"اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا

نماز کی مسنون ترکیب

(۸۱) جب نماز پڑھنے لگو تو قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو جاؤ، پھر جو نماز پڑھنی ہے اس کی نیت دل سے کرو، مثلاً یہ کہ "فجر کی نماز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھتا ہوں۔" پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ، ہتھیلیاں اور انگلیاں قبلہ رخ رہیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے

"اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں۔ یہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی۔ پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اسے مؤکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر و ملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے۔ ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تــــــــــعیــــــــــن ابہامین وارد ہے۔" (احمد رضا خاں۔ مجموعہ رسائل۔ ج ۲۔ ص ۱۵۵)

یہاں بعض علماء کو ایک غلطی لگی کہ "یہ باتیں ضعیف ہیں اور فضائل میں ضعیف کمزور روایتوں پر بھی عمل کرلیا جاتا ہے۔" لیکن اگر ان باتوں کے ثبوت کا ضعیف احتمال بھی ہوتو شاید ان کا کہنا درست ہوگا۔ جب کہ یہ باتیں سرے سے من گھڑت اور موضوع ہیں تو کسی درجہ میں بھی عمل کی بنیاد نہیں بن سکتیں۔ ملاحظہ ہو:

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الأحاديث التي رويت في تقبيل الأنامل وجعلها على العينين عند سماع اسمه صلى الله عليه وسلم عن المؤذن في كلمة الشهادة كلها موضوعات۔ (تيسير المقال)

کہ دوران اذان کلمہ شہادت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر انگوٹھے چومنے کی تمام روایات من گھڑت (موضوع) ہیں۔

مقابل ہوں۔ اس وقت اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لو۔ دائیں ہاتھ کو
بائیں ہاتھ پر رکھو اور نظر سجدہ کی جگہ ہے۔ ہاتھ باندھ کر آہستہ آہستہ سبحانک اللّٰھم
پڑھو، پھر اعوذ باللّٰہ.... بسم اللّٰہ. پڑھ کر سورۃ فاتحہ پڑھو۔ پھر آہستہ سے آمین
کہہ کر کوئی سورت یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات پڑھو۔ لیکن اگر تم امام کے پیچھے
نماز پڑھ رہے ہو تو سبحانک اللّٰھم پڑھ کر خاموش کھڑے رہو۔ پھر اللہ اکبر کہتے
ہوئے رکوع میں جاؤ۔ پیٹھ کو سیدھا رکھو اور انگلیوں کو کھول کر ان سے گھٹنوں کو پکڑ لو، رکوع
میں تین یا پانچ مرتبہ تسبیح پڑھو، پھر سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سیدھے کھڑے
ہو جاؤ اور ربنا لک الحمد کہو۔ اگر امام کے پیچھے ہو تو امام صرف سمع اللّٰہ لمن
حمدہ کہے اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے، پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جاؤ۔
پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی رکھو، ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رخ
رہیں۔ کہنیاں پسلیوں سے اور پیٹ رانوں سے علیحدہ رہے۔ کہنیاں زمین پر مت
بچھاؤ۔ سجدے میں تین یا پانچ مرتبہ تسبیح کہو، پھر پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر
کہتے ہوئے بیٹھ جاؤ۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کرو، پھر تکبیر کہتے ہوئے اٹھو، اٹھنے
میں پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھا کر پنجوں کے بل سیدھے کھڑے ہو جاؤ
کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ لو اور بسم اللہ اور سورۃ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھو۔ اگر امام کے پیچھے
ہو تو خاموش کھڑے رہو۔ پھر اسی طرح رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ، دوسرا سجدہ کرو۔ دوسرے
سجدے سے اٹھ کر بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ۔ دایاں پاؤں کھڑا رہے اور ہاتھوں کو
رانوں پر رکھو اور التحیات پڑھو۔ جب اشھد ان لا الٰہ پر پہنچو تو سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے
اور بڑی انگلی سے حلقہ باندھ لو اور چھنگلیا اور اس کے پاس والی چھوٹی انگلی کو بند کر لو اور

اور علامہ سخاوی ابن حجرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ:

ویجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً وقال "اما الموضوع فلا یجوز العمل بہ بحال" (القول البدیع۔ ص ۱۹۵ تا ۱۹۶)

کہ فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز اور مستحسن ہے۔ بشرطیکہ من گھڑت نہ ہو۔ چونکہ من گھڑت (موضوع) بات پر عمل کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔

شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرو لا الٰہ پر انگلی اٹھاؤ اور الا اللہ پر جھکا لو اور یہ حلقہ آخر تک باندھے رکھو۔ اگر دو رکعت والی نماز ہے تو تشہد ختم کر کے درود شریف پڑھو، پھر دعا پڑھ کر دائیں بائیں سلام پھیر دو اور اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہو تو تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کے بجائے تکبیر کہتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ اور تیسری یا چوتھی رکعت پوری کر کے سلام پھیر دو۔

فرائض کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھنا ضروری نہیں۔ البتہ سنن و نوافل کی تیسری، چوتھی رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ ملانا ضروری ہے۔

اس اجمال کے بعد ذیل میں اہم نکات کی تفصیل اور دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

کپڑے پہننا

(۸۲) صاف ستھرے کپڑے پہن کر نماز پڑھنی چاہیے۔ واضح رہے کہ مرد کے لئے کم از کم ناف سے گھٹنوں تک جسم کو چھپانا ضروری ہے۔ جب کہ عورت کے لئے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے علاوہ بقیہ سارا بدن چھپانا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

ارشاد ربانی ہے۔ یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد.

(الاعراف ۳۱)

اے آدم کی اولاد ہر نماز کے وقت آرائش اختیار کرو۔

حضرت ابن عباسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "ران ستر ہے (یعنی اس کو چھپانا ضروری ہے) حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے گھٹنے کو ڈھانپ دیا۔"

(بخاری: ما یذکر فی الفخذ)

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کپڑا وسیع ہو تو پورے جسم پر لپیٹ لیا کرو ورنہ تہبند کی طرح باندھ لیا کرو۔

(بخاری: اذا کان الثوب ضیقا)

سر ڈھانپنا

(۸۳) نماز کے آداب میں سے یہ ہے کہ پورا لباس پہن کر نماز پڑھے اور سر کو بھی ڈھانپ کر رکھے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہر شخص کو عام حالات میں سر ڈھانپ کر رکھنا چاہئے۔ ہاں اگر مجبوری کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی، لیکن کپڑا ہوتے ہوئے بھی ننگے سر نماز پڑھنا اور ننگے سر رہنا خلاف سنت ہے۔ (۱)

عن أنس بن مالک قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکثر القناع..... (شمائل ترمذی. ص ۱۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنے سر مبارک کو کپڑے سے ڈھانپ کر رکھتے تھے۔

---

(۱) خود مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں :

صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بالدوام ثابت ہوا ہے یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا پگڑی سے یا ٹوپی سے۔

(ثناء اللہ امرتسری : فتاوی ثنائیہ۔ ج ۱۔ ص ۵۲۵)

نیز مولانا ابو سعید شرف الدین لکھتے ہیں :

(ننگے سر) نماز ادا ہو جائے گی مگر سر ڈھانپنا اچھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اکثر عمامہ یا ٹوپی رکھتے تھے.... مگر یہ بعض کا جو شیوہ ہے کہ گھر سے پگڑی یا ٹوپی سر پر رکھ کر آتے ہیں اور ٹوپی یا پگڑی قصداً اتار کر ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور پھر اس کو سنت کہتے ہیں بالکل غلط ہے۔ یہ فعل سنت سے ثابت نہیں ہاں اس فعل کو مطلقاً ناجائز کہنا بھی بے توفی ہے ایسے ہی بے حد سر کو بلا وجہ شعار بنانا بھی خلاف سنت ہے اور خلاف سنت بے توفی ہی تو ہوتی ہے۔

(ثناء اللہ امرتسری: فتاوی ثنائیہ۔ ج ۱۔ ص ۵۲۲)

مولانا غزنوی فرماتے ہیں :

اگر ننگے سر نماز فیشن کی وجہ سے ہے تو نماز مکروہ ہے اگر خشوع کے لئے ہے تو تشبہ بالنصاری ہے اسلام میں سوائے احرام کے ننگے سر رہنا خشوع کے لئے نہیں ہے۔ اگر سستی کی وجہ سے ہے تو منافقین کی عادت ہے۔ غرض ہر لحاظ سے ناپسندیدہ ہے۔ (فتاوی علماء اہل حدیث۔ ج ۴۔ ص ۲۹۱)

استقبال قبلہ

(۸۳) (الف) نماز پڑھتے وقت ضروری ہے کہ نمازی کا رخ قبلہ کی طرف ہو، مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

قد نری تقلب وجهک فی السماء فلنولینک قبلة ترضها فول وجهک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوهکم شطره .... (الآیة، بقرة، ۱۴۴)

بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف تو یقیناً پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے، اب پھیر اپنا منہ مسجد حرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو اپنا منہ اس کی طرف پھیرو.....

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ جب نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو کامل وضو کرو پھر قبلہ رو ہو کر نماز پڑھو۔ (مسلم، واجبات الصلوٰۃ)

(ب) استقبال قبلہ نماز کی بنیادی شرط ہے جیسے باوضو ہونا، کپڑوں، بدن، جگہ کا پاک ہونا، نماز کی بنیادی شرائط ہیں، اسی اہمیت کے پیش نظر ارشاد ربانی ہے کہ "تم جہاں کہیں بھی ہو (نماز پڑھتے وقت) قبلہ رخ ہو جاؤ۔"

یہی وجہ ہے کہ اگر نمازی کا رخ لوجھر کے لئے بھی جہت قبلہ سے پھر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ بس اور ریل گاڑی وغیرہ میں نماز پڑھتے وقت استقبال قبلہ (۱) اور دیگر تمام شرائط وارکان کا خیال رکھنا ضروری ہے ورنہ نماز نہ ہوگی۔

---

(۱) بعض لوگ گاڑی میں نماز پڑھنے کے لئے تیمم کر لیتے ہیں، حالانکہ اگر نماز کے مقررہ وقت میں پانی ملنا ممکن ہو تو تیمم کرنا صحیح نہ ہوگا اور اگر حالات کا اندازہ ہو کہ راستہ میں وضو کا انتظام نہ ہو سکے گا تو دیگر ضروریات سفر کی طرح پانی بھی ساتھ رکھا جائے، نیز قبلہ رخ ہوئے بغیر جس طرف بھی رخ ہو نماز پڑھ لیتے ہیں یہ نماز صحیح نہیں۔ اسی پر طریقہ کہ یہ نماز بیٹھ کر اشاروں سے پڑھی جاتی ہے جو صحیح نہیں چونکہ قیام فرض ہے اور دیگر ارکان کی صحیح اور مکمل ادائیگی بھی ضروری ہے اور اشاروں سے نماز پڑھنا

قیام

(۸۵) صحت مند آدمی کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے معذور ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور اگر بیٹھنے کی ہمت بھی نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے۔ ایسی حالتوں میں سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ جھکے۔ اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو نماز کو مؤخر کرنے کی اجازت ہے چونکہ اس کے بعد اور کوئی مرحلہ نہیں اور آنکھوں کے اشارہ سے نماز نہیں ہوتی۔

واضح رہے کہ نوافل میں اختیار ہے چاہے کھڑے ہو کر ادا کرے یا بیٹھ کر۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ورنہ لیٹ کر تو بہر حال نماز ادا کرو۔ (بخاری: باب اذا لم یطق قاعداً...)

نیت

(۸۶) نیت دل کا ارادہ ہے نماز پڑھنے سے پہلے تعین کرے کہ نماز فرض ہے یا سنت، باجماعت ہے یا علیحدہ۔ کتنی رکعات ہیں اور پانچ نمازوں میں سے کون سی نماز ہے؟ بس دل ہی دل میں ان امور کی تعیین کافی ہے۔ لیکن اگر کسی کو وساوس آتے ہوں اور وہ نماز شروع کرتے تو ڈرتا ہو یا نماز کے خشوع وخضوع اور دھیان میں کمی آتی ہو اس خیال سے کہ کہیں نیت میں غلطی تو نہیں ہو گئی؟ اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ زبان سے بھی یہ کلمات دہرا لے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ الحدیث (بخاری: کیف کان بدء الوحی)

اس وقت ہوا ہے جب اور کوئی ممکنہ صورت نہ ہو جب کہ یہاں اولاً تو سفر کے لئے ایسے مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے جس میں نماز بآسانی ادا ہو سکیں۔ ثانیاً نماز کے لئے بس وغیرہ رکوانے کی بات چیت بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ کم از کم مقررہ اسٹاپ پر جتنی دیر گاڑی رکتی ہے اس میں فرض رکعات تو ادا کی جا سکتی ہیں۔

تکبیر

(۸۷) اللہ اکبر کہتے ہوئے نماز شروع کرے، تکبیر کے بعد سلام پھیرنے تک نماز کے علاوہ خارجی کام حرام ہوگئے، اسی لئے اسے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اور پھر ہر ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے تکبیر کہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت اللہ اکبر کہتے۔ پھر رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ پھر کھڑے ہوکر ربنا لک الحمد کہتے پھر دونوں دفعہ سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہتے اور نماز مکمل ہونے تک یونہی تکبیر کہتے اور دوسری رکعت میں تشہد کے بعد اٹھتے ہوئے بھی تکبیر کہتے۔ (بخاری: باب التکبیر اذا قام من السجود)

ہاتھوں کو اٹھانا

(۸۸) (الف) تکبیر کہتے ہوئے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا چاہئے۔ اس طور پر کہ ہتھیلیاں اور انگلیاں قبلہ رخ رہیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے بالمقابل ہوں۔

عن براء بن عازب قال كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا كبر لافتتاح الصلوة رفع يديه حتى يكون ابهاماه قريباً من شحمتي اذنيه.

(طحاوی : رفع اليدين في افتتاح الصلوة)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ جب نماز شروع کرنے کی تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔

(ب) يقول ابوهريرة رضى الله عنه كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلوة رفع يديه مداً.

(ترمذی : نشر الاصابع عند التكبير)

وفي رواية مسلم عن قتادة انه رأى نبي الله صلى الله عليه وسلم

وقال حتی یحاذی بهما فروع اذنیه.

(مسلم : استحباب رفع الیدین حذو المنکبین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو ہاتھوں کو اسی طرح اٹھاتے اور صحیح مسلم میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبی کو دیکھا وہ ہاتھوں کو کانوں کی لو تک اٹھاتے تھے۔ (۱)

دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا

(۸۹) (الف) اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ اس طور پر باندھے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رہے اور انگوٹھے اور چھنگلیا کا حلقہ بنا کر گٹے کو پکڑ لے اور باقی تین انگلیاں بائیں کلائی پر رہیں۔ (۲)

(۱) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے جیسا کہ آپ کا عمل کانوں تک اٹھانے کا بھی تھا اور کانوں کی لو تک بھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ صرف کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں اور دوسرے طبقہ کی بابت علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ وہ ہاتھوں کو کانوں سے بھی اونچا اٹھاتے ہیں۔ (نیل الاوطار۔ ج ۲۔ ص ۱۸۹)

مگر فقہاء حنفیہ کی نظر چونکہ صرف ایک حدیث پر نہیں بلکہ احادیث پر ہوتی ہے اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ "تکبیر کہتے وقت اس طرح ہاتھ اٹھاؤ کہ تمام احادیث پر عمل ہو سکے کہ ہاتھ کی انگلیاں کانوں کے برابر انگوٹھے کانوں کی لو کے اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں۔

(۲) اس سلسلے میں تین قسم کے عمل منقول ہیں۔

۱۔ دائیں کلائی کو بائیں کلائی پر رکھنا۔

عن سهل بن سعد قال كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلوة۔ (بخاری : وضع اليمنى على اليسرى)

۲۔ دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھنا۔ ۳۔ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا۔" یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ صرف پہلی حدیث پر عمل کر کے بقیہ احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن فقہاء حنفیہ کی نظر چونکہ احادیث پر وسیع ہے۔ لہٰذا ان کے ہاں مسنون و مستحسن ہے کہ ان تمام صورتوں کو جمع کیا جائے۔ چونکہ ابو داؤد کی روایت وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تینوں صورتوں کو جمع فرمایا کہ دائیں ہاتھ کا کچھ حصہ بائیں ہتھیلی پر اور کچھ کلائی پر رکھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کہ دوسری روایات میں ہاتھ کو پکڑنے کی وضاحت بھی ہے۔

عن عاصم بن کلیب قال فیه..... ثم وضع یده الیمنی علی ظهر کفه الیسری والرسغ والساعد.... الحدیث.

(ابوداؤد : رفع الیدین فی الصلوۃ)

حضرت عاصم بن کلیبؒ فرماتے ہیں کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کو اس طرح رکھا کہ وہ بائیں ہتھیلی کی پشت اور گٹے اور کلائی پر تھا۔

(ب) عن قبیصۃ عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤمنا فیاخذ شمالہ بیمینہ.

(حسن ترمذی : ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال)

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ کے والد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے وقت اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا کرتے تھے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

(۹۰)(الف) حالت قیام میں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا مسنون ہے۔[1]

قال علی رضی اللہ عنہ السنۃ وضع الکف علی الکف فی الصلاۃ تحت السرۃ. (ابوداؤد : وضع الیمنی علی الیسری)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھا جائے۔

(ب) عن انس قال ثلاث من اخلاق النبوۃ تعجیل الافطار وتاخیر

---

(۱) ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں یا سینہ پر؟ اس پر کوئی قطعی و یقینی نص موجود نہیں، البتہ دونوں طرف ایسی روایات موجود ہیں جس پر علمائے سند نے کلام کیا ہے، تاہم ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات نسبتاً زیادہ واضح اور ثابت ہیں۔ ذیل میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے دلائل اور ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

دلائل

۱ — عن وائل بن حجر قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوضع یدہ الیمنیٰ علی الیسری علی صدرہ۔ (ابن خزیمۃ)

السحور ووضع الید الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ تحت السرۃ.

(جوھر النقی۔ باب وضع الیدین علی الصدر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق نبوت میں سے ہیں۔

۱۔ وقت ہونے پر جلد افطار کر لینا۔

۲۔ سحری آخری وقت میں کھانا۔

۳۔ نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھنا۔

۲۔ عن ھلب قال رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضع یدہٗ علی صدرہٖ (مسند احمد)

۳۔ عن طاؤس قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری ثم یشد بینھما علی صدرہ وھو فی الصلوٰۃ (مراسیل ابی داؤد)

۴۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال ضع یدک الیمنی علی الشمال عند النحر۔

جائزہ

دلیل نمبرا: عن وائل بن حجر قال صلیت.. الحدیث

یہ حدیث تین طرح سے منقول ہے۔ (الف) مصنف ابن ابی شیبہ میں وائل بن حجر کی اسی روایت میں "علی صدرہ" (سینہ پر) کے بجائے "تحت السرۃ" (ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے) کے الفاظ ہیں۔

(ب) ابن خزیمہ کی نقل کردہ روایت میں "علی صدرہٖ" کے الفاظ ہیں۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اعلام الموقعین۔ ج ۲۔ ص ۹ پر فرماتے ہیں۔ "انہ لم یقل علی صدرہ غیر مؤمل بن اسماعیل" کہ اس حدیث کو نقل کرنے والوں میں مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ کسی نے بھی علی صدرہ کے الفاظ نقل نہیں کیے۔ جس کی بابت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "منکر الحدیث" کہ اس کی بیان کردہ حدیثیں منکر ہیں۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "وہ آخر عمر میں بہت غلطیاں کیا کرتا تھا" نیز یہ کہ اس روایت کی سند میں سفیان ثوری بھی ہیں جن کا اپنا مسلک یہ ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں اگر یہ روایت قابل عمل ہوتی تو حضرت سفیان ثوری ضرور اس پر عمل پیرا ہوتے۔

(ج) دلیل عقلی

عقلی دلیل اور فطری عادت کے مطابق جب احترام کے ادب و تعظیم مقصود ہو تو انسان ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

(د) امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ابو اسحاق المروزی الشافعی سب ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور مسلک، امام شافعی رحمۃ اللہ سے ایک روایت بھی یہی ہے۔

(ج) وائل بن حجر کی روایت کو بزار نے بھی نقل کیا ہے اس میں "علی صدرہ" کے بجائے "عند صدرہ" کے الفاظ ہیں۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک راوی محمد بن حجر ہے "کہ منا کیر" کہ جو بہت ہی منکر روایات کا راوی ہے"۔

الغرض یہ روایت تین طرح سے منقول ہے ایک میں تو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ دوسرے میں مؤمل بن اسماعیل اور تیسرے میں محمد بن حجر جیسے راوی ہیں۔ پھر اس سے کیونکر استدلال ممکن ہے؟

جائزہ دلیل نمبر۲: عن هلب قال رأيت........ الخ

(الف) تفرد به سماك بن حرب وليس غير واحد وقال النسائي۔ إذا تفرد باصل لم يكن حجة۔

اس کی روایت میں سماک بن حرب نے تفرد اختیار کیا ہے اور اس کو بہت سے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سماک جب تفرد اختیار کرے تو اس کی روایت دلیل نہیں بن سکتی۔

(ب) اس روایت کی سند میں حضرت سفیان ثوریؒ ہیں۔ اگر یہ روایت قابل استدلال و عمل ہوتی تو وہ خود بھی اس پر عمل کرتے، جب کہ وہ بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔

جائزہ دلیل نمبر۳: عن طاؤس قال كان..... الحديث

(الف) علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(ب) یہ روایت مرسل ہے۔ (ملخص معارف السنن۔ ج۲۔ ص ۲۲۵،۲۲۳)

جائزہ دلیل نمبر۴:

عن ابن عباس رضي الله عنه قال ضع يدك اليمنى.... الخ

ثناء

(۹۱) (الف) اللہ اکبر کہہ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے امام ہو یا مقتدی آہستہ آواز سے یہ ثناء پڑھے۔

سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا الہ غیرک.

اے اللہ تو شریکوں سے پاک ہے۔ بے عیب ہے تیری تعریف کرتا ہوں، تیرے نام میں بڑی برکت ہے، تیری شان سب سے اونچی ہے، اور تیرے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں۔

ارشاد ربانی ہے :

وسبح بحمد ربک حین تقوم. (الطور . ۴۸)

حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ ثناء پڑھا کرو۔ "سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ

(الف) اس کی سند میں علی بن ابی طالب ہے جس کی بابت موسیٰ بن ہارون فرماتے ہیں : "اشہد انہ یکذب" میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کی عادت جھوٹ بولنے کی تھی۔ "وخط ابوداؤد علی حدیثہ"۔
امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے نقل کردہ احادیث کو حذف کر دیا تھا۔ (میزان الاعتدال : ج ۳۔ ص ۱۴۳)

(ب) اس کی سند میں "عمرو" راوی ہے جس کی بابت علامہ ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "منکر الحدیث ...... جوھر النقی۔ ج ۲۔ ص ۳۰)
کہ اس کی بیان کردہ روایت منکر ہوتی ہے۔

(ج) اس کی سند میں "روح" راوی ہے جس کی بابت ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں
"یروی الموضوعات ولا تحل الروایۃ عنہ"
کہ وہ من گھڑت روایتیں نقل کرتا ہے اس سے روایت کرنا حلال نہیں۔ وقال الحاکم : لیس بالقوی۔"
امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کوئی قوی نہیں ہے۔

غیرک"۔

(ابن الجوزی : زاد المسیر، ج ۸، ص ۲۰)

عن عبدة أن عمر رضي الله عنه كان يجهر بهؤلاء الكلمات يقول "سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إله غیرک"۔

(مسلم، حجة من قال لا یجهر بالبسملة)

رواه الدار قطني وفيه يسمعنا ويعلمنا۔

قال العلوی وقد روی هذا الكلام من عمر مرفوعاً إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال الدار قطني وهو الصحيح۔ (عون المعبود، ج ۲، ص ۴۷۹)

حضرت عبدۃ سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (لوگوں کو تعلیم کے لئے) ان کلمات کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ "سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إله غیرک"۔

دار قطنی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ ہمیں سکھانے اور بتانے کے لئے سناتے تھے۔ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ثناء حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی منقول ہے۔ دار قطنی فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔

(ب) افضل ثناء

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :

فافضل انواع الاستفتاح ما كان ثناء محضاً۔

"سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إله غیرک"۔ (ابن تیمیہ : قاعدہ فی انواع الاستفتاح، ص ۲۸)

نماز کے شروع میں سب سے بہتر پڑھی جانے والی چیز وہ ہے جو محض ثناء ہی ثناء ہو اور وہ ہے سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک

ولا إله غيرك.

(ج) قال الشوكاني، قال المصنف وجهر به عمر احيانا بمحضر من الصحابة ليعلمه الناس مع أن السنة إخفاء يدل على أنه الأفضل و أنه الذي كان النبي صلى الله عليه وسلم يداوم عليه غالباً.

(نيل الاوطار ج ۲. ص ۲۱۲)

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کی موجودگی میں کبھی کبھی بلند آواز سے ثناء پڑھ لیتے تا کہ لوگوں کو اس کا پتہ چل جائے باوجودیکہ اس کو آہستہ آواز سے پڑھنا ہی مسنون ہے اور یہ عمل دلالت کرتا ہے کہ یہی ثناء پڑھنا افضل ہے اور یہی وہ ثناء ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر پڑھا کرتے تھے۔

(د) عمل صحابہ رضی اللہ عنہم

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہی منقول ہے حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت جابرؓ حضرت جبیر بن مطعمؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے۔

(ترمذی: مایقول عند افتتاح الصلوۃ)

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی یہی ثناء پڑھا کرتے تھے۔ دارقطنی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور ابن المنذر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کیا ہے۔

(شوکانی: نیل الاوطار۔ ج ۲۔ ص ۲۱۱)

تعوذ

(۹۲) ثناء پڑھنے کے بعد منفرد اور امام کو چاہئے کہ پست آواز سے یہ تعوذ پڑھے (۱) اور مقتدی ثناء پڑھ کر خاموش ہو جائے۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ میں شیطانی پھندوں سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

---

(۱) تعوذ کا معنی ہے "پناہ حاصل کرنا" منفرد وہ ہے جو بغیر جماعت کے اکیلا نماز پڑھے مقتدی وہ ہے جو امام کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرے۔

ارشادِ ربانی ہے :

فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ (النحل۔ ۹۸)

جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود کے حملوں سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ حاصل کر لیا کرو۔

عن الحسن أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یتعوذ "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔" (التلخیص الحبیر۔ ص ۲۳۰)

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ حاصل کرنے کے لئے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتے تھے۔

تسمیہ

(۹۳) (الف) تعوذ کے بعد امام آہستہ آواز سے تسمیہ پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل تسمیہ بلند آواز سے پڑھنے کا نہیں تھا۔

(ب) عن أنس رضی اللہ عنہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وأبی بکر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (مسلم : حجۃ من لا یجھر بالبسملۃ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھیں، لیکن کسی ایک کو بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(ج) عن أنس رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابا بکر وعمر کانوا یفتتحون الصلوۃ بالحمد للہ رب العالمین۔

(بخاری : ما یقرأ بعد التکبیر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ

عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کی قرأت الحمد للہ رب العالمین سے شروع کیا کرتے تھے۔

عن البراء رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخفی بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ (جامع المسانید۔ ج ۱۔ ص ۳۴۷)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمن الرحیم آہستہ سے پڑھا کرتے تھے۔

خلفاء راشدین، دیگر صحابہ اور تابعین کا عمل

(د) قال الترمذی، والعمل علیہ عند اکثر اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم منہم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وغیرہم ومن بعدہم من التابعین وبہ یقول الثوری وابن المبارک، واحمد واسحاق، لا یرون أن یجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم قالوا ویقولہا فی نفسہ۔ (ترمذی : ما جاء فی ترک الجہر بسم اللہ الرحمن الرحیم)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمہور صحابہ کا عمل بھی یہی تھا۔ جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ بھی ہیں اور ان کے بعد تابعین کا بھی یہی مسلک تھا۔ سفیان ثوریؒ، ابن المبارکؒ، امام احمدؒ، اسحاقؒ، یہ سب کے سب تسمیہ اونچی پڑھنے کے قائل نہ تھے، بلکہ کہتے تھے کہ تسمیہ آہستہ پڑھی جائے۔

(۹۳) الغرض معلوم ہوا کہ نماز میں بلند آواز سے تسمیہ نہیں پڑھنی چاہئے چونکہ احادیث نبویہ کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت خلفاء راشدین کی سنت حضرات صحابہ تابعین اور بقیہ اسلاف امت کا عمل یہی ہے۔ (۱)

---

(۱) بعض لوگ بلند آواز سے تسمیہ پڑھنے کے لئے نعیم مجمر کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

عن نعیم المجمر قال صلیت وراء أبی ہریرۃ فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم قرأ بام القرآن۔

جس کی بابت علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے آٹھ سو شاگردوں میں سے جن میں صحابہ و تابعین بھی ہیں کسی نے

سورۃ فاتحہ

(۴۵) تسمیہ کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھے

اگر نمازی امام ہے تو فجر، مغرب، عشاء، کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ بلند آواز سے پڑھے اور ظہر و عصر کی نماز میں آہستہ۔

اگر نمازی امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہے تو خاموش رہے۔

اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو وہ بھی تسمیہ کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ. (الفاتحۃ)

بھی آواز بلند تسمیہ پڑھنے کو نقل نہیں کیا سوائے نعیم مجمر کے لہٰذا یہ حدیث معلول ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ نسبت نعیم مجمر کا وہم ہے۔

۳۔ امام بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا۔

۴۔ نعیم مجمر کی روایت میں تسمیہ کی زیادتی کو زیادتی ثقہ کہہ کر قبول نہیں کیا جا سکتا چونکہ اس مسئلہ میں صحیح مسلک یہ ہے کہ زیادتی تب قبول ہوتی ہے کہ اس کا راوی معتمد ہو اور جس نے یہ اضافہ نقل نہیں کیا، وہ اسی جیسا یا اس سے کم ہو، حالانکہ نعیم مجمر کی اس زیادتی کی بابت غالب گمان ہے کہ یہ ضعیف ہے۔

۵۔ بالفرض اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو بھی اس سے جہر تسمیہ پر استدلال نہیں ہو سکتا چونکہ اس میں مطلقاً تسمیہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔

(نصب الرایہ۔ ص ۳۳۶)

۶۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام کی جہری نمازوں میں بلند آواز سے تلاوت کرتے تھے۔ اگر وہ تسمیہ بھی جہراً پڑھتے ہوتے تو یقیناً سب کو معلوم ہوتا، اور پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ کیوں فرماتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین میں سے کسی نے بھی تسمیہ اونچی آواز سے نہیں پڑھی؟ پھر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ اس کو بدعت شمار کیوں کرتے؟ اور پھر آج تک محراب نبوی میں اہل مدینہ کا مسلسل عمل ترک جہر پر کیوں ہے؟

ہر طرح کی تعریف کے لائق صرف اللہ ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔ نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ اے اللہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنا فضل کیا جو تیرے غضب سے محفوظ رہے اور جو بھٹکے ہوئے نہیں۔

الغرض اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ نعیم مجمر کی روایت سے جہر تسمیہ پر استدلال صحیح نہیں۔
اور اس کے علاوہ کوئی اور صحیح روایت بھی نہیں ملتی جس سے جہر تسمیہ سنت ثابت ہو۔
اس لئے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "فصحیح تلك الاحادیث غیر صریح و صریحها غیر صحیح۔" (زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۲۰۷)
اس سلسلے میں جو احادیث صحیح اسناد ہیں ان میں جہر تسمیہ کی تصریح نہیں ہے اور جن روایات میں جہر تسمیہ کی تصریح ہے وہ صحیح نہیں ہیں۔
نیز امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔
وقد اتفق أهل المعرفة أنه ليس في الجهر حديث صحيح ولم يرو أهل السنن من ذلك شيئاً وإنما يوجد الجهر بها في أحاديث موضوعة وإنما كثر الكذب في أحاديث الجهر لأن الشيعة ترى الجهر وهم من أكذب الناس فوضعوا أحاديث لبسوا بها على الناس أمر دينهم ولهذا يوجد في كلام ائمة أهل السنة مثل سفيان الثوريؒ من السنة المسح على الخفين وترك الجهر بالبسملة، كما يذكرون تقديم أبي بكر وعمر رضي الله عنهما لأنهم كان عندهم شعار الرافضة۔
(مختصر فتاوی ابن تیمیہ ص ۸۳۔ ص ۳۶)
اہل علم کا اتفاق ہے کہ تسمیہ اونچی پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں جسے اہل سنن نے نقل کیا ہو، البتہ اونچی بسم اللہ پڑھنے کا تذکرہ من گھڑت روایات میں ضرور ملتا ہے۔ ابن تیمیہؒ اس کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں نماز کے دوران اونچی تسمیہ کے مسئلہ میں جھوٹی روایات اس لئے بہت ہیں کہ شیعہ کا نظریہ بھی یہی ہے اور وہ سب سے جھوٹے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے جھوٹی روایتیں گھڑ کر اس دینی مسئلہ کو مشتبہ بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ سفیان ثوریؒ اور دیگر ائمہ اہل سنت نے فرمایا کہ موزوں پر مسح کرنا اور تسمیہ آہستہ پڑھنا اہل سنت ہونے کی پہچان ہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو مقدم ماننا اہل سنت کی علامت ہے چونکہ ان کے برعکس دوسری چیزیں شیعہ کی نمایاں علامات ہیں۔

(۹۶) منفرد سورۃ فاتحہ پڑھے
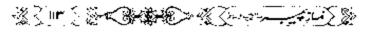
منفرد وہ شخص ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔ ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھے۔

عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه يبلغ به النبي صلى الله عليه وسلم لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب."

(صحيح مسلم : وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة)

حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی تشریح کے لئے ہم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرات تابعین و محدثین کی طرف رجوع کرتے ہیں، چونکہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلوب مفہوم و مراد کو بخوبی سمجھتے تھے۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اکیلا نماز پڑھے اس کے لئے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، لیکن اگر امام کے پیچھے ہو تو ضروری نہیں ہے۔

نواب صاحب کا ارشاد

نیز خود نواب صدیق حسن خان طریقہ نماز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بسم اللہ آہستہ پڑھے ملاحظہ ہو۔

"یعنی بسملہ گوید آہستہ واحتیاط در ہمیں است زیرا کہ روایت مختلف آمدہ است در بودن وخواندن بسملہ آیتی از فاتحہ وبگی شدہ است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افتتاح کردن نماز با لحمد وعدم جہر بسم اللہ۔" (نواب صدیق حسن خان : مسک الختام ج ۱، ص ۳۲۹)

کہ نماز میں تعوذ کے بعد تسمیہ آہستہ پڑھے کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے چونکہ تسمیہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں اس میں مختلف قسم کی روایات ملتی ہیں لیکن یہ بات تو پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت کا آغاز الحمد سے کیا، نیز یہ کہ تسمیہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔"

اب رکعت کے شروع میں تسمیہ بلند آواز سے پڑھنے والے حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنی مسلکی اور گروہی وابستگی کو بالائے طاق رکھ کر اپنی نمازوں کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق کیا کریں۔

اسی لئے امام بخاریؒ کے استاد اور ایک عظیم محدث امام احمدؒ نے بھی حضرت عبادہؓ والی اس حدیث کو منفرد پر ہی محمول کیا ہے جسے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب إذا کان وحدہ، واحتج بحدیث جابر حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بأم القرآن فلم یصل إلا أن یکون وراء الإمام قال احمد فھذا رجل من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تأول قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب أن ھذا إذا کان وحدہ.

(ترمذی : ترک القراءۃ خلف الإمام)

لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر اس کی نماز نہیں ہوگی، اس کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جس نے ایک رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اِلا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام بخاریؒ کے استاد امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا مفہوم وہ ہے جو ایک جلیل القدر صحابیؓ نے سمجھا ہے کہ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب والی حدیث منفرد کے بارے میں ہے۔

۲۔ حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت سفیانؒ سے بھی منقول ہے کہ حضرت عبادہؓ کی یہ حدیث منفرد کے بارہ میں ہے ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے۔

عن عبادۃ بن الصامتؓ یبلغ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً، قال سفیان لمن یصلی وحدہ.

(ابو داؤد : من ترک القراءۃ)

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبادہؓ کی حدیث لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً اس شخص کی بابت ہے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو۔

الغرض واضح ہوگیا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلف صالحینؒ اور محدثینؒ کے نزدیک یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے قطعاً یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ امام کے ساتھ مقتدی کو بھی سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے۔

(۹۷) مقتدی سورۃ فاتحہ نہ پڑھے

تعلیمات قرآنیہ اور ارشادات نبویہ کے مطالعہ سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ باجماعت نماز میں مقتدی کو سورۃ فاتحہ اور زائد سورۃ نہیں پڑھنی چاہیے۔

(۹۸) دلیل نمبرا : ارشاد ربانی ہے : واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (اعراف ۲۰۴) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

(الف) ذیل میں اس آیت کی تفسیر حضرات صحابہ کرامؓ حضرات تابعینؒ اور حضرات مفسرینؒ ومحدثینؒ کے حوالہ سے نقل کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابوہریرہؓ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

(تفسیر ابن کثیر۔ ج ۲۔ ص ۲۸۱)

امام بخاریؒ کے استاد امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس بات پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے۔ اجمع الناس على أن هذه الآية في الصلوة.

(المغنى. ج ۱. ص ۴۹۰)

اس بات پر بھی متفق ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

امام زید بن اسلمؒ اور ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں : "كانوا يقرأون خلف الامام فنزلت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون."

(المغنى. ج ۱. ص ۴۹۰)

کہ بعض لوگ امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے تو یہ حکم نازل ہوگیا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو۔

عن بشير بن جابرؓ قال صلى ابن مسعود رضى الله عنه فسمع ناساً يقرؤن مع الإمام فلما انصرف قال أما ان لكم ان تفهموا أما ان لكن ان تعقلوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا كما أمر.

(تفسير ابن كثير. ج ۲. ص ۲۸۰)

حضرت بشیر بن جابر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو انہوں نے محسوس کیا کہ بعض لوگ امام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ نماز کے بعد آپ نے ایسے لوگوں کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو اس کے باوجود تم اس بات کو نہیں سمجھتے، کیا اب بھی تمہارے سمجھنے کا وقت نہیں آیا۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی لہٰذا جب امام قرآن پڑھ رہا ہو تو مقتدی خاموش رہیں۔

(ب) یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اس آیت میں دو قسم کے حکم ہیں (۱) غور سے سنو (۲) خاموش رہو، ان دونوں پر عمل صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب مقتدی امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ چاہے امام اونچی قرأت کر رہا ہو یا آہستہ، البتہ اتنا ضرور ہے کہ جو مقتدی جہری نمازوں میں امام کے ساتھ پڑھے گا۔ اس نے مندرجہ بالا دونوں حکموں کی خلاف ورزی کی کہ نہ تو امام کی قرأت کو غور سے سنا اور نہ ہی خاموش رہا اور جو مقتدی سری نمازوں میں امام کے ساتھ پڑھے گا اس نے دوسرے حکم کی مخالفت کی کہ خاموش نہیں رہا۔ اسی لئے مشہور مفسر امام ابوبکر جصاص اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

دلت الآية على النهي عن القراءة خلف الإمام فيما يجهر به، فهي دالة على النهي فيما يخفي، لأنه أوجب الاستماع والإنصات عند قراءة القرآن ولم يشترط فيه حال الجهر من الإخفاء فإذا جهر فعلينا الاستماع والإنصات، وإذا خفي فعلينا الإنصات بحكم اللفظ لعلمنا بأنه قارئ للقرآن. (احكام القرآن. ج۳. ص ۳۹)

اس آیت کی رو سے جس طرح جہری نمازوں میں مقتدی کو امام کے ساتھ پڑھنے سے روکا گیا ہے۔ اسی طرح سری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ پڑھنے سے روکا گیا ہے۔ چونکہ تلاوت قرآن کے وقت اس کو سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے۔ اس میں جہری نماز کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ الغرض جب امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو ہم پر اس کا سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے اور جب وہ آہستہ پڑھ رہا ہو تو خاموش رہنا بہرحال ضروری ہے چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ امام قرآن پڑھ رہا ہے۔

(ج) اس آیت سے یہ نتائج معلوم ہوئے۔

☆ یہ آیت قرآنیہ نماز میں فاتحہ خلف الامام کی بابت نازل ہوئی ہے۔

☆ جب امام بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو تو اس کو غور سے سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔

☆ جب امام آہستہ آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو تو مقتدی کو خاموش رہنا چاہئے۔

☆ اس آیت میں خاموشی کا حکم ہے اور اس پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے جب مقتدی خود نہ پڑھے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اس شخص کی طرف متوجہ ہوتی ہے جو نماز میں قرآن کو غور سے سنے اور خاموش رہے۔

☆ جو مقتدی امام کے ساتھ قرأت کرتا ہے اس نے اس حکم پر عمل نہیں کیا۔

لہٰذا آج کل جو لوگ اپنی مسلکی مجبوریوں کی وجہ سے اس آیت پر عمل کرنے کے بجائے اس کی دور دراز خانہ ساز تاویلیں کرتے ہیں انہیں بھی چاہئے کہ وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کیا کریں۔

(۹۹) دلیل نمبر ۲ : ارشاد ربانی ہے :

لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ إن علینا جمعہ وقرآنہ، فإذا قرأناہ فاتبع قرآنہ ثم إن علینا بیانہ. (القیامۃ. ۱۶ تا ۱۹)

(اللہ کے نبی) آپ اس (قرآن) کو جلدی جلدی لینے کے لئے اس پر زبان نہ ہلایا کیجئے یہ تو ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوانا جب ہم اسے پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔ پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

امام بخاریؒ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں :

عن ابن عباسؓ فی قولہ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ، قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یعالج من التنزیل شدۃ، وکان مما یحرک شفتیہ... فأنزل اللہ تعالیٰ لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ إن علینا جمعہ وقرآنہ قال جمعہ لک فی صدرک وتقرء ہ فإذا قرأناہ قال

فاستمع له، ثم إن علينا بيانه ثم إن علينا أن تقرئه فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ذالك إذ أتاه جبريل استمع فإذا انطلق جبريل قرأه النبي صلى الله عليه وسلم كما قرأه. (بخاری : کتاب الوحی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نزول قرآن کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت مشقت ہوتی اور (حضرت جبریل علیہ السلام کی ساتھ ساتھ پڑھنے کے لئے) آپ ہونٹ ہلاتے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ آپ اس کو جلدی جلدی لینے کے لئے اس پر زبان نہ ہلایا کیجئے، یہ تو ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کر دینا اور پڑھوانا، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس سے مراد ہے کہ قرآن کو سینہ میں جمع کر دینا اور پڑھوانا، جب ہم اسے پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن کو غور سے سنیں اور چپ رہیں پھر اس کا بیان کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے، یعنی اس کا پڑھوانا، اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام آتے تو آپ غور سے قرآن سنتے جب وہ واپس چلے جاتے تو پھر آپ پڑھتے جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑھا تھا۔ (بخاری شریف)

☆ فإذا قرأناه فاتبع قرآنه. جب ہم پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔ اس آیت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جب ہم قرآن پڑھیں تو آپ اس کی اتباع کریں اور اس وقت خود نہ پڑھیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی وضاحت کر دی کہ اتباع سے مراد یہ ہے کہ غور سے سنیں۔ اسی لئے اس آیت کے نزول کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو غور سے سنتے اور تکمیل جبریل کے بعد خود پڑھتے۔

☆ جب نماز سے باہر تلاوت قرآن کے موقع پر حکم الٰہی اور عمل نبوی بغور سننے اور خاموش رہنے کا ہے تو نماز کے دوران اس کا اہتمام اور بھی زیادہ ہونا چاہئے۔ واضح رہے کہ یہ خاصیت و آداب صرف قرآن کے لئے ہے۔ لہٰذا سورۃ فاتحہ اور دیگر سورۃ کے علاوہ بقیہ تسبیحات و تکبیرات مقتدی کو بھی پڑھنی ہوں گی۔

(۱۰۰) دلیل نمبر ۳ ۔ مقتدی خاموش رہے

صحیح مسلم شریف کی درج ذیل حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی کی ذمہ داریوں کا تعین فرمادیا ہے۔ بعض میں تو امام اور مقتدی شریک ہیں جب کہ بعض میں شریک نہیں۔ لہذا حکم نبویؐ کے مطابق امام اور مقتدی کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کرنی چاہیئے۔ اس سلسلے میں مسلم شریف کی روایت بطریق حضرت قتادہؓ ملاحظہ ہو۔

عن ابی موسی قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبنا فبین لنا سنتنا وعلمنا صلوتنا فقال اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قرأ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین یجبکم اللہ فاذا کبر ورکع فکبروا وارکعوا فان الامام یرکع قبلکم ویرفع قبلکم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتلک بتلک واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا لک الحمد یسمع اللہ لکم فان اللہ تبارک وتعالی قال علی لسان نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع اللہ لمن حمدہ واذا کبر فسجد فکبروا واسجدوا۔

(صحیح مسلم : التشھد فی الصلاۃ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور راہ سنت دکھائی ہمیں نماز پڑھنے کا طریقہ بتاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو سیدھا کر لیا کرو۔ پھر تم میں سے کوئی ایک امامت کرائے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ اور جب وہ غیر المغضوب علیھم ولا الضالین پڑھ لے تو تم آمین کہو، اللہ تمہاری دعا قبول کرے گا اور جب وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو۔ واضح رہے کہ امام تم سے پہلے رکوع میں جاتا ہے اور تم سے پہلے اٹھتا ہے۔ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کو قبول کرے گا چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے یہ بتایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی تعریف کرکے دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور جب امام تکبیر

کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو۔ (مسلم شریف)

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد امام مسلم امام اسحاق نے صحیح قرار دیا ہے لہٰذا اس پر کسی طرح کا کلام اثر انداز نہیں ہوتا۔ (رسائل دینیہ سلفیہ۔ ص ۵۲)

☆ صحیح مسلم شریف کی یہ حدیث فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے، چونکہ اس میں نماز باجماعت کی تصریح ہے۔

باجماعت نماز کے دوران امام اور مقتدی کے کاموں کا تعین کر دیا گیا اور جہاں دونوں میں کچھ فرق ہے اس کی بھی وضاحت کر دی۔ مثلاً امام تکبیر تحریمہ کہے تو تم بھی تکبیر

چند بنیادی حقائق

فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ سمجھنے کے لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں مختلف آراء ہیں۔ ذیل میں مختصراً ان آراء کو بیان کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی ان کے قوی یا ضعیف ہونے کی بابت بھی ضروری وضاحت کی جاتی ہے۔

۱۔ پہلی رائے : سری و جہری تمام نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ نہ پڑھے۔

۲۔ دوسری رائے : سری نمازوں میں سورۃ فاتحہ پڑھے جہری نمازوں میں نہ پڑھے۔

۳۔ تیسری رائے : سورۃ فاتحہ پڑھنے کے دوران اور آخر میں امام جو وقفہ کرے مقتدی اس میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔

۴۔ تمام نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

تجزیہ : پہلا مسلک راجح ہے چونکہ قرآن کریم، احادیث شریفہ اور آثار صحابہؓ سے بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا دلائل سے واضح ہو گیا۔

دوسری رائے : درج ذیل وجوہ کی بناء پر دوسری رائے مرجوح ہے۔

۱۔ قرآنی تعلیمات کی رو سے جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کو سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے اس میں جہری اور سری نمازوں کی تفریق نہیں کی گئی لہٰذا ہمیں بھی یہ تفریق نہیں کرنی چاہئے۔

۲۔ مسلم شریف میں حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث بڑی واضح ہے کہ کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے نہیں پڑھنا چاہئے۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ چاروں رکعات میں مقتدی نہ پڑھے اور ظاہر ہے چار رکعات والی نمازوں میں سے ظہر و عصر میں مکمل اور عشاء کی دو رکعات میں آہستہ قرأت کی جاتی ہے۔ الغرض جہری و سری دونوں طرح کی نمازوں میں مقتدی امام کے ساتھ نہ پڑھے اور ان میں تفریق کرنا صحیح نہیں کہ جہری نمازوں میں تو مقتدی نہ پڑھے اور سری نمازوں میں پڑھ لے۔

تیسری رائے: دلائل کے نقطہ نظر سے یہ تیسرا قول بھی کمزور ہے۔ علامہ صنعانی نے غیر مقلد ہونے کے باوجود بلوغ المرام کی شرح سبل السلام میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

ملاحظہ ہو:

ثم اختلف القائلون بوجوب قراءتها خلف الامام فقيل في محل سكتاته بين الآيات وقيل في سكوته بعد تمام قراءة الفاتحة ولا دليل على هذين القولين.

(سبل السلام۔ ج ۱۔ ص ۲۸۷)

فاتحہ خلف الامام کے قائلین کا بھی اختلاف ہے بعض کا کہنا ہے کہ (امام کی قرأت کے دوران) ہر آیت کے بعد والے وقفہ میں سورۃ فاتحہ پڑھا جائے۔ جب کہ بعض یہ کہتے ہیں کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھ چکے تو مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے۔ لیکن یہ دونوں قول بلا دلیل ہیں۔

چوتھی رائے کا تجزیہ: پاک و ہند کے غیر مقلدین عوام کو اپنا یہ مسلک بتاتے ہیں کہ باجماعت نماز میں سری و جہری تمام نمازوں میں مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ یہ چوتھا قول دلائل کے اعتبار سے تو بہت زیادہ ہی کمزور ہے۔ ذیل میں اس قول کا مرحلہ وار جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا مرحلہ: قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کی کوئی واضح وصریح دلیل قرآن کریم میں موجود نہیں ہے کہ مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے۔ جب کہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب امام قرآن پڑھے تو مقتدی غور سے سنے اور خاموش رہے۔

دوسرا مرحلہ حدیث شریف: قرآن کریم کے بعد دوسری دلیل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہیں اور حدیث کا علم رکھنے والوں پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کوئی ایک صحیح حدیث بھی ایسی نہیں۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو کہ امام کے پیچھے ہر نماز میں مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اس سلسلہ میں حضرات غیر مقلدین جو دلیل بھی پیش کرتے ہیں وہ یا تو مرفوع نہیں ہے۔ یا وہ ضعیف ہے یا ان میں نماز باجماعت کی صراحت نہیں ہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ امام بخاریؒ نے فاتحہ خلف الامام سے متعلق بعض روایات کو ایک رسالہ میں جمع کیا ہے جس میں بہت سی روایات ضعیف ہیں۔ نیز بہت سی روایات میں ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے۔ اب حضرات غیر مقلدین اکثر و بیشتر ان ضعیف روایات کو ذکر کرتے ہیں جن میں فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے، لیکن ان روایات کے ضعیف وکمزور ہونے کو چھپاتے ہیں بلکہ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ اس رسالہ کی روایات بھی صحیح بخاری شریف کے معیار کی ہیں۔ نیز یہ حضرات اسی رسالہ کی ان روایات کو بھی عوام سے چھپاتے ہیں جن میں جہری نماز کے دوران مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ الغرض ذیل میں ان حضرات کے اہم دلائل کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ سادہ لوح عوام متنبہ ہوں۔

۱۔ حضرت عبادہؓ کی روایت: حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

اقتداء میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرأت گراں گزری تو آپ ؐ نے نماز کے بعد پوچھا شاید کہ تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو۔ ہم نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا صرف سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو چونکہ اس کو پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

تجزیہ : شروع میں یہ عرض کردینا مناسب ہے حضرات غیر مقلدین کی مضبوط ترین دلیل یہ روایت ہے جس کا تجزیہ آئندہ سطور میں پیش ہوگا اور اس سے اندازہ ہوسکے گا کہ جب ان کی مضبوط ترین دلیل کا یہ حال ہے تو بقیہ دلائل کا کیا حال ہوگا؟

ضعف کی پہلی وجہ : واضح رہے کہ یہ روایت مختلف طرق سے منقول ہے اور تنہا اس کا مضبوط سلسلہ سند وہ ہے جس میں محمد بن اسحاق ہے۔ لہٰذا ذیل میں اسی سلسلہ کا ضعف بیان کردیا جاتا ہے تاکہ بقیہ طرق کا بخوبی اندازہ ہوسکے۔

حضرت عبادہؓ والی روایت کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہے جس کی بابت قال الدار قطنی لا یحتج بہ، قال سلیمان التیمی کذاب، قال مالک دجال من الدجاجلۃ قال یحیٰ القطان أشھد أن محمد بن اسحاق کذاب۔

(میزان الاعتدال۔ ج ۳۔ ص ۴۶۹ تا ۴۷۱)

دار قطنی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی بات قابل استدلال نہیں ہے سلیمان تیمی فرماتے ہیں کہ وہ بہت جھوٹا تھا۔ مالکؒ فرماتے ہیں کہ دجالوں میں سے ہے۔ یحییٰ قطانؒ فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق جھوٹا ہے۔

دوسری وجہ : امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امامت کا یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کے مابین پیش نہیں آیا، بلکہ حضرت عبادہؓ اور بعض تابعین کے مابین پیش آیا ہے (لہٰذا سورۃ فاتحہ پڑھنے سے متعلق اس حکم کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے) لیکن چونکہ اس واقعہ کے الفاظ دوسری مرفوع حدیث سے ملتے جلتے تھے تو بعض شامی راویوں کو مغالطہ ہوا اور انہوں نے اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عبادہؓ کی اس روایت کو اس طرح نقل نہیں کیا بلکہ اس میں امامت کا پتہ تک ہی نہیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ۔ ج ۲۳۔ ص ۲۸۷)

تیسری وجہ : مشہور محدث علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے قرأت فاتحہ خلف الامام کی بابت حضرت عبادہؓ والی اس روایت پر تفصیلی بحث کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سند میں آٹھ قسم کا اضطراب ہے اور اس کے متن میں تیرہ قسم کا اضطراب ہے۔ (معارف السنن۔ ج ۳۔ ص ۲۰۲)

چوتھی وجہ : امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں ۔ وھذا الحدیث معلل عند أئمۃ الحدیث بأمور کثیرۃ ضعفہ احمد وغیرہ من الأئمۃ (فتاویٰ ابن تیمیہ۔ ج ۲۳۔ ص ۲۸۶)

اس حدیث کو ائمہ حدیث نے مختلف وجوہ کی بناء پر ضعیف و کمزور قرار دیا ہے حتیٰ کہ امام بخاری کے
استاد امام احمدؒ اور دوسرے عالموں نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

قال النیموی حدیث عبادة بن الصامت في التماس القراءة له روی بوجوه کلها ضعیفة. (آثار السنن. ج ١. ص ٩٧)

مشہور محدث علامہ نیموی فرماتے ہیں کہ حضرت عبادہؓ کی جس روایت میں التماس قرأت کا ذکر ہے اس کے سب طرق ضعیف و کمزور ہیں۔ آثار السنن کے حاشیہ میں اس کی مکمل تفصیل موجود ہے۔

پانچویں وجہ: مشہور غیر مقلد عالم شیخ البانی صاحب کی تحقیقات کو حضرات غیر مقلدین حرف آخر سمجھتے ہیں ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبادہؓ والی یہ حدیث منسوخ ہے۔ ملاحظہ ہو: نسخ القراءة خلف الامام (جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام منسوخ ہے) اس عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں

وکان قد اجاز للمؤتمین أن یقرؤوا بها وراء الامام فی الصلوة الجهریة ثم نهاهم عن القراءة کلها فی الجهریة..... وجعل الانصات لقراءة الامام من تمام الائتمام فقال انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا واذا قرء فانصتوا... شروع میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی اجازت تھی (پھر آگے حضرت عبادہؓ کی یہی حدیث بیان کر کے لکھتے ہیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہری نمازوں میں مقتدی کو ہر قسم کی قرأت سے روک دیا اور امام کی قرأت کے وقت مقتدی کی خاموشی کو اقتدا کے لوازمات میں سے قرار دیا ارشاد نبوی ہے امام کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے وہ یوں کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ (صفۃ صلاۃ النبیؐ ص ۹۳)

الغرض یہ حدیث منسوخ ہے نیز یہ اس قدر ضعیف ہے کہ اس کی بنیاد پر واضح قرآنی آیات و صحیح احادیث کو نہیں چھوڑا جا سکتا اور اس سے فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

۲- حضرات غیر مقلدین کی دوسری دلیل: "لا صلاة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب"
"جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب حضرات غیر مقلدین کو قرآن کریم سے اور صریح و مرفوع احادیث سے کوئی دلیل نہیں ملتی تو اس حدیث کو فاتحہ خلف الامام کی بنیاد بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

تجزیہ: یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دینی مسائل میں صرف ایک آدھ حدیث کو دیکھ کر بقیہ کو نظر انداز کر کے کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس مسئلہ سے متعلق جتنی آیات و احادیث منقول ہوں، ان سب کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ فقہاء محدثین کا یہی امتیازی نشان ہوتا ہے۔ مگر محدود اور کچی معلومات رکھنے والے لوگ ایک آدھ حدیث کو دیکھ کر اس کی صحیح مراد سمجھے بغیر اپنے فہم و ذوق کے مطابق اس پر عمل شروع کر دیتے ہیں اور بزعم خویش اس خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ہم بھی حدیث پر عمل کر رہے ہیں اور بس اسی نسبت سے اپنے آپ کو اہل حدیث کہنے لگتے ہیں۔ واضح

رہے کہ اصل اہل حدیث وہی لوگ ہیں جن کا عملی اتفاق اس بات پر ہے کہ ہر مسئلہ سے متعلق آیات
واحادیث وعمل صحابہؓ پر ان کی نظر رہے اور اسی کے مطابق ان کا عمل ہے۔
اب فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں اگر صرف یہی ایک حدیث ہوتی تو شاید غیر مقلد حضرات کا
مطلوبہ استدلال صحیح ہوتا۔ لیکن اس سلسلہ کی بقیہ روایات کو پیش نظر رکھنے سے اس حدیث کا جو مفہوم
متعین ہوگا وہی صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱- ترمذی شریف میں ہے کہ امام بخاریؒ کے استاذ امام احمدؒ نے اس حدیث کو منفرد پر محمول کیا ہے
چونکہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کا یہی مفہوم بتایا ہے قال
احمد فهذا رجل من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم تاول قول
النبي صلى الله عليه وسلم لا صلاة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب أن هذا
إذا كان وحده. (ترمذی : ترك القراءة)
امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا یہ مفہوم وہ ہے جو ایک جلیل
القدر صحابی نے سمجھا ہے کہ لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب والی حدیث منفرد کے
بارے میں ہے۔

۲- ابوداؤد شریف میں حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے۔
لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعداً، قال سفيان لمن يصلي وحده.
(ابو داؤد شریف)
حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعداً والی
حدیث اکیلے نماز پڑھنے والے کے بارے میں ہے۔

۳- الغرض اس حدیث شریف کا جو مفہوم ایک صحابی رسولؐ نے سمجھا، جس کو امام بخاریؒ کے استاد نے
ترجیح دی ہے اور جسے ابوداؤد وترمذی نے نقل کیا ہے لہٰذا ہمیں تو وہی مفہوم زیادہ پسند ہے۔

۴- دوسری روایات کو سامنے رکھنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے
کافی ہے اسی لئے ایسے وقت میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بجائے خاموش رہنے کا حکم دیا گیا
ہے ملاحظہ ہو۔
دلیل نمبر ۱، دلیل نمبر ۲، دلیل ۳، دلیل نمبر ۴، دلیل نمبر ۵، الغرض مقتدی تو اس حدیث کی زد میں آتا ہی
نہیں ہے۔ چونکہ اس حدیث میں اس شخص کی نماز کی نفی کی گئی ہے جس کو سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہئے تھی
مگر اس نے نہیں پڑھی اور وہ منفرد ہے۔ جہاں تک مقتدی کا مسئلہ ہے تو اس کی طرف سے سورۂ
فاتحہ پڑھی جاچکی ہے۔
علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کو بھی
شامل ہے وقد ثبت بالكتاب والسنة وبالاجماع أن انصات المأموم لقراءة

امامه يتضمن معنى القراءة معه وزيادة

(فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۳۔ ص ۲۹۰)

تحقیق یہ بات قرآن کریم حدیث شریف اور اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے کہ امام کی قرأت کی وجہ سے مقتدی کا خاموش رہنا اسی کے پڑھنے کے حکم میں ہے بلکہ اس کو قراءۃ کے ثواب کے ساتھ خاموش رہنے سے متعلق حکم کی تعمیل کا ثواب بھی ملتا ہے۔

نیز یہ کہ قرآن کریم و سنت نبویہ کی رو سے مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم مل چکا ہے۔ اب جو مقتدی ان تعلیمات کے مطابق خاموش رہے اور سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو اس پر یہ فتویٰ کیونکر لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی نماز ہی نہیں ہوئی؟

۵۔ مسلم شریف میں اسی حدیث کی بعض سندوں میں فصاعدا کا لفظ بھی منقول ہے۔ یعنی جو شخص سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی سورۃ یا چند آیات زائد نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود حضرات غیر مقلدین بھی کہتے ہیں کہ مقتدی پر زائد سورۃ نہ پڑھے۔ آخر ایک ہی حدیث میں یہ تفریق کیونکر ہے؟ کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ کو لازمی قرار دیتے ہیں اور زائد سورۃ پڑھنے سے روکتے ہیں؟ جب کہ حدیث میں دونوں کا ذکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات غیر مقلدین سادہ لوح عوام کے سامنے حدیث شریف کا ایک حصہ بیان کرتے رہتے ہیں۔ "لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب" لیکن اس کے دوسرے حصے کو چھپائے رکھتے ہیں چونکہ یہ ان کے مسلک کے خلاف ہے۔

۶۔ قرآن کریم احادیث نبویہ شریفہ اور اقوال صحابہ پر گہری نظر رکھو کہ اس حدیث کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے اس سے تمام نصوص میں مطابقت ہو جاتی ہے کیونکہ یہ حکم رہتی ہے کہ لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب والی حدیث منفرد کے بارے میں ہے اور دیگر آیات و احادیث میں مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اگر اس حدیث کا وہ مفہوم لیا جائے جو حضرات غیر مقلدین بیان کرتے ہیں تو پھر اس کا تقاضا ہوگا کہ امام کے پیچھے مقتدی بھی پڑھیں جب کہ قرآنی آیت اور دیگر احادیث میں خاموش رہنے کا حکم ہے گویا کہ اس مفہوم سے نصوص میں تعارض و ٹکراؤ پیدا ہو جائے گا۔ نتیجہ دو سروں کی تاویلیں کرنی پڑیں گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے جس میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو کہا گیا ہے۔

تجزیہ : امام بیہقی نے خود ہی اس روایت کی بابت تصریح فرما دی ہے ملاحظہ ہو۔

وقد قيل عن أبي قلابة عن أنس بن مالك وليس بمحفوظ.

(سنن بیہقی۔ ج ۲۔ ص ۱۶۶)

یہ روایت ابو قلابہ نے حضرت انسؓ سے بیان کی ہے وہ محفوظ نہیں ہے۔

الغرض ان دلائل کے تجزیہ سے یہ بات واضح ہوگی کہ حضرات غیر مقلدین کے پاس ان کے موقف کی کوئی دلیل حدیث شریف میں نہیں اور جن سے وہ استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا تو وہ ضعیف ہیں یا ان سے مطلوبہ استدلال صحیح نہیں ہے۔

تیسرا مرحلہ : قرآن کریم اور حدیث نبویہ شریفہ کی رو سے مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے دلائل کا تجزیہ کر دیا گیا۔ ذیل میں حضرات غیر مقلدین کے ان دلائل کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے جن کا تعلق آثار صحابہؓ کے ساتھ ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بنیادی حقیقت پیش نظر رہے کہ

۱- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف آثار منقول ہیں۔ اکثر میں تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے سے روکا گیا ہے جب کہ بعض میں پڑھنے کا ذکر بھی آیا ہے۔ اب وہ آثار یقیناً راجح ہیں جن میں امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے چونکہ ان کی تائید قرآن کریم اور احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ہوتی ہے۔

۲- یہاں یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ اس تیسرے مرحلہ میں بھی حضرات غیر مقلدین کے اکثر دلائل سند کے اعتبار سے کمزور ہیں جیسے کہ آگے تفصیل سے واضح ہوگا۔

حدیث ابی ہریرہؓ :

۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نامکمل ہے۔ کسی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو؟ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ "اقرأ بها في نفسك" اسے چپکے سے دل میں پڑھ لیا کرو۔ (آگے سورۃ فاتحہ کی فضیلت کا بیان ہے)

۲- جزء القراءۃ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ جب امام پڑھے تو تم بھی پڑھو۔

تجزیہ : ۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو طرح کی روایات منقول ہیں اس روایت سے بظاہر امام کے پیچھے پڑھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ ان کی دوسری حدیث میں صراحت ہے کہ جب امام قرأت شروع کرے تو تم خاموش ہو جاؤ (امام مسلم نے صحیح مسلم شریف میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے) اور یہی قول راجح ہے چونکہ جب ایک ہی شخص سے دو طرح کی روایات منقول ہیں تو وہ روایت راجح ہوگی جس کی تائید قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔

۲- یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ مسئلہ راجح ہے جس کے دلائل قوی ہیں اور دلائل سے یہ حقیقت معلوم ہو چکی کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں امام کے پیچھے پڑھنے سے روکا گیا ہے اور صراحت کے ساتھ خاموش رہنے کا حکم دیا ہے جب کہ قرآن کریم کی کسی آیت اور کسی حدیث صحیح مرفوع میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ فاتحہ خلف الامام کے جو دلائل بیان کیے جاتے ہیں وہ ضعیف ہیں۔ علامہ ابن تیمیہؒ کی تصریح ملاحظہ ہو۔

لكن الذين ينهون عن القراءة مع الإمام هم جمهور السلف والخلف ومعهم

الکتاب والسنۃ الصحیحۃ واللین أو جہوھا علی المأموم فی حال الجہر ھکذا فعلیہم لہ جمعہ الائمۃ ورواہ ابوداؤد. (رسائل دینیۃ تنوع العبادات، ۵۳)
جمہور سلف صالحین قرأت خلف الامام سے روکتے ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور بعض لوگوں کا یہ دعویٰ کہ جہری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ پڑھنا واجب ہے ان کا استدلال ابوداؤد کی حدیث سے ہے جس کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔
معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے نہ پڑھنا قرآن وسنت سے ثابت ہے جب کہ پڑھنے کے دلائل کمزور ہیں اور یہ حقیقت بھی معلوم ہے کہ صحابیؓ قرآن کی آیت اور حدیث صحیح مرفوع کے مرتبے و پایہ کا نہیں ہے لہٰذا جو موقف قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہے وہ قوی اور راجح ہے۔
۳- اگر حضرت ابوہریرہؓ سے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا ذکر ہے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرامؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے فاتحہ خلف الامام سے روکا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت جابرؓ کی روایات میں گزرا اور قرآن وحدیث کے دلائل اس پر مستزاد ہیں۔
۴- آخر میں ایک اہم بات پیش نظر رہے کہ اس سارے استدلال کی بنیاد "اقرأ بہا فی نفسک" پر ہے جس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ امام کے پیچھے آہستہ آواز سے پڑھا کرو۔ لیکن اس جملہ کا یہ ترجمہ کوئی حتمی و یقینی نہیں اس کے اور معنی بھی آتے ہیں جیسا کہ بخاری و مسلم کی درج ذیل روایات میں غور کرنے سے واضح ہوگا جو کہ حضرت ابوہریرہؓ سے ہی منقول ہیں۔
عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال إن اللہ تجاوز عن أمتی ما حدثت بہ أنفسہا مالم تعمل أو تتکلم قال قتادۃ إذا طلق فی نفسہ فلیس بشیء (بخاری : الطلاق فی الإغلاق)
حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ ان کے دل ہی دل میں جو باتیں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ان پر کوئی گرفت نہیں کرتے۔ الایہ کہ وہ ان پر عمل کریں یا اپنی زبان سے ادا کریں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے دل ہی دل میں بیوی کو طلاق کا سوچے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔
☆ اس حدیث میں دل ہی دل کی گفتگو کو حدیث نفس قرار دیا گیا ہے جس پر مواخذہ نہیں ہے جب کہ انہی باتوں کا زبان سے ذکر کرنا قابل مواخذہ ہے۔
☆ حضرت قتادہؒ کے کلام میں بھی طلق فی نفسہ کے الفاظ ہیں یعنی دل میں طلاق کا سوچے۔
☆ معلوم ہوا کہ فی نفسہ کا اطلاق دل ہی دل میں کچھ کہنے پر بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا مندرجہ بالا حدیث ابی ہریرہؓ کے اس جملہ "اقرأ بہا فی نفسک" میں بھی دونوں احتمال ہیں۔ پہلا تو یہ ہے کہ زبان کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھے اور دوسرا یہ ہے کہ دل ہی دل میں پڑھے تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث

زبان کے ساتھ آہستہ پڑھنے کے بارے میں صریح نہیں ہے۔
مسلم شریف کی دوسری حدیث ملاحظہ ہو اس میں بھی فی نفسہ کا استعمال ہوا ہے۔

عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الله عز وجل انا عند ظن عبدي بي وأنا معه حين يذكرني ان ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي وان ذكرني في ملاء ذكرته في ملاء هم خير منهم۔ (صحیح مسلم : الحث علی ذکر الله)

حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عز وجل نے فرمایا بندہ میرے بارے میں جس قسم کا گمان رکھتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اپنے نفس میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ کسی مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں ایسے مجمع میں اس کا ذکر کرتا ہوں جو اس کے مجمع سے کہیں بہتر ہے۔

☆ اس حدیث شریف میں بھی دل میں ذکر کرنا وارد ہے اور ذکرنی فی نفسہ کے الفاظ ہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ فی نفسہ کا استعمال جہاں آہستہ پڑھنے میں ہوتا ہے۔ وہاں دل میں پڑھنے پر بھی ہوتا ہے لہٰذا حدیث ابی ہریرہؓ سے فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا بہت ہی کمزور ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر :

حضرات غیر مقلدین فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں اس روایت سے استدلال کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فاتحہ خلف الامام کی بابت پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ ان کے نزدیک فاتحہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہ تھا۔ (جزء القراءۃ ۱۰)

تجزیہ : ۱۔ اس میں ایک راوی یحییٰ بن مسلم البکاء ہے جس کو علماء اسماء الرجال نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (المیزان۔ ج ۳۔ ص ۴۰۹)

۲۔ دلیل نمبر ۸ اور نمبر ۹ کے ضمن میں روایات گزری ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک نقل کر دیا گیا کہ وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے اور دلیل نمبر ۹ کے ضمن میں امام بیہقی کی تصریح موجود ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہی قول صحیح ہے اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ ان کی طرف اس دوسرے قول کی نسبت صحیح نہیں ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ کا قول :

حضرت عبداللہ بن ہذیل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھا کریں تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ (جزء القراءۃ ۲۰)

تجزیہ : اس میں ایک راوی عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ابو جعفر الرازی ہے جو کہ ضعیف ہے ملاحظہ ہو

کہو۔وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو۔ وہ تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو۔

☆امام مقتدی کے متفرق کاموں کی وضاحت یوں کی کہ جب امام قرأت شروع کرے تو تم خاموش ہو جاؤ اور جب وہ سورۃ فاتحہ ختم کر کے ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو،اس طرح جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا لک الحمد کہو۔

☆اس حدیث مبارک کے الفاظ اور اسلوب میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ باجماعت نماز میں قرآن پڑھنا صرف امام کی ذمہ داری ہے۔ چونکہ ارشاد نبویؐ ہے جب امام پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ یہاں ایک طرف امام کو پڑھنے والا قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف مقتدیوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا مقتدی نہ تو سورۃ فاتحہ پڑھے نہ ہی کوئی اور سورۃ پڑھے۔ نیز اس حدیث میں ارشاد ہے کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھے تو تم آمین کہو۔ یہاں بھی امام کو ہی پڑھنے والا قرار دیا گیا ہے۔

☆اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کی تصریح و تعیین بھی موجود ہے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ جب وہ پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ جب وہ غیر المغضوب

قال احمد والنسائی لیس بالقوی، قال الفلاس سیئ الحفظ قال ابن حبان ینفرد بالمناکیر عن المشاهیر وقال ابوزرعة یهم کثیراً (المیزان۔ ج ۳۔ ص ۱۹ ۳)

امام احمدؒ اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ابوجعفر الرازی قوی نہیں ہے امام فلاسؒ فرماتے ہیں کہ اس کا حافظہ خراب ہے۔ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ مشہور لوگوں کی طرف منکر روایتیں منسوب کرتا تھا ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ اس کو وہم بہت ہوتا تھا۔

یہ تھے حضرات غیر مقلدین کے چند مشہور دلائل جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے بقیہ دلائل بھی کس قدر کمزور ہیں؟ ان میں وہ دلائل بھی ہیں جن کو امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے۔ اس مختصر تجزیہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ امام بخاریؒ کے اس رسالہ کی روایات کا وہ معیار نہیں جو صحیح بخاری شریف کا ہے۔ عموماً سادہ لوح عوام مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان دلائل کا مختصر تجزیہ کر دیا گیا۔

علیھم ولاالضالین تک پہنچ جائے تو تم آمین کہو۔اب ظاہر ہے کہ تکبیر کے بعد اور غیر المغضوب علیھم ولاالضالین تک جو کچھ پڑھا گیا ہے یہ سورۃ فاتحہ ہی تو ہے اور اسی دوران مقتدیوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔

☆ الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو یہی ہے کہ جب امام پڑھے تو تم خاموش ہو جاؤ ہم اہل سنت وجماعت اسی پر عمل کرتے ہیں۔لیکن اس حدیث کے مقابلے میں حضرات غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جب امام پڑھے تو تم بھی پڑھو۔اب قارئین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ کس کی بات ماننی چاہیے۔

(۱۰۱) دلیل نمبر ۴ : عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إنما جعل الإمام لیؤتم بہ فإذا کبر فکبروا وإذا قرأ فانصتوا وإذا قال غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولوا آمین وإذا رکع فارکعوا....... (سنن ابن ماجہ : باب إذا قرأ فانصتوا)

فقال لہ ابوبکر فحدیث ابی ھریرۃ فقال ھو صحیح یعنی وإذا قرأ فانصتوا فقال ھو عندی صحیح.

(صحیح مسلم شریف : التشھد فی الصلاۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اور اس کی اقتداء یہ ہے کہ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ اور جب وہ غیر المغضوب علیھم ولاالضالین کہے تو تم آمین کہو جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔

امام مسلمؒ کے ایک شاگرد ابوبکر نے امام مسلمؒ سے حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث کی بابت پوچھا تو امام مسلمؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے یعنی جس میں وإذا قرأ فانصتوا کا جملہ آیا ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے۔

☆ اس حدیث کی تشریح حضرت ابوموسیٰؓ والی سابقہ روایت سے ملتی جلتی ہے۔

☆ اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ امام کا مقصد یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اور اقتداء یہ ہے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب وہ پڑھنے لگے

تو خاموش ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ امام کے پڑھتے وقت جو شخص خاموش نہیں ہوتا اس نے امام کی صحیح اقتداء نہیں کی، اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص امام کی تکبیر کے وقت تکبیر نہ کہے امام رکوع میں چلا جائے اور وہ کھڑا رہے تو ایسے شخص کی اقتداء کیونکر صحیح ہوگی؟ ایسے ہی وہ شخص ہے جو امام کے پڑھنے کے وقت خاموش رہنے کے بجائے پڑھنے لگے۔

(۱۰۲) دلیل نمبر ۵ : عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا قال القارئ غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال من خلفه آمين، فوافق قوله أهل السماء غفر له ما تقدم من ذنبه.

(صحيح مسلم شريف : التسميع التأمين)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قرآن پڑھنے والا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے اور اس کے مقتدی آمین کہیں تو جس کی آمین آسمان والوں کی آمین کی موافق ہوگی اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

☆ یہ حدیث نماز با جماعت کے بارے میں بالکل واضح ہے۔

☆ اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھنے والوں کا اطلاق صرف امام پر کیا ہے معلوم ہوا کہ با جماعت نماز میں قرآن پڑھنا صرف امام کی ذمہ داری ہے اور اگر امام و مقتدی سب کے ذمہ پڑھنا ہوتا تو امام کی تخصیص نہ کی جاتی۔

اس حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ سورۃ فاتحہ صرف امام پڑھے گا۔ اسی لئے فرمایا کہ جب قرآن پڑھنے والا (امام) غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو مقتدی آمین کہے۔

(۱۰۳) دلیل نمبر ۶ : عن أبی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم إذا أمن القارئ فأمنوا فإن الملائكة تؤمن.

(صحيح بخاری شريف : كتاب الدعوات. باب التأمين)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قرآن پڑھنے والا آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، بے شک فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

☆ گزشتہ حدیث کی طرح یہ حدیث بھی بڑی واضح ہے جو کہ نماز با جماعت کے

بارے میں ہے اور اس میں بھی صرف امام کو پڑھنے والا قرار دیا گیا ہے گویا امام کے علاوہ باقی سب خاموش رہیں، البتہ جب امام آمین کہے تو مقتدی بھی آمین کہیں۔ اب اگر امام کی طرح مقتدی بھی پڑھنے لگ جائیں تو ان دونوں حدیثوں کی مخالفت لازم آئے گی۔

☆ الغرض صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کی ان دو حدیثوں سے بھی واضح ہو گیا کہ صرف امام ہی پڑھنے والا ہوتا ہے۔ مقتدی خاموش رہتے ہیں۔

(۱۰۴) دلیل نمبر ۷ حالت رکوع میں شمولیت : جو شخص رکوع کی حالت میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اس کی وہ رکعت مکمل شمار ہوتی ہے۔ حالانکہ اس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ یہ بڑی واضح اور صریح دلیل ہے۔ قرأت فاتحہ مقتدی پر فرض نہیں ہے۔ درج ذیل بخاری شریف کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ نیز جمہور اسلاف امت کا مسلک بھی یہی ہے۔

(الف) عن ابی بکرة رضی الله عنه انه انتهی الی النبی صلی الله علیه وسلم وهو راکع فرکع قبل ان یصل الی الصف فذکر ذلک للنبی صلی الله علیه وسلم فقال زادک الله حرصاً ولا تعد.

(صحیح بخاری : إذا رکع دون الصف)

ذکر ابن حجرؒ عن الحسن عن الطبرانی فقال ایکم صاحب هذا النفس قال خشیت أن تفوتنی الرکعة معک.

(فتح الباری. إذا رکع دون الصف)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کی حالت میں تھے، تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا تذکرہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ تمہارے اس شوق کو بڑھائے، آئندہ ایسا نہ کرنا (کہ صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی نماز شروع کر دو)

حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ طبرانی نے حضرت حسنؒ سے نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کس نے

ایسا کیا تو حضرت ابو بکرہؓ نے عرض کیا کہ میں نے ایسا کیا تا کہ آپ کے ساتھ میری یہ رکعت فوت نہ ہو جائے۔

☆ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرہؓ کے شوق کو سراہتے ہوئے انہیں دعا دی اور آئندہ صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی نماز شروع کرنے سے روکا۔

☆ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ جلدی سے رکوع میں شریک ہو گئے تا کہ یہ رکعت فوت نہ ہو جائے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا ذکر کیا تو آپؐ نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہر تصدیق ثبت فرما دی کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت شمار ہوتی ہے۔

امام بیہقیؒ کا استدلال

مشہور محدث امام بیہقیؒ نے حضرت ابو بکرہؓ کی یہ روایت اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی یہی عمل نقل کیا جاتا ہے اور ان روایات کا عنوان قائم کرتے ہوئے یوں استدلال کیا ہے: باب من رکع دون الصف وفی ذلک دلیل علی ادراک الرکعۃ ولولا ذلک لما تکلفوہ۔ (سنن بیہقی۔ ج ۲۔ ص ۹۰)

یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جنھوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا اور یہ عمل دلیل ہے کہ اس سے ان کا مقصد اس رکعت کو حاصل کرنا تھا۔ ورنہ انہیں اس جدوجہد کی کیا ضرورت تھی؟

(ب) حضرات صحابہ کرامؓ کا نظریہ

ذیل میں رکوع کی حالت میں شامل ہونے والے مقتدی کی بابت حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے آثار نقل کیے جاتے ہیں۔ یہ حضرات بھی اسی کے قائل ہیں کہ رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کی وہ رکعت شمار ہوتی ہے۔

ان زید ابن ثابت وابن عمر کانا یفتیان الرجل اذا انتھی الی القوم وھم رکوع ان یکبر تکبیرۃ وقد ادرک الرکعۃ قالا وان وجدھم سجودا

مسجد معهم ولم يعتد بها لذلك. (مصنف عبدالرزاق. ج ۲. ص ۲۷۸)

حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جو شخص جماعت کو رکوع کی حالت میں پائے وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرلے تو اس نے اس رکعت کو پالیا۔ البتہ اگر وہ سجدہ کی حالت میں شریک ہوتو اس کی یہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔

عن ابن مسعود رضي الله عنه قال من فاته الركوع فلا يعتد بالسجود. (مصنف عبدالرزاق. ج ۲. ص ۲۸۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا رکوع چھوٹ جائے۔ اور وہ سجدہ میں شریک ہوتو اس کی یہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔

☆ مندرجہ بالا روایات اس مسئلہ میں بالکل صریح ہیں کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت شمار ہوتی ہے اور اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ ضروری نہیں ورنہ ایسے شخص کی رکعت کیونکر شمار ہوسکتی ہے جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی؟ مگر افسوس کہ ان صریح روایات کے باوجود بعض لوگ کہتے ہیں کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک اور حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کی بابت صراحت سے منقول ہے جب کہ کسی ایک حدیث سے بھی اس صراحت کے ساتھ ثابت نہیں کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی اس رکعت کا اعتبار نہیں۔

(ج) جمہور علماء امت کا مسلک

امام ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ میں نواب صدیق حسن خانؒ نے بدور الاہلہ میں علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے عون المعبود میں اور علامہ شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ جمہور علماء امت کا مسلک یہی ہے کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت شمار ہوگی امام ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

والمسبوق إذا لم يتسع وقت قيامه لقراءة الفاتحة فإنه يركع مع إمامه ولا يتم الفاتحة باتفاق الأئمة وإن كان فيه خلاف فهو شاذ.

(مختصر فتاوی ابن تیمیہ، ص ۵۹)

جماعت میں تاخیر سے شامل ہونے والے شخص کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کا وقت نہ ملے تو وہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے اور فاتحہ نہ پڑھے۔ اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے اور اس سلسلہ میں اختلاف کی حیثیت شذوذ کے مترادف ہے۔

نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں واعتداد لاحق برکعتے کہ رکوعش دریافتہ مذہب جمہور است مگر جماعتے از اہل علم دراں خلاف کردہ۔ (بدور الاہلہ)

جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ رکوع میں ملنے والے کی پوری رکعت شمار ہوگی مگر بعض علماء اس کے مخالف ہیں:

الغرض موصوف کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ جمہور کا مسلک یہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موصوف اپنی مسلکی مجبوریوں کی وجہ سے جمہور علماء کا رستہ چھوڑ گئے ہیں۔

مشہور غیر مقلد عالم علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے عون المعبود میں لکھا ہے کہ علامہ شوکانیؒ نے ابتداء نیل الاوطار میں یہی فرمایا ہے کہ رکوع میں شامل ہونے سے وہ رکعت شمار نہیں ہوتی لیکن بالآخر فتح الربانی فی فتاوی الشوکانی میں اس قول سے رجوع کیا اور جمہور کے مسلک کو راجح قرار دیا چونکہ اس کے دلائل موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

(عون المعبود : الرجل یدرک الامام ساجداً)

الغرض بخاری شریف کی روایت حضرات صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ اور جمہور علماء امت کے مسلک سے معلوم ہو گیا کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی رکعت شمار ہوتی ہے اور علامہ شوکانیؒ نے غیر مقلد ہونے کے باوجود بالآخر اسی موقف کو راجح قرار دیا چونکہ یہ موقف دلائل کے اعتبار سے بہت مضبوط ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مقتدی پر فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

(۱۰۵) دلیل نمبرے مقتدی بالکل قرآت نہ کرے

عن عطاء بن یسار انه اخبره انه سأل زید بن ثابتؓ عن القراءة مع الامام فقال لا قراءة مع الامام فی شیء۔

(صحیح مسلم : سجود التلاوة)

حضرت عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابتؓ سے پوچھا کہ امام کے ساتھ ساتھ مقتدی کو بھی قرأت کرنی چاہئے یا نہیں تو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ثابتؓ نے جواب دیا کہ کسی نماز میں بھی مقتدی کو امام کے ساتھ قرأت نہیں کرنی چاہئے۔

☆ صحیح مسلم شریف کی یہ روایت امام اور مقتدی کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے۔

☆ اس حدیث میں مقتدی کو امام کے ساتھ پڑھنے سے صراحت کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔

☆ فی شیء کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ امام کی موجودگی میں مقتدی کو کسی قسم کی قرأت نہیں کرنی چاہئے نہ تو سورۃ فاتحہ اور نہ ہی کوئی اور سورۃ۔

☆ نیز شیء کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ سری و جہری ہر قسم کی نماز میں مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۱۰۶) دلیل نمبر ۸۔ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے

عن نافع أن ابن عمر رضی اللہ عنہما کان إذا سئل هل يقرأ خلف الإمام؟ قال إذا صلى أحدكم خلف الإمام فحسبه قراءة الامام وإذا صلى وحده فليقرء قال وكان عبداللہ بن عمر لا يقرء خلف الإمام.

(موطا امام مالک : ترک القراءة خلف الإمام)

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا جاتا کہ کیا مقتدی امام کے پیچھے قرأت کرے؟ تو آپ فرماتے کہ جب کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے، البتہ جب وہ اکیلا نماز پڑھے تو پھر قرأت کرے۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے۔

علامہ نیموی نے آثار السنن۔ ج ا۔ ص ۸۹ پر اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۱۰۷) دلیل نمبر ۸ : عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه كان يقول من صلى وراء الإمام كفاه قراءة الإمام قال البيهقي هذا هو الصحيح عن ابن عمرؓ من قوله. (سنن بیہقی : من قال لا يقرأ خلف الامام)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہی قول صحیح ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی دونوں روایات میں باجماعت نماز کی صراحت موجود ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بالکل وضاحت سے بتادیا کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔

☆ یہاں یہ بھی تصریح موجود ہے کہ صرف منفرد قرأت کرے گا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی کا مسلک و معمول بھی یہی تھا کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۃ فاتحہ اور سورۃ نہیں پڑھنی چاہیے۔

(۱۰۸) دلیل نمبر ۱۰۸۔ امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے

عن جابر رضی اللہ عنہ یقول من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام.

(حسن صحیح)(ترمذی : ترک القراءۃ خلف الامام، موطا امام مالک، باب تجب قرأۃ فاتحۃ الکتاب)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے ایک رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

☆ اس حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سورۃ فاتحہ کا مسئلہ بالکل واضح فرمادیا کہ منفرد ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھے گا۔

☆ جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھے وہ سورۃ فاتحہ نہیں پڑھے گا۔

☆ اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کی تعیین بھی ہے اور نماز باجماعت کی تصریح بھی ہے لیکن پھر بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز باجماعت میں مقتدی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے۔

(۱۰۹) دلیل نمبر ۱۰۹۔ مقتدی چاروں رکعات میں سورۃ فاتحہ پڑھے

عن ابراھیم ان عبداللہ بن مسعودؓ لم یقرأ خلف الامام لا فی

الركعتين الأوليين ولا في غيرهما.

(جامع المسانيد. ج ١. ص ٤٠١)

حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے نہ تو پہلی دو رکعتوں میں اور نہ ہی آخری دو رکعتوں میں۔

☆ اس روایت سے بھی صراحتاً معلوم ہو گیا کہ امام کے پیچھے چاروں رکعات میں مقتدی قرأت نہیں کرے گا۔

☆ قرأت کا لفظ سورۃ فاتحہ اور زائد سورۃ دونوں کو شامل ہے لہذا مقتدی نہ تو سورۃ فاتحہ پڑھے گا نہ ہی کوئی سورۃ۔

(۱۱۰) دلیل نمبر ۱۲۔ جمہور صحابہ کرامؓ اور جمہور علماء امت کا مسلک

امام ابن تیمیہؒ کی تحقیق پر حضرات غیر مقلدین بہت اعتماد کرتے ہیں۔ لہذا ذیل میں ان کی تحقیق پیش کی جا رہی ہے جس میں انہوں نے قرآن و سنت کو بنیاد بنایا ہے:

والأمر باستماع قراءة الإمام والإنصات له مذكور في القرآن وفي السنة الصحيحة وهو اجماع الأمة فيما زاد على الفاتحة وهو قول جماهير السلف من الصحابة وغيرهم في الفاتحة وغيرها.

(رسائل دينية : تنوع العبادات. ص ٥٥)

امام کی قرأت سننے اور خاموش رہنے کا حکم قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد والی سورۃ کی بابت جمہور صحابہ کرامؓ و دیگر علماء امت کا یہی مسلک اور سورۃ فاتحہ کے بعد والی سورۃ کی قرأت کے وقت مقتدی کے سننے اور خاموش رہنے پر تو ساری امت کا اجماع ہے۔

(۱۱۱) خلاصہ کلام

گزشتہ تحقیق سے واضح ہو گیا کہ :

۱- قرآنی نقطہ نظر سے مقتدی کو امام کی قرأت سننے اور خاموش رہنے کا حکم ہے۔

۲- امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا قرآن کریم سے ثابت نہیں ہے۔

۳- جو مسئلہ قرآن کریم سے ثابت ہے وہ اس پر مسئلہ راجح ہے جو قرآن کریم سے ثابت

نہیں ہے۔

۴۔احادیث صحیحہ مرفوعہ سے صراحت کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ قرآن پڑھنا امام کی ذمہ داری ہے اور مقتدی کے ذمہ خاموش رہنا ہے۔

۵۔کسی صحیح مرفوع حدیث سے اس صراحت کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ با جماعت نماز میں مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا لازم ہے۔

۶۔جو مسئلہ احادیث صحیحہ مرفوعہ سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے وہ بہر حال اس مسئلہ پر راجح ہے جو کسی صحیح و مرفوع حدیث سے صراحتاً ثابت نہیں ہے۔

۷۔جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واضح ارشادات سے معلوم ہو گیا کہ مقتدی کو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے۔

۸۔بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے فاتحہ خلف الامام کے جو اقوال منقول ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا ان میں نماز با جماعت کی صراحت نہیں یا وہ منسوخ ہیں یعنی اس زمانہ سے متعلق ہیں جب ممانعت والا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور اگر کچھ صحیح آثار بھی ہوں تو ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث و جمہور صحابہؓ والے دلائل کو اولیت حاصل ہو گی۔

۹۔جو مسئلہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وضاحت و صراحت کے ساتھ منقول ہے وہ یقیناً راجح ہے اس مسئلے کے دلائل میں صراحت وضاحت اور قوت نہیں ہے۔

لہٰذا: ہر شخص کو اپنی پوری نماز قرآن کریم کے واضح ارشادات پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات کے مطابق پڑھنی چاہئے کہ اگر وہ منفرد ہے تو ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ پڑھے لیکن اگر وہ مقتدی ہے تو سورۃ فاتحہ اور سورۃ نہ پڑھے۔اس کے باوجود اگر کسی کا فرقہ وارانہ تعصب اور مسلکی وابستگی آڑے آئے تو خدارا اسے بالائے طاق رکھ دے۔

نوٹ: آج کل کچھ لوگ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں بہت مبالغہ آرائی سے کام لے رہے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔کہ اہل سنت و جماعت کے پاس امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔لہٰذا اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے بیان کر دیا ہے اور مخالفین کے اہم دلائل کا تجزیہ بھی کر دیا گیا ہے تاکہ انصاف پسند طبائع اصل حقیقت حال کا اندازہ کر سکیں۔

آمین

(۱۱۲) (الف) جب امام سورۃ فاتحہ مکمل کر چکے تو مقتدی آہستہ سے آمین کہے۔ یہی اولیٰ ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال إذا قال أحدكم آمين وقالت الملائكة في السماء آمين، فوافقت احداهما الاخرى غفرله ما تقدم من ذنبه. (بخاری : فضل التامين)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آمین کہے اور آسمان میں ملائکہ بھی کہیں اور ایک دوسری میں موافقت ہو جائے تو آمین کہنے والے کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

قال ابن منير في ذكر مناسبة الباب بان التامين دعاء وقال إن التامين قائم مقام التلخيص بعد البسط فالداعي فصل المقاصد والمؤمن أتى بكلمة تشمل جميعاً. (فتح الباري شرح بخاري : ج ۲۔ ص ۲۶۳)

"ابن منیر باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور آمین تفصیل کے بعد اختصار کے مترادف ہے۔ امام نے اپنے مقاصد و مطالب کو تفصیلاً ذکر کیا اور اس پر آمین کہنے والا صرف یہ کلمہ کہتا ہے جو ساری دعا کو شامل ہے۔"

اور آمین کا معنی ہے "اللّٰهم استجب" (اللہ اس دعا کو قبول فرما)۔ نیز "كذلك يكون" (اے اللہ ایسا ہی ہو جائے)

(۱۱۳) جب یہ ثابت ہوا کہ آمین دعا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دعا وہ ہے جس میں عاجزی اور اخفاء ہو۔

ارشاد ربانی ہے :

ادعوا ربكم تضرعاً وخفية إنه لا يحب المعتدين : (الاعراف ۵۵)

اللہ سے دعا کرو گڑگڑا کر اور خفیہ، وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اس آیت کے ذیل میں ابن کثیر رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں۔

عن أبي موسى الاشعري رضي الله عنه قال رفع الناس أصواتهم

بالدعاء فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أیها الناس اربعوا علی انفسکم فانکم لا تدعون اصم ولا غائباً إن الذین تدعونه سمیع قریب۔

(تفسیر ابن کثیر۔ ج ٢۔ ص ٢٢١)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے دعا میں اپنی آوازوں کو بلند کرنا شروع کر دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے لوگو! میانہ روی سے کام لو تم کسی بہرے یا غائب شخص کو نہیں پکار رہے۔ جس کو تم پکارتے ہو وہ ہر بات کو سننے والا ہے نزدیک ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ

- جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔
- آمین دعا ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے دعا میں اخفاء، پوشیدگی، اور عاجزی کا حکم دیا ہے۔
- جو لوگ اونچی آواز سے دعا کرتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روکا۔
- اللہ تعالیٰ ہر آواز کو سننے والے اور ہر شخص کے قریب ہے۔

لہذا آہستہ آواز سے آمین کہنی چاہیے چونکہ یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے۔

(١١٣) (ج) بعض علماء کا کہنا ہے کہ آمین ذکر ہے۔ اس صورت میں بھی اس کا اخفا اولیٰ ہے۔

چونکہ ارشاد ربانی ہے :

واذکر ربک فی نفسک تضرعاً وخیفة ودون الجهر من القول۔

(اعراف۔ ٢٠٥)

اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے ایک مختصر سے جملہ میں سارے مسئلے کو حل کر دیا کہ :

اگر آمین دعا ہو تو سورۃ اعراف کی آیت نمبر ٥٥ کی رو سے آمین آہستہ کہنی چاہیے اور اگر آمین ذکر ہو تب بھی سورہ اعراف کی آیت نمبر ٢٠٥ کی رو سے آہستہ کہنی چاہیے۔

● ارشاد نبوی ہے :

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یعلمنا یقول لا تبادروا الامام اذا کبر فکبروا اذا قال ولا الضالین فقولوا آمین : واذا رکع فارکعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللّٰهم ربنا لک الحمد. (مسلم : النهی عن مبادرة الامام بالتکبیر وغیره)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں امام سے جلدی نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے پھر تم تکبیر کہو اور جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللّٰھم ربنا لک الحمد کہو۔''

اس روایت میں ارشاد ہوا کہ امام کے ولا الضالین کہنے پر تم آمین کہو اور اسی روایت میں ہے کہ امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے پر اللّٰھم ربنا لک الحمد کہو، ظاہر ہے کہ اللّٰھم ربنا لک الحمد آہستہ آواز میں کہا جاتا ہے اور یہی اسی قسم کے الفاظ آمین کہنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ لہٰذا دلالت حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین بھی آہستہ آواز سے ہی کہنی چاہئے۔

(د) فرمان عمر رضی اللہ عنہ

عن ابی معمر عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه انه قال یخفی الامام اربعاً، التعوذ، وبسم الله الرحمن الرحیم، وآمین، وربنا لک الحمد. (عینی شرح هدایه. ج ۱. ص ۲۳۰)

ابو معمر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے ۱۔ اعوذ باللہ...... ۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ۳۔ آمین ۔ ۴۔ ربنا لک الحمد۔

حضرت عمر و علی کا طریقہ

عن ابی وائل قال لم یکن عمر و علی یجهران ببسم الله الرحمن الرحیم ولا بآمین. (الجواهر النقی. ج ۲. ص ۴۸)

حضرت ابو وائل فرماتے ہیں کہ دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔

فرمان حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال یخفی الامام ثلاثًا الاستعاذۃ وبسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، وآمین. (المحلی، ج ۳، ص ۱۸۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام تین چیزوں کو آہستہ کہے۔ تعوذ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور آمین۔

(۱۱۵) اس تحقیق کے بعد یہ نتائج نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔

- قرآنی تعلیمات کی رو سے آمین آہستہ کہنی چاہئے۔
  صحیح مسلم شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی معلوم ہوا کہ ربنا لک الحمد کی طرح آمین بھی آہستہ آہستہ آواز سے کہنی چاہئے۔
- آہستہ آمین کی ترجیح کے لئے اتنا کافی ہے کہ آیات قرآنیہ اور مسلم کی حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے۔
- قرآن کریم کی کسی ایک آیت سے بھی اونچی آمین کا ثبوت نہیں ملتا۔
- کسی صحیح حدیث میں آمین اونچی کہنے کا حکم نہیں دیا گیا۔
- اونچی آمین کی بابت جو روایات بیان کی جاتی ہیں سب ضعیف ہیں۔
- آج کل کچھ لوگ مصر ہیں کہ آمین ہمیشہ اونچی آواز سے کہنی چاہئے، لیکن وہ جتنی روایات کا سہارا لیتے ہیں (قطع نظر اس کے کہ وہ ضعیف ہیں) ان میں ایک آدھ دفعہ اونچی آمین کہنے کا ذکر ہے لہٰذا ان سے ہمیشہ والا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔
- حدیث کا علم رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ جس روایت میں اونچی آمین کا ذکر ہو تو وہ حاضرین کی تعلیم کے لئے ہے۔ چونکہ بہت سی روایات میں ہے کہ آپ سورۃ فاتحہ کے بعد چند لمحے خاموش رہتے تھے۔ لہٰذا ایک آدھ دفعہ اونچی آمین کہہ کر حاضرین کو بتا دیا کہ سورۃ فاتحہ کے بعد خاموشی والے لمحات میں یہ کلمہ کہا جاتا ہے

جیسا کہ دیگر روایات میں ہے کہ کبھی آپ ظہر و عصر میں ایک آدھ آیت اونچی پڑھ لیتے تاکہ سننے آنے والے حضرات کو معلوم ہو جائے کہ قرأت ہو رہی ہے نیز مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ سبحانک اللھم بلند آواز سے پڑھا تعلیم کے لئے اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ ظہر و عصر میں ایک آیت اور نماز کے شروع میں سبحانک اللھم بلند آواز سے کہنا چاہئے۔ یہی کیفیت آمین کی بھی ہے۔

- اگر اونچی آمین کہنا آپ کا معمول ہوتا تو صحیح احادیث کے ذخیرہ میں اس کا ذکر کثرت سے ملتا کہ جن حضرات صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ اور اس کی کیفیت تک کو نقل کیا ہے وہ اس عظیم عمل کو ضرور نقل کرتے، لیکن ایسا نہیں، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اونچی آمین کا عنوان باندھا ہے لیکن اونچی آمین کی کوئی صحیح مرفوع حدیث نقل نہیں کی۔

اس لئے علامہ نیموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لم يثبت الجهر بالتامين عن النبي صلى الله عليه وسلم ولا عن الخلفاء الاربعة وما جاء في الباب فهو لا يخلو من شيء.

(آثار السنن. ج ۱. ص ۹۴)

بلند آواز سے آمین کہنا نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا اور نہ ہی چاروں خلفاء اور جو کوئی روایت اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں وہ جرح و تنقید سے خالی نہیں۔ (1)

---

(1) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں بعض ایسی روایات کی نشاندہی کر دی جائے۔

۱ – ام الحصين رضي الله عنهما کی روایت ہے کہ أنها صلت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قال ولا الضالين قال آمين فسمعته وهي في صف النساء.

۲ – عن أبي هريرة رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا تلا غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين- حتى يسمع من يليه من الصف الأول- وزاد بن ماجة فيرتج بها المسجد.

۳ – عن علي أنه سمع النبي صلى الله عليه سلم يقول آمين حين يفرغ من قراءة أم الكتاب.

سورۃ

(۱۱۶) سورۃ فاتحہ کے بعد امام اور منفرد کوئی اور سورۃ ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات پڑھیں۔

ظہر، عصر، عشاء اور مغرب کی پہلی اور دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت ملائیں آخری رکعات میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھیں۔

جائزہ دلیل نمبرا:

عن ام الحصين أنها صلت...

اس میں ایک راوی اسماعیل بن مسلم ہیں۔ جس کو علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد۔ ج ا۔ ص ۲۶۴ میں اور شوکانی نے نیل الاوطار میں ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ مبارک پوری کہتے ہیں: کہ ابن مبارک نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمد فرماتے ہیں۔ منکر الحدیث۔ (تحفۃ الاحوذی۔ ج ۲۔ ص ۹۸)

(الف) اس میں ایک راوی بشر بن رافع ہے جس کو امام بخاری امام ترمذی امام نسائی اور ابن حسین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (نصب الرایۃ۔ ج ا۔ ص ۳۷۱)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ابو الأسباط بشر بن رافع وقد اجمعوا على ضعفه

(مجمع الزوائد۔ ج ا۔ ص ۱۹۲)

تمام علماء کا اجماع ہے کہ ابو الاسباط بن رافع ضعیف ہیں۔

(ب) اس کی سند میں دوسرا راوی ابو عبداللہ بن عم ابی ہریرۃ ہے۔

وابو عبد الله هذا لا يعرف له حال ولا روى عنه غير بشر والحديث لا يصح۔ (نصب الرايه ج ا۔ ص ۳۷۱)

ابو عبداللہ یہ راوی مجہول ہے اور بشر بن رافع کے علاوہ کسی اور نے اس سے نقل نہیں کیا۔ لہذا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

جائزہ دلیل نمبر ۲: عن علي أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم....

اس روایت کی بابت ابن ابی حاتم فرماتے ہیں "ھذا عندی خطاء" میرے ہاں یہ غلط ہے نیز اس میں ابن ابی لیلیٰ ہے جس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ (تلخیص الحبیر۔ ص ۲۳۸)

عن أبي قتادة عن ابيه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يقرأ في الظهر في الأوليين بأم الكتاب وسورتين وفي الركعتين الاخريين بأم الكتاب ويسمعنا الآية ويطول في الركعة الاولى ما لا يطول في الركعة الثانية. وهكذا في العصر وهكذا في الصبح.

(بخاری : ما يقرأ في الاخريين بفاتحة الكتاب)

حضرت ابوقتادہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ دو سورتیں اور آخری دو

جائزہ دلیل نمبر۴ :

عن أبي هريرةؓ قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا فرغ من أم القرآن رفع صوته فقال آمين۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب اس حدیث کا مدار اسحاق بن ابراہیم پر ہے اس کی بابت ملاحظہ ہو:

اسحاق بن ابراهيم بن العلاء الزبيدي ـ قال النسائي ليس بثقة، وقال ابوداؤد ليس بشيء، وكذبه محدث حمص محمد بن عوف۔

(ميزان الاعتدال ـ ج ا ـ ص ۱۸۱)

اسحاق بن ابراہیم زبیدی کی بابت امام نسائیؒ فرماتے ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں۔ حدیث کے میدان میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ حمص کے شیخ الحدیث محمد بن عوف نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔

جائزہ دلیل نمبر۵ : قارئین پر واضح رہے کہ بعض روایات حضرت وائل بن حجرؓ سے منقول ہیں ان میں اونچی آمین کے مختلف الفاظ ہیں جو صرف تعلیم کے لئے ہیں اور حضرت وائلؓ کی ان روایات میں تعلیم کی خصوصیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ وہ چند دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے آئے تھے۔ تا کہ وہ براہ راست کچھ باتیں سیکھ لیں۔ اس مناسبت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم کے لئے بتادیا کہ سورۃ فاتحہ کے بعد آمین کہی جاتی ہے۔ اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حسب سابق سورۃ فاتحہ کے بعد ایک لحہ خاموش رہتے اور آہستہ آمین ہی کہتے تو حضرت وائلؓ کو یہ پتہ نہ چلتا کہ اس موقع پر یہ کلمہ کہا جاتا ہے۔ الغرض حضرت وائلؓ سے منقول روایت میں مسئلہ آمین کے اونچا کہنے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھار ہمیں ایک آیت سنا دیتے تھے اور پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبا ادا کرتے تھے، عصر اور صبح میں بھی یوں ہی کرتے۔

ظہر اور عصر میں آہستہ قرأت

(۱۱۷) امام اور منفرد ظہر، عصر میں قرأت آہستہ کریں، فجر، نماز جمعہ، نماز عیدین، وتر (باجماعت) میں امام بلند آواز سے قرأت کرے، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں بلند اور بقیہ میں آہستہ قرأت کرے۔

عن ابی معمر قال قلت لخباب بن الارت، أكان النبي صلى الله عليه وسلم يقرأ في الظهر والعصر؟ قال نعم، قال قلت بأي شيء كنتم تعلمون قرائته؟ قال باضطراب لحيته. (بخاری : باب القرأة في العصر)

حضرت ابو معمر نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر، عصر میں قرأت کیا کرتے تھے؟ فرمایا "ہاں" ابو معمر نے عرض کیا آپ کو کیسے معلوم ہوتا تھا؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کے ہلنے سے معلوم ہو جاتا کہ آپ پڑھ رہے ہیں۔

(۱۱۸) رفع یدین (ہاتھوں کو اٹھانا)

قرأت سے فارغ ہوکر سیدھا رکوع میں چلا جائے اور رفع یدین نہ کرے، اس طرح رکوع سے اٹھتے ہوئے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی رفع یدین نہ کرے چونکہ قرآن کریم، حدیث شریف، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اور بہت سے اسلاف کا یہی عمل رہا لہذا یہی اولیٰ اور بہتر ہے۔

(۱۱۹) دلیل نمبر ۱، نماز نبوی

قال عبداللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه عنه الا اصلی بکم صلوٰة رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة.

(حدیث حسن) (ترمذی : ماجاء فی رفع الیدین)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون نماز کا طریقہ نہ بتاؤں؟ پھر آپ نے نماز پڑھی اور صرف نماز کی ابتداء میں رفع الیدین کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔ بعد میں نہیں لہذا ہمیں بھی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت پر عمل کرتے ہوئے صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرنا چاہئے بعد میں نہیں۔ (۱)

---

(۱) یقول احمد شاکر : هذا الحدیث صححه ابن حزم و غیره من الحفاظ وهو حدیث صحیح وما قالوه فی تعلیله لیس بعلة. (ترمذی محقق۔ ج ۲۔ ص ۴۱)

۱۔ احمد شاکر فرماتے ہیں کہ ابن حزم اور دیگر حفاظ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور جو

(۱۴۰) دلیل نمبر ۲، رفع یدین سے ممانعت

عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلاۃ. (مسلم : الأمر بالسکون فی الصلاۃ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا : کیا ہوا میں تمہیں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ گویا وہ شریر گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔"

لوگ اس کی طرف کمزوری کی نسبت کرتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔
۲۔ علامہ ترکمانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی مسلم شریف کے راوی ہیں۔
(الجوہر النقی۔ ج ۲۔ ص ۷۸)

واضح رہے کہ امام ترمذی نے ابن مبارک کا جو قول نقل کیا ہے وہ حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث کی بابت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "انه علیه السلام لم یرفع یدیه الا فی اول مرة"
جب کہ مندرجہ بالا روایت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس بات میں بہت سے علماء کو غلطی ہوئی ہے یا وہ مغالطہ دیتے ہیں۔ (نصب الرایہ۔ ج ۱۔ ص ۳۹۴)
اس لئے ترمذی شریف کے مختلف نسخوں میں یہ روایت مستقل باب کے تحت نقل کی گئی ہے لہٰذا ابن مبارک کا وہ قول گذشتہ باب میں رہ جاتا ہے آئندہ باب کی حدیث سے اس کا کیا تعلق ہے ملاحظہ ہو (ترمذی محقق۔ ج ۲۔ ص ۴۱) اس موقع پر احمد شاکر کا یہ تجزیہ بھی ملاحظہ ہو : وذھبوا یصححون بعض الأسانید ویضعفون انتصاراً لمذھبھم وترکوا۔ او کثیراً منھم۔ سبیل الانصاف والتحقیق۔ (الترمذی محقق۔ ج ۲۔ ص ۴۲) مسئلہ رفع یدین میں بعض متعصب لوگ ضعیف احادیث کو صحیح اور صحیح کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حتی کہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت وانصاف کا دامن بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

نوٹ: آج کل کے غیر مقلدین بھی اپنے پہلے بھائیوں کی طرح سادہ لوح عوام کو یہی باور کراتے ہیں کہ رفع یدین نہ کرنے کی بابت تمام روایات ضعیف ہیں۔ لہٰذا ہم نے مندرجہ بالا تمام دلائل کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے محدثین کے حوالے سے ان کا صحیح ہونا بھی نقل کر دیا ہے تا کہ قارئین کرام غیر مقلدین کے مغالطوں سے محفوظ رہیں۔

مسلم شریف کی اس حدیث میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کرنے والوں کو سکون کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا چونکہ رفع یدین کرنا سکون کے منافی ہے لہذا ہمیں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سکون کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے۔(۱)

(۱) مسلم شریف کی ایک اور روایت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے وقت رفع یدین کرنے سے بھی روکا ہے اس میں بھی کانہا اذناب خیل شمس کا جملہ استعمال فرمایا اس سے بعض حضرات کو شبہ ہو گیا کہ دونوں حدیثیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں حالانکہ ایسا نہیں دونوں حدیثوں میں علیحدہ علیحدہ اور مستقل احکام بیان ہوئے ہیں۔ دونوں کا باہمی فرق ملاحظہ ہو۔

۱- دونوں روایتوں میں حضرت جابرؓ نے آپؐ کے مختلف قسم کے الفاظ نقل کئے ہیں اس حدیث میں ہے۔ مالی أراکم رافعی أیدیکم کانها أذناب خیل شمس جب کہ دوسری سلام والی روایت میں ہے علام تؤمون أیدیکم کانها أذناب خیل شمس إنما یکفیکم أن یضع یده علی فخذه ثم یسلم علی أخیه من علی یمینه وشماله" دونوں میں فرق واضح ہے۔

۲- اس حدیث میں ہے کہ ہم اپنی اپنی نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ تشریف لائے اور فرمایا جب کہ دوسری حدیث میں ہے کہ ہم نے نماز باجماعت میں سلام کے وقت اشارہ کیا تو آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا۔

۳- اس حدیث میں اسکنوا فی الصلوۃ کا جملہ ہے جو کہ دوسری حدیث میں نہیں ہے۔

۴- اس حدیث میں ہے کہ نماز میں رفع یدین کرنے سے روکا جب کہ دوسری حدیث میں ہے کہ سلام کے وقت دائیں بائیں اشارہ کرنے سے روکا۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت جابرؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ ان دونوں روایات کے راوی ہیں۔ اب یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک ہی صحابیؓ ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ مختلف اسلوب اور مختلف پس منظر میں بیان کریں؟ حضرات صحابہؓ حدیث کے معاملہ میں بہت محتاط تھے۔ وہ آپ کے الفاظ مبارک کو جوں کا توں محفوظ کر کے نقل کرتے تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور دونوں کو ایک ہی واقعہ سے متعلق کرنا صحیح نہیں۔

چند بنیادی حقائق :

مسئلہ رفع یدین کو صحیح بنیادوں پر سمجھنے کے لئے چند اصولی حقائق کو سمجھنا ضروری ہے۔

پہلی حقیقت : احادیث میں وارد ہے کہ ابتداء اسلام میں دوران نماز گفتگو کرنی جائز تھی۔ حتی کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دوران نماز آنے والے شخص کے سلام کا جواب دیتے تھے۔ لیکن بعد میں یہ حکم باقی نہ رہا۔ ملاحظہ ہو

عن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی الصلوۃ فیرد علینا فلما رجعنا من عند النجاشی سلمنا علیہ فلم یرد علینا، وقال ان فی الصلوۃ شغلاً۔ (بخاری : ما ینھی عن الکلام)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے تو آپ جواب دے دیتے تھے، لیکن نجاشی کے پاس سے واپس آنے کے بعد ہم نے سلام کیا تو آپ نے جواب نہیں دیا اور فرمایا کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابتداء اسلام میں دوران نماز گفتگو جائز تھی، لیکن پھر یہ حکم باقی نہ رہا گویا کسی مسئلہ کا ثابت ہونا اور اس کا باقی رہنا دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ابتدائی دور والی احادیث صحیحہ کو پیش کرکے یہ دعویٰ کرے کہ نماز میں گفتگو کرنا جائز ہے اور سلام کا جواب دینا سنت ہے تو اس کا یہ دعویٰ صحیح نہ ہوگا چونکہ یہ حکم باتفاق ثابت ہے، لیکن اب باقی نہیں رہا، اس طرح رکوع وغیرہ کے وقت رفع یدین کا ثابت ہونا تو متفق علیہ ہے لیکن حضرات غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ حکم آخر تک باقی رہا، واضح رہے کہ اس کے باقی رہنے والے دعوے پر کوئی صحیح دلیل نہیں ہے اور بیہقی کی روایت اس دعوے کی دلیل نہیں بن سکتی چونکہ وہ بالکل ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو۔

فما زالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ بیہقی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر تک رفع یدین والی نماز پڑھتے تھے۔

تجزیہ :

(الف) اس روایت میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ہے۔

اتھمہ السلیمانی بوضع الحدیث۔ (میزان الاعتدال۔ ج ۲۔ ص ۵۸۲)

علامہ سلیمانی فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن قریش حدیثیں گھڑتا ہے۔

اس دوسرے راوی عصمہ بن محمد کی بابت ملاحظہ ہو۔ قال یحیی کذاب یضع الحدیث وقال العقیلی یحدث بالبواطیل عن الثقات وقال الدار قطنی وغیرہ متروک۔ (میزان الاعتدال۔ ج ۲۔ ص ۶۸)

یحییٰ فرماتے ہیں کہ عصمہ جھوٹا ہے اور حدیثیں گھڑتا ہے، علامہ عقیلی فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ راویوں کی طرف باطل روایتیں منسوب کرتا ہے۔ علامہ دار قطنی فرماتے ہیں کہ محدثین اس کو چھوڑ چکے ہیں۔

۲۔ حضرات غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب نسائی شریف کی تعلیقات میں لکھتے ہیں : وحدیث البیھقی ما زالت آہ ضعیف جداً۔ (التعلیقات السلفیۃ۔ ص ۱۰۳) کہ بیہقی کی ما زالت والی روایت تو بہت زیادہ ضعیف ہے۔"

الغرض حضرات غیر مقلدین کا یہ دعویٰ کہ رفع یدین والا عمل باقی ہے کوئی صحیح امر نہیں، چونکہ اس کی

کوئی ٹھوس اور واضح دلیل نہیں ہے۔ اس لئے غیر مقلدین عموماً ایسی روایات پیش کر کے عوام پر رعب جماتے ہیں جن میں صرف رفع یدین کے ثبوت کا ذکر ہے لیکن اس سے تو ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ چونکہ سابقہ مرحلہ میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے ان کا دعویٰ تو اس صورت میں ثابت ہوگا۔ جب وہ اس عمل کے باقی رہنے پر واضح دلیل پیش کریں۔

دوسری حقیقت

رفع یدین کی حقیقت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق تمام احادیث کو پیش نظر رکھا جائے اگر مطلقاً ثبوت والے سابقہ مرحلہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو درج ذیل مقامات پر رفع یدین کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ۱۔ نماز کے شروع میں۔ ۲۔ رکوع کرتے اور اٹھتے ہوئے۔ ۳۔ سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت۔ ۴۔ ہر رکعت کے آغاز میں۔ ۵۔ ہر تکبیر کرتے وقت۔ ۶۔ سلام پھیرتے وقت (اب غور طلب امر یہ ہے کہ اگر حضرات غیر مقلدین رفع یدین کے عمل کو باقی سمجھتے ہیں تو پھر ان تمام مقامات پر رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ بعض جگہ کرنا اور بعض جگہ چھوڑنا اس تفریق کی کیا بنیاد ہے؟) ملاحظہ ہو:

۱۔ عن أنس أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يرفع يديه في الركوع والسجود (وهذا اسناد صحيح جداً) (المحلى۔ ج ۳۔ ص ۲۹۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ میں رفع یدین کرتے تھے۔

۲۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه كان يرفع يديه في كل خفض ورفع۔ (تلخيص الحبير۔ ج ۱۔ ص ۲۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہر اونچ نیچ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

۳۔ احمد شاکر نے حضرت وائل کی روایت میں بحوالہ مسند احمد نقل کیا ہے۔ كلما كبر ورفع ووضع وبين السجدتين۔" (ترمذی محقق۔ ج ۲۔ ص ۴۲)

کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر، ہر اٹھتے بیٹھتے وقت اور سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے۔

۴۔ عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يرفع يديه اذا دخل في الصلوة واذا ركع واذا قال سمع الله لمن حمده واذا سجد وبين الركعتين۔ (المفرد للبخاري) (المحلى۔ ج ۳۔ ص ۲۹۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں، رکوع کرتے اور اٹھتے وقت، سجدہ کرتے وقت اور ہر دو رکعت کے درمیان رفع یدین کرتے تھے۔

تجزیہ :

حضرات غیر مقلدین حدیث پر عمل کے بڑے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ لیکن ان چھ مقامات میں سے اڑھائی مقامات نمبرا۔ نماز کے شروع۔ ۲۔ رکوع کرتے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے آغاز میں تو رفع یدین کرتے ہیں، لیکن ہر سجدہ ہر تکبیر ہر رکعت اور سلام کے وقت رفع یدین نہیں کرتے، آخر کیوں؟

اب واضح ہو گیا کہ رفع یدین کی تمام روایات پر حضرات غیر مقلدین کا اپنا عمل کہاں تک ہے؟ لیکن تعجب ہے کہ جو حضرات دلائل کی بنیاد پر رکوع کے وقت بھی رفع یدین نہیں کرتے ان پر تو انہیں اعتراض ہے، لیکن اپنی حقیقت کی خبر نہیں۔ الغرض ان مؤخر الذکر مقامات میں غیر مقلدین جس بنیاد پر رفع یدین نہیں کرتے اسی بنیاد پر ہم رکوع کے وقت رفع یدین نہیں کرتے اور ان مقامات میں رفع یدین نہ کرنے کی بابت ان کا جو موقف ہے وہی موقف ہم رکوع کے وقت بھی اختیار کرتے ہیں۔

تیسری حقیقت

حضرات غیر مقلدین کے فرقہ پرست واعظ اور مصنف سادہ لوح عوام کو یہ مغالطہ بھی دیتے ہیں کہ رفع یدین کرنے کی روایات تو بخاری و مسلم میں ہیں جب کہ رفع یدین نہ کرنے کی روایات دوسری کتب حدیث میں ہیں لہٰذا بخاری و مسلم کی روایات راجح ہوں گی۔

تجزیہ :

۱۔ اس مسئلہ کی تمام روایات کو پیش نظر رکھنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رفع یدین کرنے کی روایات ابتدائی دور سے متعلق ہیں پھر ان سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ یہ دعویٰ غلط ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی روایات بخاری و مسلم میں نہیں ہیں۔ چونکہ مندرجہ بالا دلائل کے ضمن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صحیح مسلم شریف والی حدیث بیان ہو چکی جس میں رفع یدین سے ممانعت ہے۔

۳۔ غیر مقلدین کا یہ اصول کہ بخاری کی روایت اس لئے راجح ہے کہ وہ بخاری میں ہے ایک عوامی نعرہ تو ہو سکتا ہے لیکن علم حدیث سے اس کا کوئی تعلق نہیں چونکہ خود امام بخاری امام مسلم کو یہ دعویٰ نہیں کہ انہوں نے تمام صحیح روایات کا احاطہ کر لیا ہے بلکہ احادیث صحیحہ کا ایک عظیم ذخیرہ ان کے علاوہ بھی موجود ہے۔ لہٰذا جب صحیح ہونے کی صفت میں اور احادیث بھی شریک ہیں تو پھر یہ دلیل کیسے صحیح ہے کہ بخاری کی روایت اسی لئے راجح ہے کہ وہ بخاری میں ہے۔

فقد قال البخاری ما أدخلت فی کتاب الجامع إلا ما صح وترکت من الصحاح مخافة الطول. وقال مسلم لیس کل شیء عندی صحیح وضعته

هذا انما وضعت هنا ما أجمعوا عليه (تدریب الراوی - ج ۱ - ص ۹۸)

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جامع اپنی صحیح میں صرف صحیح احادیث کو ذکر کیا ہے اور میں نے بہت سی صحیح احادیث کو طوالت کے ڈر سے چھوڑ دیا ہے۔ امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ہر صحیح حدیث کو اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا البتہ جن کو ذکر کیا ہے ان کے صحیح ہونے پر علمائے حدیث کا اتفاق ہے۔

نیز حضرات غیر مقلدین رفع یدین کے مسئلہ میں تو اس نعرہ کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن سورۃ فاتحہ سے پہلے اونچی بسم اللہ پڑھ کر اس نعرہ کو نظر انداز کر کے خود ہی اس کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں چونکہ بخاری و مسلم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے اور کسی ایک صحیح حدیث میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونچی تسمیہ پڑھنا ثابت نہیں ہے لیکن غیر مقلدین پھر بھی تسمیہ اونچی پڑھتے ہیں الغرض یہاں بخاری و مسلم کی روایات کو ترجیح دینے والا اصول کیوں بے اثر ہو جاتا ہے؟

چوتھی حقیقت :

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں احادیث نبویہ کا ایک عظیم ذخیرہ جمع کیا ہے اور ان احادیث کے انتخاب میں انہوں نے جو بلند معیار اپنایا ہے وہ ان کی دوسری تالیفات "رسالہ رفع یدین، اور رسالہ قرأۃ خلف الامام" میں نہیں ہے اس لئے کتب حدیث میں جو حیثیت صحیح بخاری کو حاصل ہے وہ ان کی کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہے حتیٰ کہ ان کو تو صحاح ستہ کے درجہ میں بھی نہیں رکھا گیا۔ چونکہ ان میں بہت سی روایات ضعیف ہیں لیکن غیر مقلدین کے متعصب واعظ رسالہ رفع یدین اور رسالہ قرأۃ خلف الامام کی روایات بیان کر کے بار بار امام بخاریؒ کا نام لے کر سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان روایات کا مقام بھی وہی ہے جو صحیح بخاری شریف کا ہے اور وہ اس حقیقت کو چھپاتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر روایات صحیح بخاری کی نہیں بلکہ امام بخاریؒ کے رسالوں کی ہیں حضرات قارئین متنبہ ہیں۔

پانچویں حقیقت :

حضرات مقلدین عوامی محفلوں میں تو یہ تاثر پھیلاتے ہیں کہ رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنے کی بابت کوئی صحیح حدیث موجود نہیں لیکن میدان تحقیق اور علمی محافل میں وہ بھی یہ حقیقت ماننے پر مجبور ہیں کہ رفع یدین ترک کرنا بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو :

۱۔ مشہور غیر مقلد عالم سید نذیر حسین دہلویؒ لکھتے ہیں : علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی

نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف اوقات میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں.........(آگے دلائل کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں) تعصب مختصر کہ رفع یدین کا ثبوت اور عدم ثبوت دونوں مروی ہیں۔ (فتاوی نذیریہ۔ ج ا۔ ص ١٣١ تا ٤٢٣)

٢- حضرات غیر مقلدین کے مشہور محقق مولانا عطاءاللہ حنیف صاحب نسائی شریف کی تعلیقات میں لکھتے ہیں:

فالوجه أن الحديث ثبت لكن يكفي في اضافة الصلوة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم كونه صلى هذه الصلوة احياناً وان كان المتبادر الإعتياد والدوام فيجب الحمل على كونها كانت أحيانا توفيقاً بين الأدلة ودفعاً للتعارض، وعلى هذا فيجوز أنه صلى الله عليه وسلم ترك الرفع عند الركوع وعند الرفع اما لكون الترك سنة كالفعل أو لبيان الجواز........ والإنصاف في هذا المقام أنه لا سبيل إلى رد روايات الرفع برواية بن مسعود وفعله وأصحابه ودعوى عدم ثبوت الرفع ولا إلى رد روايات الترك بالكلية ودعوى عدم ثبوته (التعليقات السلفيه ص ١٢٣ تا ١٢٦)

حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیث ثابت ہے اور اس سے واضح طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ رفع یدین کے بغیر نماز پڑھتے تھے، لیکن ہم بہرحال اس کی یہی تاویل کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رفع یدین کے بغیر نماز پڑھتے تھے تاکہ دونوں طرح کی احادیث میں تعارض نہ ہے لہٰذا یہی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے لئے جاتے اور اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں سنت ہیں، یا یہ بتانے کے لئے کہ رفع یدین نہ کرنا بھی جائز ہے (مولانا مزید لکھتے ہیں کہ) اس مسئلہ میں انصاف کی بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اور ان کے عمل کی وجہ سے رفع یدین والی روایات کو رد نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی انصاف کی بات ہے کہ رفع یدین نہ کرنے والی روایات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ رفع یدین نہ کرنا ثابت نہیں ہے۔

٣- احمد شاکر نے بھی غیر مقلد ہونے کے باوجود اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے لیکن رفع یدین کے عمل کو یوں ترجیح دی ہے کہ جب بعض احادیث سے ایک مسئلہ ثابت ہوتا ہو اور بعض سے اس کی نفی ہوتی ہو تو ثبوت والی روایات راجح ہوں گی، وہ تحقیق ترمذی میں لکھتے ہیں:

وليس في رواية من روى ترك الرفع الا ما قلنا "أن المثبت مقدم على النافي" (ترمذی محقق۔ ج ٢۔ ص ٤٢)

کہ جن روایات میں رفع یدین نہ کرنے کا ذکر ہے ان میں کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ رفع یدین ثابت کرنے والی روایات ان روایات پہ راجح ہیں جن میں رفع یدین کی نفی ہے۔

تجزیہ :

یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضرات غیر مقلدین کے نامور علماء بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے پہ مجبور ہیں کہ رفع یدین نہ کرنا بھی سنت ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔ رہا ثبوت و نفی کا یہ اصول تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ احادیث صحیحہ میں سجدہ وغیرہ کے وقت رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں۔ لہٰذا مندرجہ بالا اصول کے مطابق رفع یدین کے ثبوت والی روایات کو ترجیح دے کر غیر مقلدین کو ان تمام مقامات پر بھی رفع یدین کرنا چاہیے۔ حالانکہ وہ خود بھی ان مقامات پہ رفع یدین نہیں کرتے۔ آخر یہ اصول یہاں بے اثر کیوں ہو جاتا ہے۔ الغرض جو اصول سجدہ وغیرہ کے وقت رفع یدین کی ترجیح میں اثر انداز نہیں ہوتا وہ صرف رکوع کے وقت رفع یدین کی ترجیح کا باعث کیونکر بن سکتا ہے؟

چوتھی مغالطہ :

حضرات مقلدین کے علمائے کرام سادہ لوح عوام کو یہ کہہ کر بھی مرعوب کرتے ہیں کہ رکوع کرتے اور اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرنا چار سو احادیث میں وارد ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ رفع یدین کی روایات پچاس صحابہؓ سے منقول ہیں نیز حضرات خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ سے بھی منقول ہیں۔

تجزیہ :

۱- ان مقامات پہ رفع یدین کی بابت چار سو احادیث کا یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے ویسے بھی اس بحث کو گلی میدان میں رکھنے کے بجائے حضرات غیر مقلدین سے گزارش ہے کہ علمی میدان میں اس دعوے کو ثابت کریں کہ چودہ سو سال میں کسی ایک شخص نے بھی ان چار سو روایات کو جمع کیا ہو تو وہ مجموعہ منظر عام پہ لائیں یا وہ خود ان چار صد روایات کو جمع کر کے پیش کریں۔ واضح ہے کہ قیامت تک وہ ایسا نہیں کر سکتے۔

۲- جہاں تک رفع یدین کی بابت پچاس صحابہؓ کی روایات کا تعلق ہے تو وہ نماز شروع کرتے وقت ہے رکوع کرتے اور اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے آغاز میں نہیں۔ ملاحظہ ہو :

علامہ شوکانی غیر مقلد ہونے کے باوجود اس حقیقت کے معترف ہیں کہ پچاس صحابہ کرامؓ سے جو رفع یدین منقول ہے وہ ابتدائے نماز سے متعلق ہے۔

"وجمع العراقي عدد من روى رفع اليدين ابتداء الصلوة فبلغوا خمسين صحابيا منهم العشرة المشهود لهم بالجنة" (نيل الأوطار۔ ج ۲۔ ص ۱۹۱)

علامہ عراقیؒ نے نماز کے شروع میں رفع یدین کی روایات نقل کرنے والے صحابہ کو شمار کیا تو ان کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی۔ انہی میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔

- نیز علامہ صنعانی نے غیر مقلد ہونے کے باوجود سبل السلام شرح بلوغ المرام میں اسی حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

"قال المصنف إنه روى رفع اليدين في أول الصلوة خمسون صحابياً منهم العشرة المشهود لهم بالجنة وروى البيهقي عن الحاكم لا نعلم سنة اتفق على روايتها عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الخلفاء الأربعة ثم العشرة المشهود لهم بالجنة فمن بعدهم من الصحابة مع تفرقهم في البلاد الشاسعة غير هذه السنة (سبل السلام ج ۱ ص ۲۴۳)

(شارح بخاری) ابن حجرؒ فرماتے ہیں نماز کے شروع میں رفع یدین کی روایات کو پچاس صحابہؓ نے نقل کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں اور علامہ بیہقی نے حاکم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نماز کے شروع میں رفع یدین کا عمل ایسا ہے کہ اس کے نقل کرنے میں خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور دیگر بہت سے صحابہؓ متفق ہیں باوجودیکہ وہ مختلف شہروں میں پھیل چکے تھے۔

نیز علامہ نیمویؒ کا ارشاد گزر چکا کہ حضرات خلفائے راشدین سے ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین کا عمل ثابت نہیں ہے۔ (آثار السنن۔ ج ۱۔ ص ۱۱۱)

الغرض معلوم ہوا کہ پچاس صحابہؓ سے جو رفع یدین منقول ہے وہ ابتداء نماز سے متعلق ہے۔ اور انہی میں سے خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ بھی ہیں، اب پچاس صحابہؓ سے رفع یدین کا ذکر کرنا اور اس کے مقام و محل کو چھپا کر یہ تاثر دینا کہ یہ رفع یدین رکوع کرتے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے شروع میں تھا ایک واضح علمی خیانت اور امانت و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

ساتویں حقیقت: حضرات غیر مقلدین حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت مالک بن حویرثؓ کی روایات کو بنیاد بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حضرات آخری زمانہ میں تشریف لائے اور انہوں نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جو کیفیت بیان کی ہے اس میں رکوع کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کے آنے تک رفع یدین کا عمل موجود تھا۔

تجزیہ:

اگر ان حضرات کی روایات کو اس لئے بنیاد بنایا جائے کہ وہ آخر میں تشریف لائے تھے تو پھر جہاں جہاں انہوں نے رفع یدین کا عمل نقل کیا ہے۔ غیر مقلدین کو وہاں وہاں رفع یدین کرنا چاہئے، لیکن یہ خود بھی ایسا نہیں کرتے آخر کیوں؟ چونکہ حضرت وائلؓ اور مالک بن حویرثؓ کی روایات میں سجدہ کرتے اٹھتے وقت اور ہر تکبیر کے وقت بھی رفع یدین منقول ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۲- عن مالک بن الحویرث رأی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رفع یدیہ فی الصلوۃ إذا رکع وإذا رفع رأسہ من رکوعہ وإذا سجد و إذا رفع رأسہ من سجودہ۔
(المحلی۔ ج ۳۔ ص ۲۹۲)

حضرت مالک بن حویرثؓ سے منقول ہے کہ انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے رکوع کرتے اور اٹھتے وقت نیز سجدہ کرتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کیا۔

عن وائل بن حجرؓ قال صلیت مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ، ثم سجد ووضع وجہہ بین کفیہ وإذا رفع رأسہ من السجود أیضاً رفع یدیہ۔
(المحلی۔ ج ۳۔ ص ۲۹۲)

حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو اپنے چہرہ مبارک کو دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھا اور جب سجدہ سے سر اٹھایا تو بھی رفع یدین کیا۔

۳- علامہ احمد شاکر نے تحقیق ترمذی میں مسند احمد کے حوالے سے حضرت وائلؓ کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں ہر ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے ملاحظہ ہو۔

ففی روایۃ لأحمد من حدیث وائل بن حجر کلما کبر و رفع ووضع وبین السجدتین۔ (ترمذی محقق : ج ۲۔ ص ۳۲)

مسند احمد میں حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت میں ہے کہ آپؐ ہر تکبیر پر اٹھتے بیٹھتے اور سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے۔

آٹھویں حقیقت :

ذیل میں حضرات غیر مقلدین کے چند دلائل کی تحقیق اور ان کا عمل مختصر بیان کیا جاتا ہے جسے انھوں نے اپنے عوام سے اوجھل رکھا ہوا ہے۔

دلیل نمبر ا- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت :

حضرات غیر مقلدین رفع یدین کے مسئلہ میں عموماً حضرت ابن عمرؓ کی روایات پیش کرتے ہیں۔

تجزیہ :

ان روایات کے نقل کرنے والوں میں سب سے پہلا واسطہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں جو ان روایات کا مفہوم اور ان کا مطلب ہم سے زیادہ بہتر سمجھتے تھے، لیکن ان کا اپنا عمل بھی ان روایات پر کیسا ہے ملاحظہ ہو۔

عن مجاہدؒ قال ما رأیت ابن عمرؓ یرفع یدیہ إلا فی أول ما یفتتح۔
(مصنف ابن أبی شیبہ۔ ج ۱۔ ص ۲۳۷)

(وھذا سند صحیح۔ جوھر النقی۔ ج ۲۔ ص ۷۳)

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

الغرض جب حضرت ابن عمرؓ کے زمانہ میں خود ان کے ہاں یہ روایات رفع یدین کرنے کی بنیاد نہیں تھیں۔ تو بعد کے زمانوں میں انکی روایات کو رفع یدین کی بنیاد کیونکر بنایا جا سکتا ہے ورنہ اگر یہ روایات اپنے ظاہری مفہوم پر ہوں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک صحابی راوی اپنی ہی بیان کردہ حدیث پر عمل نہ کریں۔

(ب) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایات میں دوسری اہم بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ ان کی تمام روایات کو دیکھنے سے درج مقامات پر رفع یدین کرنا ملتا ہے۔ نماز شروع کرتے ہوئے رکوع کرتے اور اٹھتے وقت سجدہ کرتے اور اٹھتے وقت اور ہر رکعت کے شروع میں۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ أنہ کان یرفع یدیہ إذا دخل فی الصلوۃ وإذا رکع وإذا قال سمع اللہ لمن حمدہ وإذا سجد وبین الرکعتین۔

(المفرد للبخاری۔ المحلی۔ ج ۴۔ ص ۹۳)

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ آپ نماز شروع کرتے وقت رکوع کرتے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے وقت، سجدہ کرتے وقت اور ہر دو رکعتوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے۔

واضح رہے کہ سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سجدہ کے وقت رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا اسی طرح حضرت مجاہدؒ والی روایت صحیحہ سے معلوم ہوا کہ ابتداء نماز کے علاوہ آپؓ نے ہر موقع پر رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اسی لئے ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تمام روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے ہیں۔

لیکن جب حضرات غیر مقلدین سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں سجدے کے وقت رفع یدین بھی وارد ہے تو آپ سجدے کے وقت بھی رفع یدین کیوں نہیں کرتے تو وہ کہتے ہیں کہ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بالآخر سجدے کے وقت رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا۔ لہٰذا ہم بھی سجدے کے وقت رفع یدین نہیں کرتے۔ اس موقع پر حضرات غیر مقلدین کی خدمت میں بصد آداب عرض ہے کہ صحیح روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ابتداء نماز کے علاوہ ہر جگہ رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر آپ لوگ اس پر بھی کیوں عمل نہیں کرتے؟ (شاید اپنی مسلکی مجبوری کی وجہ سے)

الغرض حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تمام روایات کو پیش نظر رکھے بغیر مسئلہ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آسکتی۔ لہٰذا آپ کی چند روایات کو لے کر اور باقی کو نظرانداز کر کے رکوع اور تیسری رکعت

کے لئے رفع یدین کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

دلیل نمبر۵۔ حضرات غیر مقلدین عموماً بیان کرتے ہیں کہ رکوع وغیرہ کے وقت رفع یدین کی روایات کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ بعض حقیقت کے ضمن میں ان کے اس پروپیگنڈہ کی حقیقت تو بیان ہو چکی کہ رکوع کے وقت رفع یدین کی روایات پچاس صحابہؓ سے مروی ہیں، یہاں ان کے ایک دوسرے اسلوب کی تحقیق عرض کرنا مقصود ہے کہ حضرت ابوحمید ساعدی نے دس صحابہؓ کی موجودگی میں نماز پڑھی اور اس میں رفع یدین کیا۔ اب حضرات غیر مقلدین تعداد بڑھانے کے لئے اس روایت میں سے دس کے عدد کو لے کر رفع یدین کا عمل نقل کرنے والے مزید چند صحابہؓ کے ساتھ شامل کر دیتے ہیں۔

تجزیہ :

اگر اسی اسلوب سے تعداد کا اندازہ لگانا ہو تو پھر ملاحظہ ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین و امیر المومنین تھے۔ مسجد بالا دلائل کے ضمن میں ان کا عمل گزر چکا کہ وہ ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف اوقات میں ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے اور یہ ایک واضح دلیل ہے کہ رفع یدین کے مسئلہ میں جمہور صحابہؓ کا موقف بھی حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ والا تھا کہ صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرنا چاہئے بعد میں نہیں۔ اسی لئے امام طحاوی فرماتے ہیں۔

وفعل عمرؓ هذا وترك أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اياه على ذلك دليل صحيح على أن هذا هو الحق الذي لا ينبغي لأحد خلافه۔

(طحاوی۔ رفع الیدین)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رفع یدین ترک کرنا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا انہیں اسی عمل پر رہنے دینا ایک واضح دلیل ہے کہ یہی درست بات ہے جس کی مخالفت کسی اور کو بھی نہیں کرنی چاہئے۔

دلیل نمبر۶ : بعض لوگ حضرت سعیدؒ کی ایک ضعیف و کمزور روایت کا سہارا لے کر یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

عن سعيد بن المسيبؒ قال رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلاة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع۔

تجزیہ :

یہ روایت بہت ہی کمزور اور ضعیف ہے چونکہ اس میں ایک راوی رشدین بن سعد ہے اس کی بابت محدثین کا نظریہ ملاحظہ ہو۔

قال ابوزرعة ضعيف قال الجوزجاني عنده مناكير وقال النسائي متروك.

(۱۲۱) دلیل نمبر ۳، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل

عن الأسود قال رأيت عمر بن الخطاب رضي الله عنه يرفع يديه في أول تكبيرة ثم لا يعود. (طحاوی : رفع اليدين. صححه الزيلعي. وهذا رجاله ثقات، دراية. ج ۱. ص ۱۵۲ . وهذا سند صحيح على شرط مسلم الجوهر النقي. ج ۲. ص ۷۵)

قال الطحاويؒ وفعل عمر هذا وترك أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم اياه على ذلك دليل صحيح على ان ذلك هو الحق الذي لا ينبغي لأحد خلافه.

حضرت اسودؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے بعد میں نہیں۔

علامہ زیلعیؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ شارح بخاری علامہ ابن حجرؒ نے اس کے تمام راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ علامہ ترکمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سند صحیح مسلم کے معیار پر صحیح ہے۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اگر صرف اسی حدیث کو ہی بنیاد بنایا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تھے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں ایسا کرتے رہنے دیا تو یہ واضح دلیل ہے کہ یہی وہ صحیح بات ہے جس کی خلاف ورزی کسی اور کو بھی نہیں کرنی چاہئے۔

(۱۲۲) دلیل نمبر ۴، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل

عن عاصم بن كليب عن ابيه أن علياً رضي الله عنه كان يرفع يديه في أول تكبيرة من الصلوة ثم لا يرفع بعد.

(بیهقی : من لم يذكر الرفع إلا عند الإفتتاح)

صححه الزيلعي. قال ابن حجر رواته ثقات. ج ۱. ص ۱۵۲ . قال العيني في العمدة اسناد عاصم صحيح على شرط مسلم.

حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور اس کے بعد رفع یدین نہیں

کرتے تھے۔

علامہ عینی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے شارح بخاری علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں شارح بخاری علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ سند صحیح مسلم کے معیار پر ہے۔

(۱۴۳) دلیل نمبر ۵، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت

عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر رضى الله عنهما فلم يكن يرفع يديه إلا فى التكبيرة الأولى من الصلوة. (طحاوى : باب رفع اليدين)

عن مجاهد قال ما رأيت ابن عمر رضى الله عنهما يرفع يديه إلا فى أول ما يفتتح. مصنف ابن ابى شيبه. ج ۱. ص ۲۳۷. وهذا سند صحيح. الجوهر النقى. ج ۲. ص ۷۴.

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء میں نماز پڑھی میں نے دیکھا کہ وہ صرف نماز شروع کرتے وقت پہلی تکبیر کے موقع پر رفع یدین کرتے تھے۔ علامہ ترکمانی فرماتے ہیں کہ یہ سند صحیح ہے۔

(۱۴۴) دلیل نمبر ۶، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

عن الأسود أن ابن مسعود رضى الله عنه كان يرفع يديه فى اول التكبير ثم لا يعود. (جامع المسانيد. ج ۱. ۳۵۵)

حضرت اسود فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے۔

(۱۴۵) دلیل نمبر ۷، خلفائے راشدین اور رفع یدین

نامور محدث علامہ نیموی اپنی مکمل تحقیق کے بعد یہ نتیجہ بیان کرتے ہیں کہ وأما الخلفاء الاربعة فلم يثبت عنهم رفع الأيدى فى غير تكبيرة الإحرام. (آثار السنن. ج ۱. ص ۱۰۹)

حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے ابتدائی تکبیر کے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانیت کی بزرگ ترین ہستیاں حضرات خلفائے راشدین ہیں۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے سچے متبع تھے کہ آپ نے ان کی سنت کو بھی اپنی سنت کی طرح قابل عمل قرار دیا ہے۔ اب ابتداء نماز کے علاوہ ان کا رفع یدین نہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے اور ان کے نزدیک بھی ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

(۱۲۶) دلیل نمبر ۸، صحابہ رضی اللہ عنہ کا طرز عمل

قال ابو عیسی حدیث ابن مسعود حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من أہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتابعین، وہو قول سفیان واہل الکوفۃ. (ترمذی. رفع الیدین)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث (متعلقہ عدم رفع یدین) درجہ حسن کی ہے اور حضرات صحابہؓ سے اہل علم حضرات کا یہی مسلک ہے نیز بہت سے تابعین حضرت سلیمان، حضرت سفیان اور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔

علامہ ابن عبدالبرؒ التمہید (شرح موطا امام مالکؒ) میں رفع یدین کی بابت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریق کار نقل کرتے ہیں۔

ومما یدل علی أن رفع الیدین لیس بواجب ما اخبر بہ الحسن عن الصحابۃ أن من رفع منہم لم یعب علی من ترکہ.

(التمہید. ج ۹. ص ۲۲۶)

حضرت حسنؒ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بابت فرماتے ہیں کہ ان میں رفع یدین کے قائلین ان صحابہؓ پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔ جنہوں نے رفع یدین کو چھوڑ دیا تھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رفع یدین کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ حضرات صحابہؓ میں بھی مختلف فیہ تھا کہ بعض کے نزدیک ابتداء نماز کے علاوہ بھی رفع یدین کرنا بہتر تھا اور بعض کے نزدیک ابتداء نماز کے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین نہ کرنا بہتر تھا۔ نیز اس مسئلہ میں حضرات صحابہؓ کا عملی موقف بھی سامنے آ گیا کہ ان میں سے رفع یدین کے قائلین رفع یدین نہ کرنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں

کرتے تھے۔

اب اس مسئلہ میں شدت کا پہلو اختیار کرنا اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر اعتراض کرنا ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی اعتراض کرنا ہے۔ نیز جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی رفع یدین نہ کرنے والے صحابہؓ پر کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے تو آج کے دور میں جو شخص بھی رفع یدین نہ کرنے والوں پر اعتراض کرے گا وہ حضرات صحابہؓ کے طریقے سے ہٹا ہوا ہے۔

(۱۲۷) دلیل نمبر ۹، اہل مدینہ اور رفع یدین

استاذ المحدثین امام مالکؒ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے مرکز علم مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے۔ حضرات صحابہؓ وتابعینؒ کا عمل اور احادیث کا عظیم ذخیرہ ان کے سامنے تھا۔ وہ مسائل میں اہل مدینہ کے عمل کو بنیادی اہمیت دیتے تھے۔ امام مالکؒ کے مشہور شاگرد ابن قاسمؒ رفع یدین کی بابت ان کا تجزیہ نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قال مالک لا أعرف رفع اليدين في شيء من تكبير الصلوة لا في خفض ولا في رفع إلا في افتتاح الصلوة قال بن قاسم وكان رفع اليدين عند مالک ضعيفاً. (المدونة الكبرى. ج ۱. ص ۷۱)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نماز کی ابتداء کے علاوہ کسی تکبیر یا اونچ نیچ کے وقت رفع یدین کو نہیں جانتا۔ ابن قاسم فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ ابتدائی تکبیر کے علاوہ رفع یدین کے مسلک کو ضعیف قرار دیتے تھے۔

(۱۲۸) دلیل نمبر ۱۰، حضرت ابراہیم نخعیؒ کا ارشاد

عن ابراهيم أنه قال لا ترفع الأيدي في شيء من صلاتك بعد المرة الأولى. (جامع المسانيد. ج ۱. ص ۳۵۳)

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرکے بعد میں کسی جگہ نہ کرو۔

(۱۴۹) نتائج

اس علمی تحقیق و تجزیہ کے بعد درج ذیل حقائق ثابت ہوئے۔

نمبر۱۔ نبوی تعلیمات کی رو سے نماز کے دوران رفع یدین نہ کرنا بہتر ہے۔ چونکہ خشوع کا تقاضا بھی یہی ہے۔

نمبر۲۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے ساتھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز کی ابتداء میں رفع یدین کرتے تھے۔ بعد میں نہیں۔

نمبر۳۔ حضرت جابرؓ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں رفع یدین کرنے سے روک دیا تھا۔

نمبر۴۔ خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایات صحیحہ سے معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ میں امت اسلامیہ کے ان ذمہ دار حضرات کے نزدیک بھی رفع یدین نہ کرنا زیادہ صحیح اور راجح تھا، نیز حضرات صحابہؓ کا ان کو اسی عمل پر رہنے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ جمہور صحابہؓ کا مسلک بھی یہی ہے۔

نمبر۵۔ خلفائے راشدین سے ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے۔

نمبر۶۔ خلفائے راشدین کا زمانہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہے اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر آپؐ کے جانشینوں کا رفع یدین نہ کرنا اس بات کی واضح علامت ہے کہ ان کے نزدیک بھی آپ کا آخری عمل رفع یدین نہ کرنے کا تھا۔

نمبر۷۔ رفع یدین کرنے یا نہ کرنے میں حضرات صحابہؓ کا بھی اختلاف تھا، دلائل کی روشنی میں ان حضرات صحابہؓ کا مسلک زیادہ وزنی اور راجح ہے جن کے نزدیک رفع یدین نہ کرنا بہتر ہے۔

نمبر۸۔ سند صحیح سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے چونکہ وہ مسئلہ رفع یدین کی صورت حال اور اس کے پس منظر سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا اب رفع یدین کرنے کے لئے حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے حضرات کی روایات کو پیش نظر نہیں کیا جا سکتا۔

رکوع

(۱۳۰) قرأت سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه انه كان يصلي بهم فيكبر كلما خفض ورفع فاذا انصرف قال إني لا شبهكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم. (بخاري. باب اتمام التكبير في الركوع)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نماز ادا کرتے تو جب بھی (کسی رکن کی ادائیگی کے لئے) اوپر یا نیچے ہوتے تو تکبیر کہتے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ میری یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح ہے۔

رکوع میں پشت کو سیدھا رکھے

(۱۳۱) جب رکوع میں جائے تو کمر کو سیدھا رکھے، سر کو اس کے برابر رکھے نہ تو اس سے اونچا کرے نہ نیچا کرے۔

عن أبي مسعود الانصاري رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجزئ صلاة لا يقيم الرجل فيها يعني صلبه في الركوع والسجود. حسن صحيح. (ترمذي: من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ نماز کافی نہیں جس میں نمازی رکوع میں اپنی کمر کو سیدھا نہ رکھے۔

رکوع کی مسنون کیفیت

(۱۳۲) تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جائے کمر اور سر کو برابر رکھے، ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے، کہنیوں کو جسم سے ہٹائے، اطمینان سے رکوع کرے۔

عن سالم البراد أتينا أبا مسعود الانصاري فقلنا له حدثنا عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم: فقام بين ايدينا في المسجد فكبر فلما ركع وضع يديه على ركبتيه وجعل اصابعه اسفل من ذلك وجافى بين مرفقيه حتى استقر كل شيء منه ثم قال سمع الله لمن حمده فقام حتى

استقر كل شيء منه ثم كبر وسجد ووضع كفيه على الارض ثم جافى بين مرفقيه حتى استقر كل شيء منه ثم رفع رأسه فجلس حتى استقر كل شيء ثم صلى اربع ركعات مثل هذه الركعة فصلى صلاته ثم قال هكذا رأينا رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي.

(ابوداؤد : صلوة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود)

حضرت سالم البراد فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بتائیں۔ حضرت ابومسعود مسجد میں ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ تکبیر کہی، جب رکوع کیا تو ہاتھوں کو گھٹنوں پر اس طرح رکھا کہ انگلیاں گھٹنوں سے نیچے اور کہنیاں کوکھ سے فاصلہ پر تھیں، تا آنکہ ہر عضو میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے، تا آنکہ ہر عضو میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں گئے، ہاتھوں کو زمین پر رکھا اور کہنیوں کو جسم سے علیحدہ رکھا تا آنکہ اعضاء میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور بیٹھ گئے تا آنکہ اعضاء میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ اس طرح چار رکعات پڑھ کر نماز مکمل کی، پھر فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

رکوع کی تسبیح

(۱۳۳) رکوع میں جا کر تین یا پانچ دفعہ تسبیح پڑھے۔

سبحان ربي العظيم.

میرا رب جس کی بڑی شان ہے۔ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔

عن عقبة بن عامرؓ قال لما نزلت فسبح باسم ربك العظيم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اجعلوها في ركوعكم فلما نزلت سبح اسم ربك الاعلى قال اجعلوها في سجودكم.

(وهو صحيح الاسناد : زيلعي ابوداؤد : ما يقول الرجل في ركوعه)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

"فسبح باسم ربك العظيم" تو آپ نے فرمایا کہ اس تسبیح کو رکوع میں رکھو اور جب یہ آیت نازل ہوئی۔ "سبح اسم ربك الاعلى" تو آپ نے فرمایا کہ اس تسبیح کو سجدوں میں پڑھا کرو۔

عن حذيفة أنه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم فكان يقول في ركوعه سبحان ربي العظيم وفي سجوده سبحان ربي الأعلى.

(حسن صحيح) (ترمذی : ماجاء في التسبيح في الركوع)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ رکوع میں سبحان ربي العظيم اور سجدہ میں سبحان ربي الاعلىٰ کہتے تھے۔

(۱۳۴) تسمیع وتحمید

(الف) پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے اور ربنا لک الحمد کہے۔ باجماعت نماز ہو تو امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه.... وفيه ثم يقول صلى الله عليه وسلم سمع الله لمن حمده حين يرفع صلبه من الركعة ثم يقول وهو قائم ربنا لك الحمد.... الحديث. (بخاری : باب التكبير إذا قام من السجود)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور کھڑے ہو کر ربنا لک الحمد کہتے۔

(ب) ربنا لک الحمد کے بعد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ پڑھنا مستحب ہے اس کی بڑی فضیلت ہے۔

عن رفاعة الزرقي قال كنا يوماً نصلي وراء النبي صلى الله عليه وسلم فلما رفع رأسه من الركعة قال سمع الله لمن حمده. قال رجل وراءه ربنا لك الحمد حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه فلما انصرف قال من المتكلم؟ قال أنا. قال رأيت بضعة وثلاثين ملكاً يبتدرونها أيهم يكتبها أولاً. (بخاری : فضل اللهم ربنا ولك الحمد)

حضرت رفاعہ زرقی فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے

نماز پڑھ رہے تھے جب آپ رکوع سے اٹھے تو سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہا، ایک مقتدی نے کہا۔ "ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ" آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: یہ الفاظ کس نے کہے؟ ایک شخص نے عرض کیا۔ "جی میں نے" آپ نے فرمایا میں نے تیس (۳۰) سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کو لکھنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔

سجدہ

(۱۳۵) پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں چلا جائے۔ سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے زمین پر رکھے پھر ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے اس کے برعکس دوران سجدہ کہنیوں کو جسم سے علیحدہ رکھے۔

عن وائل بن حجر قال رأیت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا سجد وضع رکبتیہ قبل یدیہ واذا نھض رفع یدیہ قبل رکبتیہ۔

(ترمذی: ماجاء فی وضع الیدین قبل الرکبتین فی السجود)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سجدہ کرتے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے اور اٹھتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے۔

سجدہ کی تسبیح

(۱۳۶) سجدہ میں جا کر یہ تسبیح پڑھے

سبحان ربی الأعلی۔

میرا رب بلند مرتبے والا ہر برائی سے پاک ہے۔

عن حذیفۃ رضی اللّٰہ عنہ انہ صلی مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فکان یقول فی رکوعہ سبحان ربی العظیم، وفی سجودہ سبحان ربی الأعلی۔ (حسن صحیح) (ترمذی: ماجاء فی التسبیح فی الرکوع)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ

نے رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الأعلی پڑھا۔
سجدہ میں کہنیاں زمین پر نہ بچھائے کیونکہ یہ آداب سجدہ کے خلاف ہے۔

عن انس عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اعتدلوا فی السجود ولا یبسط احدکم ذراعیہ انبساط الکلب.

(مسلم : الاعتدال فی السجود)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ سجدہ میں اعتدال کرو۔ اور تم میں سے کوئی بھی سجدہ میں کہنیوں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

اعضائے سجدہ

(۱۳۷) سجدہ سات اعضاء کو زمین پر لگا دینے کا نام ہے۔ اگر کوئی عضو بھی زمین سے بلند رہے گا تو اسی وجہ سے سجدہ ناقص شمار ہوگا۔ اعضاء سجدہ کا ذکر حدیث میں ہے۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ قال قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم "امرت ان اسجد علی سبعۃ اعظم علی الجبھۃ واشار بیدہ علی انفہ والیدین والرکبتین، واطراف القدمین، ولا نکفت الثیاب والشعر.

(بخاری : باب السجود علی الانف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی پر اور آپ نے ناک کی طرف بھی اشارہ کیا، دونوں ہاتھوں پر، دونوں گھٹنوں پر، دونوں پاؤں کی انگلیوں پر اور (ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ) ہم نماز میں کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔

(۱۳۸) (الف) دوران سجدہ ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر زمین پر رکھے تاکہ ان کا رخ قبلہ کی طرف رہے۔

عن وائل بن حجر ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا رکع فرج بین اصابعہ وإذا سجد ضم اصابعہ. (حاکم. صحیح علی شرط مسلم)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں انگلیوں کو کھول کر رکھتے اور سجدہ میں انگلیوں کو ملا کر رکھتے۔

(ب) ہتھیلیاں کندھوں کے برابر رکھے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر رہیں۔ چونکہ اس طرح دونوں قسم کی روایات پر عمل ہو جائے گا۔

۱ – عن ابی حمید الساعدی أن النبی صلی الله علیه وسلم کان إذا سجد امکن انفه وجبهته الارض ونحی یدیه عن جنبه ووضع کفیه حذو منکبیه. (ترمذی: ما جاء فی السجود علی الجبهة والأنف)

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں ناک اور پیشانی کو خوب لگا کر رکھتے اور ہاتھ کندھوں کے برابر رکھتے۔

۲ – عن ابی اسحاق قال قلت للبراء بن عازب أین کان النبی صلی الله علیه وسلم یضع وجهه إذا سجد؟ فقال بین کفیه.

(حسن) (ترمذی: ماجاء این یضع الرجل وجهه)

حضرت ابواسحاق نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرۂ انور کو سجدہ میں کہاں رکھتے تھے؟
آپ نے فرمایا دونوں ہاتھوں کے درمیان۔

جلسہ

(۱۳۹) پھر تکبیر کہتا ہوا سیدھا بیٹھ جائے، اس دوران یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔
اللّٰهم اغفرلی، وارحمنی، واجبرنی، واهدنی، وارزقنی.
(ترمذی: ما یقول بین السجدتین)
پھر تکبیر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کرے۔ اب ایک رکعت مکمل ہو گی۔

قیام

(۱۴۰) (الف) دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر پھر دوسری رکعت کے لئے سیدھا کھڑا ہو جائے چونکہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اسلاف امت کا اجماع اس پر ہے کہ جلسۂ استراحت نہ کرے۔

عن ابن سهل الساعدی وفیه، ثم کبر فسجد ثم کبر فـ ل ولم

يتورك صفحة السهوى. (ابو داؤد : من ذكر التورك في الرابعة)۔

حضرت سہل کے صاحبزادے سعد ساعدی کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہوگئے۔

(ب) عمل صحابہؓ

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بابت فرماتے ہیں :

"فرأيته، ينهض على صدور قدميه ولا يجلس إذا صلى في أول ركعة حين يقضي السجود." (بيهقي : من قال يرجع على صدور قدميه)

''کہ میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پہلی رکعت میں بیٹھتے نہ تھے، بلکہ سیدھے کھڑے ہوجاتے تھے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہم کا بھی یہی عمل تھا کہ آپ بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہوجاتے۔ (جوہر النقی ۔ ج ۲ ۔ ص ۱۲۵)

شارح بخاری ابن حجر نقل کرتے ہیں :

عن النعمان بن ابي عياش : أدركت غير واحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان أحدهم إذا رفع رأسه من السجدة الثانية من الركعة الأولى والثالثة نهض كما هو ولم يجلس۔

(الدراية. ج ا. ص ۱۴۷)

حضرت نعمان بن ابی عیاش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اٹھتے تو بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہوجاتے تھے۔

اور یہی منقول ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔

(زیلعی : نصب الرایہ ۔ ج ۱ ۔ ص ۳۸۹)

(ج) اجماع امت

اسلاف امت کا اجماع واتفاق اس بات پر ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے بعد بیٹھے بغیر سیدھا کھڑا ہوجانا چاہیے۔

اجمعوا أنه إذا رفع رأسه من آخر سجدة من الركعة الأولى والثالثة نهض ولم يجلس إلا الشافعي. (جوهر النقي، ج ۲، ص ۱۲۶)

امام شافعیؒ کے سوا تمام اسلاف کا اجماع ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑا ہوجائے۔ (۱)

---

(۱) جلسہ استراحت کوئی مسنون عمل نہیں۔ ذخیرہ احادیث میں جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کی ہے ان میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں ملتا۔

البتہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جلسہ استراحت فرماتے تھے، جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ جلسہ استراحت نہیں فرماتے تھے۔

امام طحاوی اس مضمون کی تمام احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

فلما تخالف الحديثان احتمل أن يكون ما فعله في حديث مالك بن الحويرث لعلة كانت به فقعد من أجلها لا لأن ذلك من سنة الصلوٰة وقال ولو كانت هذا الجلسة مقصودة لشرع لها ذكر مخصوص۔

کہ جب دونوں حدیثوں میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے تو اس کا حل یہی ہے کہ آپ نے کسی خاص ذاتی کیفیت کی وجہ سے یہ جلسہ فرمایا ہوگا نہ اس لئے کہ یہ نماز کی سنت ہے اور اگر یہ جلسہ نماز میں مطلوب ہوتا تو خاص طور پر اس کا وظیفہ و تذکرہ ضرور ہوتا۔

امام طحاویؒ کے اس فرمان کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے خود یہ فرمایا کہ بڑھاپے کے سبب اب میں جسیم ہوگیا ہوں۔ لہٰذا اسی دور میں اس خاص کیفیت کے پیش نظر پہلے بیٹھ کر پھر کھڑے ہوتے تھے۔

ملاحظہ ہو: عن معاوية بن أبي سفيان رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تبادروني بالركوع ولا بالسجود فمهما اسبقكم به إذا ركعت تدركوني به إذا رفعت ومهما اسبقكم إذا سجدت تدركوني به إذا رفعت إني قد بدنت۔ (ابن ماجه: النهي أن يسبق الامام بالركوع)

دوسری رکعت کو پہلی رکعت کی طرح مکمل کرے بس اس میں ثنا و تعوذ نہ پڑھے۔ صرف سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ کر رکوع و سجدہ کرے۔

قعدہ (بیٹھنا)

(۱۳۱) دوسری رکعت میں دونوں سجدوں کے بعد تشہد کے لئے بیٹھ جائے بیٹھنے کی مسنون ترکیب ملاحظہ ہو۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا وفیہ وکان یقول فی کل رکعتین التحیۃ وکان یفرش رجلہ الیسریٰ وینصب رجلہ الیمنیٰ..... الحدیث

(مسلم : صفۃ الصلوۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات کے لئے بیٹھنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس مضمون کی جملہ روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولو کان ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم فعلھا دائما لذکرھا کل واصف لصلاتہ ومجرد فعلہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدل علی أنھا من سنن الصلاۃ الا إذا علم أنہ جعلھا سنۃ یقتدیٰ بہ فیھا وأما إذا قدر أنہ فعلھا للحاجۃ لم یدل علی کونھا سنۃ من سنن الصلوۃ۔

(ملخص زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۲۴۰)

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ ہمیشہ جلسہ استراحت کی ہوتی تو یقیناً ہر وہ شخص اس کا ذکر کرتا جس نے آپ کی نماز کی کیفیت بیان کی ہے اور فقط آپ کا یہ عمل کر لینا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ نماز کی سنت ہے۔ الا یہ کہ جب معلوم ہو کہ آپ نے یہ عمل بطور سنت کیا ہے تا کہ لوگ بھی ایسا کریں۔ البتہ جب یہ معلوم ہو کہ آپ نے یہ عمل کسی ذاتی ضرورت کے پیش نظر کیا ہے پھر تو اس سے قطعاً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ نماز کی سنتوں میں سے ایک ہے۔

الغرض اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ : ذخیرہ احادیث میں جلسہ استراحت کا ذکر ایک مسنون عمل کی حیثیت سے نہیں ملتا، چونکہ آخری عمر میں جلسہ استراحت کرنا ایک ذاتی کیفیت بڑھاپے کی وجہ سے تھا اس لئے امت کا اجماع ہے کہ یہ جلسہ سنت نہیں ہے۔

تشہد

(١٣٢) قعدہ میں یہ تشہد پڑھے

التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین، اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ.

سب زبانی عبادتیں، سب بدنی عبادتیں اور سب مالی عبادتیں صرف اللہ کے لئے ہیں اے نبی! آپ پر سلام ہو، اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بندگی کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عن عبداللہ قال کنا نقول خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "السلام علی اللہ السلام علی فلان، فقال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات یوم إن اللہ هو السلام فإذا قعد أحدکم فی الصلوٰۃ فلیقل التحیات للہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین، فإذا قالہا أصابت کل عبداللہ صالح فی السماء والارض اشہد ان لا إلہ إلا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ ثم یتخیر من المسألۃ ماشاء.

(مسلم : التشہد فی الصلاۃ۔ بخاری : التشہد فی الاخرۃ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں ہم پڑھا کرتے" اللہ پر سلامتی ہو، فلاں پر سلامتی ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سلامتی ہے۔ جب تم نماز میں بیٹھو تو یہ پڑھا کرو۔ التحیات للہ والصلوات والطیبات.......پھر جو دعا چاہے مانگے۔

انگلی کا اشارہ

(١٣٣) انگوٹھے کے پاس والی انگلی کو شہادت کی انگلی کہتے ہیں، چونکہ جب نمازی

نماز میں اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے تو یہ انگلی بھی یہی شہادت دیتی ہے۔ لہٰذا جب اشہد ان لا الہ پر پہنچے تو ہاتھ کی بڑی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے۔ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے اور الا اللہ پر انگلی کو نیچے کرے اور یہ حلقہ آخر تک بنائے رکھے۔

عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا قعد یدعو وضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی ویدہ الیسری علی فخذہ الیسری وأشار باصبعہ السبابۃ ووضع ابہامہ علی اصبعہ الوسطی ویلقم کفہ الیسری رکبتہ.

(مسلم : صفۃ الجلوس فی الصلاۃ)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لئے بیٹھتے تو دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے (۱) اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی سے ملا لیتے۔

قیام

(۱۴۳) اب اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہو تو تشہد کے بعد سیدھا کھڑا ہو جائے اور حسب سابق باقی تمام نماز مکمل کرے، البتہ فرائض کی تیسری چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورۃ نہ ملائے۔ سنن ونوافل میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بھی ملائے۔

عن عبداللہ بن أبی قتادۃ عن أبیہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان

(۱) بعض لوگ انگلی سے اشارہ کے بجائے انگلی کو ہلاتے رہتے ہیں۔ شاید ان کی نظر صرف اس حدیث پر ہو۔

عن وائل بن حجر........ وفیہ، ثم قبض ثلاثۃ من أصابعہ وحلق حلقۃ ثم رفع اصبعہ فرأیتہ یحرکہا یدعو بہا۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین انگلیوں کو ملا کر حلقہ بنا لیا ایک کو اٹھایا۔ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ہلاتے دعا کرتے۔

عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یشیر باصبعہ إذا دعا لا یحرکہا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

يقرأ في الظهر في الأوليين بأم الكتاب وسورتين في الركعتين الأخريين بأم الكتاب، ويسمعنا الآية......... الحديث

(بخاری: يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب)

حضرت عبداللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور آخر دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی ایک آیت ہمیں بھی سناتے۔

درود شریف

(۱۳۵) اگر دو رکعت والی نماز ہو تو تشہد کے بعد درود شریف پڑھے۔ اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہو تو تیسری یا چوتھی رکعت پڑھ کر آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھے۔

اللّٰهم صلي على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم إنك حميد مجيد، اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد.

ارشاد نبویؐ ملاحظہ ہو

عن كعب بن عجرة وفيه.....قال: قولوا "اللّٰهم صل على محمد وعلى

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا پڑھتے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے اس کو ہلاتے نہیں تھے۔ اب جو لوگ اشارہ میں انگلی کو ہلاتے ہیں بزعم خویش وہ پہلی حدیث پر عمل کرتے ہیں، لیکن دوسری کا خلاف کرتے ہیں۔

حالانکہ اس مضمون کی تمام احادیث پیش نظر ڈالی جائیں۔ اسی لئے امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يحتمل أن يكون مراده بالتحريك الاشارة بها لا تكرير تحريكها فيكون موافقاً لرواية ابن الزبير- (سنن بيهقي)

"کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تحریک سے مراد اشارہ ہے نہ کہ اس کو ہلاتے ہی رہنا۔ اس طرح وہ حدیث بھی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہو جائے گی۔"

آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید.
اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی
آل ابراھیم انک حمید مجید.

(بخاری: کتاب احادیث الانبیاء(باب))

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم یہ کہا کرو۔ ترجمہ: "اے اللہ حضرت محمدؐ اور آپ کی آل پر رحمت بھیج، جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر رحمت بھیجی۔ یقیناً تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔ اے اللہ حضرت محمدؐ اور آپ کی آل پر برکت نازل فرما۔ جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر برکت نازل کی۔ یقیناً تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔"

دعا

(۱۳۶)(الف) درود کے بعد مسنون دعاؤں میں سے جو دعا چاہے مانگ سکتا ہے۔ ایک سے زائد دعائیں بھی مانگ سکتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے۔ "ثم یتخیر من المسئلة ماشاء" (مسلم)
"پھر جو دعا چاہے مانگ سکے۔"

(ب) دعا ابراہیمی

رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب.

(سورۃ ابراھیم ۴۰، ۴۱)

اے رب مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا، اے رب ہماری دعا قبول کر، اے رب قیامت کے دن مجھے اور میرے ماں باپ اور تمام مومنوں کو معاف کر۔

(ج) ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار.

(سورہ بقرۃ ۲۰۱)

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نعمت دے اور آخرت میں ثواب دے اور دوزخ

کی آگ سے بچا۔

(د) عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ انہ قال لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علمنی دعاءً ادعو بہ فی صلاتی قال "قل" اللھم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم۔

(بخاری : باب الدعاء قبل السلام)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیں جو نماز میں مانگا کروں، آپ نے فرمایا۔ "یہ دعا مانگا کرو۔"

(ترجمہ) اے اللہ میں نے تو اپنے آپ پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کو بخشنے والا تیرے سوا کوئی ہے نہیں بس اپنے خاص فضل وکرم سے میری مغفرت کردیجئے اور میرے ساتھ مزید رحم کا معاملہ کیجئے، بیشک صرف تو ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

سلام

(۱۴۷) درود شریف کے بعد دعا مانگ کر دائیں اور بائیں طرف منہ موڑتے ہوئے کہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ تم پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔

عن عامر بن سعد عن ابیہ قال کنت اری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسلم عن یمینہ وعن یسارہ حتی اری بیاض خدہ۔

(مسلم : السلام التحلیل من الصلوٰۃ عند فراغھا)

حضرت عامر کے والد فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا کہ آپ دائیں بائیں سلام پھیرتے ہیں حتی کہ میں آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی کو بھی دیکھتا۔

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کان یسلم عن یمینہ وعن یسارہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

(حسن صحیح) (الترمذی : ماجاء فی التسلیم فی الصلوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیکم ورحمۃ اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے۔

امام لوگوں کی طرف متوجہ ہو

(۱۴۸) اگر باجماعت نماز ہو تو امام کو چاہیئے کہ سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے۔

عن سمرۃ بن جندب قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا صلی صلوۃ اقبل علینا بوجھہ. (بخاری : یستقبل الإمام الناس إذا سلم)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے۔

مسنون تسبیح

(۱۴۹) نماز سے فارغ ہو کر ان مسنون تسبیحات کا پڑھنا بہت فضیلت کا باعث ہے۔

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان فقراء المھاجرین اتوا رسول اللہ علیہ وسلم فقالوا ذھب أھل الدثور بالدرجات العلی والنعیم المقیم فقال وما ذاک قالوا یصلون کما نصلی، یصومون کما نصوم ویتصدقون ولا نتصدق ویعتقون ولا نعتق فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أفلا أعلمکم شیئاً تدرکون بہ من سبقکم وتسبقون بہ من بعدکم ولا یکون أحد أفضل منکم، الا من صنع مثل ما صنعتم قالوا بلی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تسبحون وتکبرون وتحمدون دبر کل صلاۃ ثلاثاً وثلاثین مرۃ، قال أبو صالح فرجع فقراء المھاجرین

إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا سمع اخواننا أهل الاموال بما فعلنا فصنعوا مثله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

(مسلم: استحباب الذكر بعد الصلاة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فقراء مہاجرین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مالدار لوگ تو اعلیٰ درجات اور جنت کی نعمتوں میں ہم سے سبقت لے گئے۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نماز روزہ میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہیں لیکن وہ مالی خیرات کرتے ہیں جو ہم نہیں کرسکتے اور غلام خرید کر آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کرسکتے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ایسی چیز بتاؤں کہ جس سے تم بھی سبقت لے جانے والوں کے برابر ہو جاؤ اور اپنے بعد والوں کے علاوہ اور کوئی تم سے افضل نہ رہے۔ انہوں نے عرض کیا ضرور آپ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر ۳۳ بار پڑھا کرو۔

حضرت ابو صالح کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد پھر فقراء مہاجرین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی ہماری طرح یہ عمل شروع کردیا، ارشاد ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

عن كعب بن عجرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال معقبات لا يخيب قائلهن أو فاعلهن، ثلاث وثلاثون تسبيحة وثلاث وثلاثون تحميدة، وأربع وثلاثون تكبيرة دبر كل صلاة.

(مسلم: استحباب الذكر بعد الصلاة)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر نماز کے بعد یہ تسبیحات پڑھنے والا کبھی ناکام نہیں ہوگا۔ (ہمیشہ کامیاب ہوگا) سبحان اللہ ۳۳ دفعہ، الحمدللہ ۳۳ دفعہ، اللہ اکبر ۳۴ دفعہ۔

دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا

(۱۵۰) نماز کے بعد دعا کی قبولیت کا وقت ہے اس وقت رب ذوالجلال کے حضور ہر قسم کی دعا کرسکتا ہے عربی میں ہو یا اپنی زبان میں بس اس دعا کو سمجھ کر اخلاص اور حضوری قلب کے ساتھ کرنا چاہیے۔ اس وقت دعا کرنا مستحب ہے جو نماز کا لازمی (۱) حصہ نہیں ہے۔

عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ قال إن اللہ حی کریم یستحی ان یرفع الرجل الیہ یدیہ أن یرد ھما صفراً (ترمذی)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی حیا کرنے والا ہے کریم ہے جب بندہ اللہ کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالی کو حیا آتی ہے کہ وہ اس ہاتھ کو خالی واپس کریں۔

عن محمد بن ابی یحیی قال رایت عبد اللہ بن الزبیر ورای رجلاً رافعاً یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ منھا قال إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلاتہ رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات. (مجمع الزوائد. ج ۱۰، ص ۱۶۹)

---

(۱) فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی بابت بعض لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ بعض تو اس کو نماز کا ایک جز شمار کرتے ہیں جب کہ بعض دوسرے لوگ اس کو ناجائز اور بدعت کہتے ہیں حالانکہ:

(الف) حافظ عبد اللہ روپڑی صاحب فرماتے ہیں:

"فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر جو دعا مانگی جاتی ہے وہ شرعاً درست ہے"۔

عبد اللہ روپڑی: فتاوی اہل حدیث ج ۲، ص ۱۹۰

(ب) نیز میاں نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں:

"صاحب فہم پر مخفی نہیں کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز مستحب ہے اور یہ غلطی ہے (جو اس کو بدعت کہتا ہے۔)

نذیر حسین: فتاوی نذیریہ ج ۱، ص ۵۶۶

(ج) نیز مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں:

"بعد نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بعض روایات میں ثابت ہے۔

ثناء اللہ امرتسری: فتاوی ثنائیہ ج ۱، ص ۵۱۷

حضرت محمد بن ابی یحییٰ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز مکمل کرنے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ نماز سے فارغ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔ (اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔)

عن سلمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رفع قوم اکفھم الی اللہ عزوجل یسألونہ شیئاً الا کان حقاً علی اللہ ان یضع فی ایدیھم الذی سألوا. رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح.

(مجمع الزوائد ج ۱۰۔ ص ۱۶۹)

حضرت سلمانؓ سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی کچھ لوگ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں تو اللہ ضرور ان کے ہاتھوں میں وہ چیز ڈال دیتے ہیں جو انہوں نے مانگی ہے۔

عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر ودبر الصلوت المکتوبات.

(حسن) (ترمذی: کتاب الدعوات)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔

تیسری حدیث سے معلوم ہوا کہ اجتماعی دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

چوتھی حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد قبولیت دعا کا وقت ہے اسے ضائع نہ کرنا چاہئے۔

مسنون دعائیں

(۱۵۱) عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا انصرف من صلاتہ استغفر ثلاثا وقال "اللھم أنت السلام ومنک السلام تبارکت ذاالجلال والإکرام۔

(مسلم: استحباب الذکر بعد الصلوۃ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ استغفار پڑھتے اور پھر فرماتے۔ اللّٰھم أنت السلام ومنک السلام تبارکت ذاالجلال والإکرام۔

دعا کرنے کا طریقہ

(۱۵۲) دعا کے شروع وآخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا چاہیے۔ انہماک توجہ حضوری قلب کے ساتھ گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہیے اور اس یقین کے ساتھ دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو سن رہا ہے اور قبول کرتا ہے وہی مشکلات کو حل کرتا ہے۔ پریشانیوں کو رفع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی دعاؤں کو سننے والا، ان کو قبول کرنے والا اور مشکلات کو حل کرنے والا نہیں ہے۔

عن عبداللہ قال کنت أصلی والنبی صلی اللہ علیہ وسلم وأبوبکر وعمر معہ فلما جلست بدأت بالثناء علی اللہ ثم الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت لنفسی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: سل تعطہ، سل تعطہ۔

(حسن صحیح) الصلاۃ والسلام قبل الدعاء (ترمذی)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تھے۔ جب میں نماز پڑھ کر بیٹھ گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کی پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر اپنے لئے دعا کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب اللہ تعالیٰ سے مانگ تجھے دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سے مانگ تجھے دیا جائے گا۔

(الف) سجدۂ سہو

(۱۵۳) اگر نماز کے فرائض میں سے کوئی فرض بھولے سے پہلے ادا ہو جائے یا اس کی ادائیگی میں کچھ تاخیر ہو جائے یا کوئی واجب چھوٹ جائے یا رکعتوں کی صحیح تعداد بھول جائے تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور نئے سرے سے ادا کرنی پڑے گی۔

(ب) سجدۂ سہو کا طریقہ

قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد ایک طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے، پھر تشہد درود شریف و دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔

عن عبدالله رضي الله عنه: قال السهو أن يقوم في قعود، أو يقعد في قيام أو يسلم في الركعتين، فإنه يسلم ثم يسجد سجدتي السهو، ويتشهد ويسلم. (طحاوی: باب سجود السهو في الصلوة)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھول یہ ہے کہ نمازی بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہو جائے یا کھڑا ہونے کے بجائے بیٹھ جائے یا (تین چار رکعت والی نماز میں) دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے تو ایسا شخص سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما انس رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہم حضرات سے بھی سلام کے بعد سجدہ سہو منقول ہے۔

(طحاوی: باب سجود السهو في الصلاة)

عن عبدالله رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى الظهر خمساً فقيل له: أزيد في الصلوة فقال وما ذاك قال صليت خمساً فسجد سجدتين بعد ما سلم. (بخاری: باب إذا صلى خمساً)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھ لیں تو آپ سے عرض کیا گیا" کیا نماز میں اضافہ ہوگیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کیا ہوا؟ عرض کیا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ تو آپ نے سلام پھیرنے کے بعد سجدہ سہو فرمایا۔"

عن عمران بن الحصين رضي الله عنه .قال سلم رسول الله صلى الله عليه وسلم في ثلاث ركعات من العصر ثم قام فدخل الحجرة فقام رجل بسيط اليدين فقال أقصرت الصلوة يا رسول الله صلى الله عليه وسلم فخرج مغضباً فصلى الركعة التي كان ترك ثم سلم ثم سجد سجدتي السهو ثم سلم. (مسلم: السهو في الصلاة والسجود له)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا پھر آپ اٹھے اور کمرہ میں چلے گئے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔" یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا نماز میں تخفیف ہوگئی؟ تو آپ اسی غصہ کی حالت میں واپس آئے اور متروک رکعت ادا کی۔ پھر سلام پھیر کر سجدہ سہو کیا، پھر سلام پھیرا۔

عن عمران بن الحصين رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم صلى بهم فسها فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم. (صححه الحاكم).

(ابو داؤد : سجدتي السهو فيهما تشهد وتسليم)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ نماز پڑھی اور اس میں کچھ بھول گئے، تو آپ نے دو سجدۂ سہو کر کے تشہد پڑھی۔ پھر سلام پھیرا"۔

ان روایات سے معلوم ہوگیا کہ سجدۂ سہو سلام کے بعد ہے اور سجدۂ سہو کے بعد پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرا جاتا ہے۔

عمل صحابہؓ

شیخ ابوبکر ہمدانی المتوفی ۵۸۴ھ لکھتے ہیں :

وقد روی عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم سجود السہو بعد السلام من غیر وجہ وھو فی حدیث عمران بن حصین وابی ھریرۃ وعبد اللّٰہ بن جعفر والمغیرۃ بن شعبۃ وثوبان قد اختلف اھل العلم فی ھذا الباب علی اربعۃ اوجہ فطائفۃ رأت السجود کلہ بعد السلام عملاً بھذا الحدیث وممن روینا ذلک عنہ من الصحابۃ علی بن ابی طالب، وسعد بن ابی وقاص وعبد اللّٰہ بن مسعود وعمار بن یاسر وعبد اللّٰہ بن عباس وعبد اللّٰہ بن الزبیر رضی اللّٰہ عنھم ومن التابعین الحسن وابراھیم النخعی وعبد الرحمن بن ابی لیلی والثوری والحسن بن صالح وابو حنیفۃ واھل الکوفۃ.

(ھمدانی : الاعتبار فی الناسخ والمنسوخ من الآثار ص ۸۵)

سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف طریقوں سے منقول ہے جیسا کہ حضرت عمران وابی ہریرۃ وعبداللہ بن جعفر ومغیرۃ وثوبان رضی اللہ عنہم سے منقول احادیث میں ہے اور اس مسئلہ میں حضرات علماء سے چار قسم کے اقوال منقول ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ مندرجہ بالا احادیث پر عمل کرتے ہوئے تمام سجدۂ سہو سلام کے بعد کئے جائیں اور جن حضرات صحابہؓ سے یہی منقول ہے وہ یہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرات تابعین میں یہی منقول ہے، حضرت حسنؒ حضرت ابراہیم نخعیؒ حضرت عبدالرحمٰنؒ حضرت ثوریؒ حضرت حسن بن صالحؒ اور امام ابوحنیفہؒ و دیگر اہل کوفہ سے۔

۱۔ جب امام بھول جائے

(۱۵۴) اگر باجماعت نماز میں امام سے کوئی غلطی ہو جائے تو مقتدی کو چاہئے کہ

امام کو متنبہ کرنے کے لئے بلند آواز سے سبحان اللہ کہے تاکہ وہ صحیح کیفیت پر لوٹ آئے اور اگر مقتدی عورتوں کی توجہ پہلے اس غلطی کی طرف ہو جائے تو ان کو چاہئے کہ ہاتھ کو ہاتھ پر ماریں تاکہ اس آواز سے امام کو تنبیہ ہو جائے اور منہ سے آواز نہ نکالیں کیونکہ ان کی آواز کا بھی پردہ ہے۔

عن ابی هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم التسبيح للرجال والتصفيق للنساء.

(مسلم : تسبيح الرجل وتصفيق امرأة)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تسبیح مردوں کے لئے ہے اور عورتوں کے لئے ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے۔

عن سهل بن سعد عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال من نابه شيء في صلاته فليقل سبحان الله انما التصفيح للنساء والتسبيح للرجال. (طحاوی : الكلام في الصلاة......)

حضرت سہل سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز (کی ترتیب) میں کوئی اور چیز آ جائے تو مقتدی کو سبحان اللہ کہنا چاہیے چونکہ ہاتھ پر ہاتھ مارنا عورتوں کے لئے ہے مردوں کے لئے تو (زبان سے) سبحان اللہ کہنا ہے۔

سجدہ سہو کی چند صورتیں

(۱۵۵) (الف) قعدۂ اولیٰ چھوٹ جانے پر سجدۂ سہو : جو شخص بھول کر قعدۂ اولیٰ نہ کرے، تو اگر کھڑے ہونے سے پہلے پہلے یاد آئے تو بیٹھ جائے، اگر کھڑے ہونے کے بعد یاد آئے تو اب بیٹھے نہیں نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کر لے۔

عن عبد الله انه قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قام من اثنتين من الظهر لم يجلس بينهما فلما قضى صلوته سجد سجدتين ثم سلم بعد ذلك. (بخاری : ما جاء في السهو إذا قام)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے۔ پھر جب آپ نے نماز پوری کر لی تو سجدۂ

سہو کیا اور پھر سلام پھیرا۔

(ب) رکعات کی تعداد میں شک آنے پر سجدہ

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا شک احدکم فی صلاتہ فلیلق الشک ولیبن علی الیقین، فإذا استیقن التمام سجد سجدتین، فإن کانت صلوتہ کاملة کانت الرکعة نافلة وإن کانت ناقصةً کانت الرکعة لتمام صلوتہ وکانت السجدتان رغم أنف الشیطن.

(ابن ماجہ : ماجاء فیمن شک فی صلاتہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں نماز میں شک آجائے تو چاہئے کہ شک کو ختم کر کے یقینی بات پر عمل کیا جائے (یعنی کم والے احتمال کو اختیار کیا جائے) جب اسے مکمل ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر دو سجدہ سہو کرلے، اب اگر اس کی نماز پہلے سے مکمل تھی تو یہ ایک اضافی رکعت نفل ہو جائے گی اور اگر واقعی ایک رکعت کم تھی تو اس سے نماز پوری ہو جائے گی اور دو سجدہ شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہوں گے۔

نماز میں گفتگو

آغاز اسلام میں دوران نماز ضرورت کی بات چیت کرلی جاتی تھی لیکن بعد میں اس کی اجازت نہ رہی۔ لہٰذا سجدہ سہو کی جن روایات میں نماز اور سجدہ سہو کے مابین بات چیت کا ذکر ملتا ہے، وہ ابتدائی دور سے متعلق ہیں، اب اس کے بجائے صرف سبحان اللہ کہنے کی اجازت ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص سلام پھیر کر سجدہ سہو کرنے سے پہلے بات چیت کرے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی اور اس کو پھر نئے سرے سے نماز پڑھنا ہوگی جیسے کے دوران نماز بات چیت کرے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

عن زید بن أرقم رضی اللہ عنہ قال کنا نتکلم فی الصلاة یکلم الرجل صاحبہ وھو إلی جنبہ فی الصلاة حتی نزلت "وقوموا للہ قانتین".

فامرنا بالسکوت ونھینا عن الکلام

(مسلم : تحریم الکلام فی الصلوۃ، بخاری : ما ینھی من الکلام فی الصلوۃ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نماز میں بات کر لیا کرتے تھے۔ ایک آدمی اپنے پہلو میں کھڑے دوسرے آدمی سے بات کر لیتا تھا تا آنکہ یہ آیت نازل ہوگئی۔ اللہ تعالٰی کے حضور عاجزی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا اور بات چیت سے روک دیا گیا۔

اور امام بخاریؒ نے جزء القراۃ والی روایت میں "فی حاجتہ" کا لفظ بھی نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے نزول سے قبل ضرورت کی بات چیت جائز تھی، لیکن یہ آیت نازل ہونے کے بعد ضرورت کی گفتگو سے بھی ممانعت کردی گئی۔ لہذا اب نماز میں کسی قسم کی گفتگو کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

نیز حضرت عمران بن حصینؓ کی سابقہ روایات سے بھی معلوم ہوا کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ نماز کے بعد حضرات صحابہؓ نے یاد دلایا تو آپؐ نے مزید ایک رکعت پڑھی اور سلام پھیر دیا گویا اس وقت دوران نماز گفتگو جائز تھی، لیکن پھر آپؐ نے یہ فرمادیا کہ اگر امام نماز میں بھول جائے تو مقتدی سبحان اللہ کہیں تاکہ امام کو اصل کیفیت یاد آ جائے گویا اب مقتدی پہلے کی طرح خاموش نہیں رہیں گے کہ سلام کے بعد امام کو بتایا جائے چونکہ اب نماز میں گفتگو کی ممانعت ہے۔ البتہ ایسے موقع پر دوران نماز سبحان اللہ کہنے کی اجازت ہے۔

عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی الصلوۃ فیرد علینا فلما رجعنا من عند النجاشی سلمنا علیہ فلم یرد علینا، وقال إن فی الصلوۃ شغلاً۔

(بخاری : ما ینھی من الکلام فی الصلاۃ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام عرض کیا کرتے تو آپ اس کا جواب دے دیتے تھے، لیکن جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے تو ہم نے سلام کیا، آپ نے جواب نہ دیا اور پھر فرمایا کہ نماز میں اللہ

تعالیٰ کی طرف دھیان ہوتا ہے۔

ذیل میں نماز کی شرائط، نماز کے فرائض، نماز کے واجبات، نماز کی سنن اور بعض مکروہات نماز کا ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ سجدۂ سہو کا مسئلہ سمجھنے اور اس کو متعین کرنے میں آسانی ہو۔ (۱)

(۱۵۷) شرائط نماز

اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی چھوٹ جائے تو نماز نہ ہوگی۔

۱- وقت (دیکھئے نمبر ۶۴)

۲- جسم کا پاک ہونا۔ طہارت ظاہرہ، یعنی ظاہری گندگی سے پاک ہونا اور طہارت باطنہ یعنی باوضو اور باغسل ہونا۔

۳- کپڑوں کا پاک ہونا۔ (قال تعالیٰ: وثیابک فطھر، المدثر)

۴- نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا۔

---

(۱) الغرض آج کل کے بعض لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ اگر نماز میں بھول ہو جائے تو سلام پھیرنے کے بعد اسی موضوع پر گفتگو کرکے سجدہ سہو کر لینا کافی ہے اور اس گفتگو سے نماز نہیں ٹوٹے گی چونکہ یہ نماز کی اصلاح کے لئے ہے۔ واضح رہے کہ خود نواب صدیق حسن خانؒ بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ ہر قسم کی گفتگو سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ گو کہ اس کا تعلق نماز کی اصلاح کے ساتھ ہو۔

ان ھذہ الصلوۃ لا یصلح فیھا شیئ من کلام الناس ... نواب صاحبؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:-

پس حدیث دلالت کند بر آنکہ تکلم در نماز مبطل نماز است برابر است کہ برائے اصلاح نماز باشد یا غیر او۔ (مسک الختام ج ا ص ۳۰۹)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے نماز کے دوران گفتگو کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے کہ چاہے وہ گفتگو نماز کی اصلاح کے لئے ہو یا کسی اور مقصد کے لئے ہو۔ نیز مشہور غیر مقلد مترجم مولانا وحید الزمانؒ بھی یہی لکھتے ہیں کہ جس شخص کے ذمہ سجدۂ سہو ہو اور وہ سجدے کے بغیر مسجد سے نکل جائے یا جان بوجھ کر کوئی بات کرے یا کچھ کھائے پئے یا بے وضو ہو جائے تو اب اس کو پوری نماز لوٹانی ہوگی۔ صرف سجدہ سہو کر لینا کافی نہیں ہے۔ (نزول الابرار ج ا ص ۱۳۹)

۵-ناف سے گھٹنوں تک جسم کو ڈھانپنا (دیکھئے نمبر۸۲)
۶-قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا۔ (دیکھئے نمبر۸۴)
۷-نیت کرنا (دیکھئے نمبر۸۶)

فرائض نماز

(۱۵۸) اگر ان فرائض میں سے کوئی فرض بھی چھوٹ جائے تو نماز نہ ہو گی۔
اور اگر کسی فرض کی ادائیگی میں کچھ تاخیر ہو جائے (جیسے آخری رکعت میں بیٹھنے کے بجائے بھولے سے کھڑا ہو گیا پھر یاد آنے پر بیٹھ گیا) تو سجدۂ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جائے گی۔

۱-قیام (کھڑے ہو کر نماز پڑھنا، اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر بھی نماز پڑھ سکتا ہے)۔ (دیکھئے نمبر۸۵)
۲-قرأت (دیکھئے نمبر۹۵،۹۶)
۳-رکوع (دیکھئے نمبر۱۳۰)
۴-دو سجدے (دیکھئے نمبر۱۳۵)
۵-قعدۂ اخیرہ (دیکھئے نمبر۱۴۱)
۶-تمام ارکان کو ترتیب وار ادا کرنا (تعامل)
۷-نماز سے بارادہ فارغ ہونا (دیکھئے نمبر۱۴۷)

واجبات نماز

(۱۵۹) ان واجبات میں سے اگر کوئی واجب بھولے سے چھوٹ جائے یا اس کی ادائیگی میں کچھ تقدیم یا تاخیر ہو جائے تو سجدۂ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جائے گی۔

۱-نماز شروع کرنے کے لئے اللّٰہ اکبر کہنا (دیکھئے نمبر۸۷)
۲-سورۂ فاتحہ پڑھنا (امام اور منفرد کے لئے) (دیکھئے نمبر۹۵،۹۶)
۳-پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک بڑی آیت، تین چھوٹی آیتیں، یا ایک سورۃ پڑھنا (امام اور منفرد کے لئے) (دیکھئے

نمبر ۱۱۶)

۴- بوقت قراۃ مقتدی کا خاموش رہنا (دیکھئے نمبر ۱۰۰)

۵- قعدۂ اولیٰ (دیکھئے نمبر ۱۳۱)

۶- قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا (دیکھئے نمبر ۱۳۲)

۷- تمام ارکان کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنا (حدیث مسئ الصلوۃ "مسلم")

۸- ہر فرض اور ہر واجب کو بغیر کسی تقدیم و تاخیر کے اپنی صحیح جگہ پر ادا کرنا۔ (حدیث مسئی الصلوۃ)

۹- جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں آہستہ قرأت کرنا (امام کے لئے) (دیکھئے نمبر ۱۱۷)

۱۰- السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر سلام پھیرنا۔ (دیکھئے نمبر ۱۴۷)

۱۱- وتر میں دعاء قنوت پڑھنا۔ (دیکھئے نمبر ۱۸۸)

۱۲- عید الفطر، عید الاضحیٰ میں زائد تکبیرات کہنا۔

نماز کی سنتیں

(۱۶۰) ان سنتوں کا اہتمام ضروری ہے لیکن اگر ان میں سے کوئی سنت بھولے سے چھوٹ جائے تو بغیر سجدۂ سہو کئے نماز ہو جائے گی۔

۱- تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا اور انگلیوں کو کھلا رکھنا۔ (دیکھئے نمبر ۸۸)

۲- دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ کر ناف کے نیچے باندھنا۔ (دیکھئے نمبر ۸۹، ۹۰)

۳- ثناء (سبحانک اللھم......) پڑھنا (دیکھئے نمبر ۹۱)

۴- تعوذ و تسمیہ آہستہ پڑھنا (دیکھئے نمبر ۹۲، ۹۳)

۵- آہستہ آواز سے آمین کہنا (دیکھئے نمبر ۱۱۲)

۶- ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے تکبیر کہنا۔ (دیکھئے نمبر ۱۳۰)

۷- رکوع اور سجدہ میں ۳ دفعہ تسبیح پڑھنا (دیکھئے نمبر ۱۲۳، ۱۳۶)

۸- رکوع میں گھٹنے کو پکڑنا، انگلیوں کو کھلا رکھنا (دیکھئے نمبر ۱۲۲)

۹- امام کا سمع اللہ لمن حمدہ اور مقتدی کا ربنا لک الحمد کہنا، اور منفرد کے لئے دونوں کا کہنا۔

(دیکھیے نمبر ۱۳۳)

۱۰۔ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا (قومہ) (دیکھیے نمبر ۱۳۴)

۱۱۔ دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا (جلسہ) (دیکھیے نمبر ۱۳۹)

۱۲۔ قعدہ میں دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا۔ (دیکھیے نمبر ۱۴۱)

۱۳۔ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا۔ (دیکھیے نمبر ۱۴۵)

۱۴۔ آخری قعدہ میں درود شریف کے بعد دعا مانگنا۔ (دیکھیے نمبر ۱۴۶)

۱۵۔ سلام کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا۔ (دیکھیے نمبر ۱۴۷)

۱۶۔ سلام کے بعد تسبیحات ثلاثہ سبحان اللہ ۳۳، الحمد للہ ۳۳، اللہ اکبر ۳۴۔ دیکھیے نمبر ۱۴۹)

مکروہات نماز

(۱۶۱) ایسے افعال جو نماز میں کرنا سخت ناپسندیدہ ہیں۔ ان سے بچنا چاہیے۔ ذیل میں چند مکروہات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں عام لوگ مبتلا ہیں۔

مندرجہ بالا سنتوں میں سے کسی سنت کو چھوڑنا مکروہ ہے۔

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا

(۱۶۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خبردار، لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھانے سے رک جائیں یا پھر ان کی بینائی کو اُچک لیا جائے گا۔

(مسلم : النھی عن رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ)

(۱۶۳) نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا : یہ شیطان کا حصہ ہے جسے وہ بندہ کی نماز میں سے اُچک لیتا ہے۔ (بخاری : الالتفات فی الصلوٰۃ)

(۱۶۴) ایسی حالت میں نماز پڑھنا کہ توجہ منتشر ہو

دھیان کسی اور چیز کی طرف ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کھانا سامنے موجود ہو، تو نماز کامل نہیں ہوتی اور نہ اس صورت میں جب وہ بیت الخلاء کی ضرورت محسوس کر رہا ہو۔

(مسلم : باب کراھیۃ الصلاۃ بحضرۃ الطعام)

(۱۶۵) سجدہ میں کہنیوں کو بچھانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں کہ سجدہ کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرو اور تم میں سے کوئی بھی سجدہ میں اپنی کہنیوں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

(بخاری: باب لا یفترش ذراعیہ فی السجود)

(۱۶۶) ایسی اشیاء کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا جس سے توجہ منتشر ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کپڑا لے کر نماز پڑھی جس پر نقش ونگار تھے۔ نماز کے بعد فرمایا یہ لے جا کر عامر بن حذیفہ کو دے دو کہ اس کے نقوش نے میری توجہ کو منتشر کر دیا۔ اور اس کا وہ موٹا کپڑا لاؤ جس پر نقش ونگار نہیں ہیں۔ (مسلم: کراھیۃ الصلاۃ فی ثوب لہ اعلام)

(۱۶۷) کپڑے یا رومال وغیرہ کو بغیر باندھے یونہی لٹکا کر نماز پڑھنا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن السدل فی الصلاۃ۔ (ترمذی : ماجاء فی کراھیۃ السدل فی الصلاۃ)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا وغیرہ لٹکا کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا :

(۱۶۸) نیند کے غلبہ کے وقت نماز پڑھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کو اونگھ آئے تو ذرا سو جاؤ تاکہ نیند کا غلبہ جاتا رہے۔ اگر اسی حالت میں نماز پڑھی تو عین ممکن

ہے اپنی طرف سے استغفار کرنا شروع کرے۔ جب کہ حقیقت میں وہ اپنے آپ کو گالی دے رہا ہو۔ (حسن صحیح) (ترمذی: الصلوۃ عند النعاس)

(۱۶۹) نماز کے لئے کسی خاص جگہ کا تعین

کہ ہر حال میں وہیں نماز پڑھے

حضرت عبدالرحمن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا "جلدی جلدی نماز پڑھنے سے (کوے کی طرح ٹھونگے مارنے سے) اور درندہ کی کھال بچھا کر نماز پڑھنے سے اور اس سے کہ کوئی شخص مسجد میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر کرلے جیسے کہ اونٹ (اپنے اصطبل) میں ایک خاص جگہ مقرر کرلیتا ہے۔ (رواہ احمد، والحاکم)

(۱۷۰) نماز باجماعت کی فضیلت واہمیت

نماز تمام مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی میں ایک اصلاحی انقلاب بپا کردیتی ہے باجماعت نماز کی ادائیگی سے جہاں اور بہت سے دنیوی واخروی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وہاں بطور خاص حکم ربانی وارشاد نبوی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں اجتماعیت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔ اخوت، محبت، ہمدردی اور باہمی تعاون کو فروغ ملتا ہے اسی لئے جماعت کی نماز کو اکیلی نماز پر فضیلت ہے۔

ارشاد ربانی ہے :

واقیموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ وارکعوا مع الراکعین. (البقرۃ. ۴۳)

اور پابندی سے نماز ادا کرو اور جو لوگ ہمارے سامنے عبادت کرتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ جھکا کرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے نماز سے ستائیس گنا بڑھا ہوا ہے۔ (مسلم: فضل الجماعۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"آدمی کی باجماعت نماز اس کی گھر اور بازار کی نماز سے پچیس گنا بڑھائی جاتی ہے چونکہ جب وہ خوب اچھی طرح وضو کرتا ہے۔ پھر مسجد کی طرف چلتا ہے اور اس کو مسجد کی طرف صرف نماز

نے ہی نکالا ہے تو ہر قدم کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور اس کی ایک خطا معاف کی جاتی ہے۔ جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے تو فرشتے مسلسل اس کے لئے یہ دعا کرتے ہیں جب تک وہ مسجد میں رہتا ہے۔ اے خدا اس پر اپنی رحمت نازل فرما، اے اللہ اس پر رحم فرما اور جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے اس کو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے۔"

(بخاری : باب فضل صلوۃ الجماعۃ)

تارکِ جماعت آنحضورؐ کی نظر میں

(۱۷۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، منافقین پر عشاء اور فجر کی نماز سب سے بھاری ہوتی ہے اگر وہ ان کی فضیلت اور اجر وثواب کو جان لیں تو ضرور شریک ہوں چاہے انہیں لڑکھڑاتے گھسٹتے ہوئے آنا پڑے۔ میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ جماعت کھڑی کرنے کا حکم دے کر کسی کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کر دوں اور اپنے ساتھ کچھ آدمیوں کو لے کر جن کے پاس لکڑیوں کا ایندھن ہو ان لوگوں کی طرف چلوں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے، اور جا کر ان کے سمیت گھروں کو آگ سے جلا کر خاکستر کر دوں۔ (مسلم: فضل صلوۃ الجماعۃ والتشدید فی التخلف عنھا)

(۱۷۲) معیارِ انتخابِ امام

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی امامت ایسا شخص کرے جو قرآن کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ اگر سارے برابر ہوں تو پھر جو شخص سنت کا زیادہ عالم ہو، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو پھر جس نے سب سے پہلے ہجرت کی ہو، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو عمر میں سب سے بڑا شخص امامت کرے۔ اور کوئی شخص کسی کے گھر میں اس کی عزت کی جگہ پر بلا اجازت نہ بیٹھے۔

(مسلم: من احق بالامامۃ)

صف بندی

(۱۷۳) باجماعت نماز میں صفوں کو اہتمام کے ساتھ سیدھا کرنا اور رکھنا چاہئے۔ اس مضمون کی جملہ روایات کو پیشِ نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں ٹخنے، کندھے اور

گردن ایک سیدھ میں ہونی چاہیے۔

عن انس رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سوّوا صفوفکم فان تسویۃ الصف من تمام الصلاۃ۔

(مسلم : تسویۃ الصف واقامتھا)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صفوں کو برابر کرو (سیدھا رکھو) چونکہ صفوں کی برابری نماز کو کامل بنانے کے لئے ضروری ہے۔

عن النعمان بن بشیر قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لتسون صفوفکم او لیخالفن اللّٰہ بین وجوھکم۔

(مسلم : تسویۃ الصفوف)(بخاری : عندالاقامۃ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اپنی صفوں کو درست کرلو یا پھر اللہ تعالیٰ تم میں باہمی اختلاف و انتشار ڈال دے گا۔

(۱۷۴) صف اول کی اہمیت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کو اذان دینے اور صف اول میں نماز پڑھنے کی قدر و قیمت معلوم ہو جائے پھر اس کو حاصل کرنے کے لئے انہیں قرعہ اندازی کرنی پڑے تو قرعہ اندازی بھی کریں گے۔

(مسلم : تسویۃ الصفوف واقامتھا)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ میں سستی اور تاخیر کے آثار دیکھے تو فرمایا آگے بڑھو اور میری مکمل اقتداء کرو تاکہ تمہارے بعد والے تمہاری مکمل اقتداء کریں، جب بھی کوئی قوم پیچھے ہٹتی ہے اللہ اسے پیچھے ہٹا دیتا ہے۔ (مسلم : تسویۃ الصفوف)

(۱۷۵)(الف) امام کی اقتداء

دوران جماعت امام کی اتباع کرنی چاہیے

عن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکب فرساً فصرع عنہ فجحش شقہ الأیمن فصلی صلوۃ من الصلوات وھو قاعد فصلینا وراءہ قعوداً فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا صلی قائماً فصلوا قیاماً فاذا رکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا ربنا ولک الحمد.

(بخاری : انما جعل الامام لیؤتم بہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے۔ آپ کے دائیں طرف چوٹ لگی۔ آپ نے کوئی ایک نماز بیٹھ کر پڑھائی۔ ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی مکمل اقتداء کی جائے۔ جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو جب وہ اٹھے تم بھی اٹھو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تم ربنا ولک الحمد کہو۔

(ب) اقتداء نہ کرنے کی سزا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی امام سے پہلے سر اٹھائے تو کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دیں یا اس کی صورت کو گدھے کی صورت بنا دیں۔ (بخاری: اثم من رفع رأسہ قبل الامام)

(۱۷۶) امام ہلکی نماز پڑھائے

امام کو چاہیے کہ باجماعت نماز میں مقتدیوں کا خیال رکھے۔ نماز ہلکی پڑھائے اتنی لمبی نہ کرے کہ تھکاوٹ سے اکتاہٹ ہو جائے اور خشوع وخضوع جاتا رہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کرے تو نماز ہلکی پڑھائے چونکہ نمازیوں میں بچے، بوڑھے کمزور، بیمار لوگ بھی ہوتے ہیں۔ البتہ جب اکیلا نماز پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے۔ (مسلم: امر الائمۃ بتخفیف الصلوۃ)

(۱۷۷) سترہ کا بیان

(الف) نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا گزرنے والوں کو چاہیے کہ وہ نمازی کا خیال رکھیں۔ اسی طرح نماز پڑھنے والے کو بھی چاہیے کہ وہ ایسی جگہ نماز پڑھے جہاں سے گزرنے والوں کو پریشانی نہ ہو اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے، جس کی اونچائی ایک ہاتھ کے قریب ہو (تقریباً ایک فٹ) واضح رہے کہ باجماعت نماز میں امام کا سترہ سب کی طرف سے کافی ہے۔ پھر سترہ کی موجودگی میں اگر کوئی شخص سامنے سے گزر جائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

(ب) سترہ کی تشریح

عن عائشة رضی اللّٰہ عنها أنها قالت سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن سترة المصلی فقال صلی اللّٰہ علیه وسلم مثل مؤخرة الرحل.

(مسلم : سترة المصلی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا نمازی کے سترہ کی بابت تو آپ نے فرمایا مؤخرۃ الرحل کی طرح۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

سترہ کی کم سے کم مقدار کجاوہ کے پچھلے حصے جتنی ہوتی ہے جو کلائی کی ہڈی اور ۲-۳ ذراع کے برابر ہوتا ہے اور اس طرح کی کوئی بھی چیز کھڑی کرنے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے سامنے سترہ گاڑ کر نماز پڑھنا بہتر ہے۔ (نووی شرح مسلم)

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما قال کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یغدو إلی المصلی والعنزة بین یدیه تحمل وتنصب بالمصلی بین یدیه فیصلی إلیها۔ (بخاری : حمل العنزة بین یدی الامام یوم العید)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تشریف لے جاتے اور آپ کے آگے نیزہ بردار ہوتا، یہ نیزہ عیدگاہ میں آپ کے سامنے گاڑ دیا

جاتا پھر آپ اس طرف نماز پڑھتے۔

(ج) سامنے سے گزرنے کی سزا

اگر نمازی کے سامنے سترہ نہ ہو، پھر بھی کوئی شخص اس کے سامنے سے گزر جائے تو احادیث میں اس کی بابت سخت وعید آئی ہے۔

حضرت ابوجہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازی کے سامنے سے گزرنے والا اگر جان لے کہ اس پر کتنی بڑی سزا ہے تو وہ اس کے سامنے سے گزرنے کے بجائے چالیس تک ٹھہرا رہتا تو یہ بہتر تھا۔

(موطا مالک: التشدید فی آن یمر احد......)

ابوالنضر کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں، آپ کی مراد چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو معلوم ہوجائے کہ اس پر کتنی سخت سزا ہے تو اس کے بدلے اگر وہ زمین میں دھنس جائے تو اس کے سامنے سے گزرنے سے یہ بہتر ہے۔ (موطا مالک......)

رکعات نماز

(۱۲۸) ذیل میں ہم تمام نمازوں کی رکعات کا ایک تفصیلی نقشہ پیش کر رہے ہیں۔

نام نماز	فرائض	سنن موکدہ	سنن غیر موکدہ	نوافل	واجب
فجر	۲	۲ پہلے	×	×	
ظہر	۴	۴ پہلے ۔ ۲ بعد	×	۲ بعد میں	
عصر	۴	×	۴ نماز سے پہلے	×	
مغرب	۳	۲ بعد میں	×	۲ بعد میں	
عشاء	۴	۲ بعد میں	۴ نماز سے پہلے	۲ وتر سے پہلے ۲ بعد	۳ وتر
جمعہ	۲	۴ پہلے	۶ بعد میں	×	×
عید الفطر عید الاضحیٰ	×	×	×	×	۲

فرائض : جن کا کرنا ضروری ہے اور چھوڑنا حرام ہے۔
واجب : جس کا کرنا ضروری ہے اور چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے۔
سنن موکدہ : جن پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلسل عمل رہا، ان کو چھوڑنا گناہ ہے۔
سنن غیر موکدہ : جن پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر عمل رہا اور کبھی کبھار چھوڑنا بھی ثابت ہے۔
نوافل : جن کا پڑھنا باعث ثواب اور چھوڑنے پر گناہ نہیں ہے۔

ذیل میں مندرجہ بالا رکعات کی علیحدہ علیحدہ تخریج اور احادیث سے ان کی فضیلت بیان کی جاتی ہے۔

(۱۷۹) سنن موکدہ

عن ام حبیبة رضی الله عنه قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی فی یوم ولیلة ثنتی عشرة رکعة بنی له بیت فی الجنة اربعاً قبل الظهر ورکعتین بعدها ورکعتین بعد المغرب ورکعتین بعد العشاء ورکعتین قبل الفجر صلاة الغداة. (ترمذی : من صلی ثنتی عشرة رکعة) (رواه مسلم مختصراً فضل السنن الراتبة)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں پڑھے گا اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ (وہ یہ ہیں)
۴ ظہر سے پہلے اور ۲ ظہر کے بعد ۲ مغرب کے بعد
۲ عشاء کے بعد ۲ فجر سے پہلے

ظہر کی رکعات

(۱۸۰) ۴ سنت، ۴ فرض، ۲ سنت، ۲ نفل۔

(الف) عن عائشة رضی الله عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم کان لا یدع اربعاً قبل الظهر ورکعتین قبل الغداة.

(بخاری: الرکعتان قبل الظهر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور فجر سے پہلے دو رکعتیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

عن ام حبیبة رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من حافظ علی اربع رکعات قبل الظهر واربع بعدها حرمه اللہ علی النار.

(صحیح غریب)(ترمذی : باب آخر من سنن الظهر)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جس نے ظہر سے پہلے کی چار رکعات اور ظہر کے بعد کی چار رکعات کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کردیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت سے ظہر سے پہلے کی چار سنتیں اور فجر سے پہلے کی دو سنتیں ثابت ہوئیں اور یہ سنن مؤکدہ ہیں چونکہ آپ نے کبھی ان کو چھوڑا نہیں۔ جب کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں ظہر کے بعد والی چار رکعات کی فضیلت بیان ہوئی ہے دو رکعت سنت مؤکدہ کے علاوہ دو نفل ہیں۔

(ب) اگر ظہر کی پہلی چار سنتیں چھوٹ جائیں تو نماز کے بعد پڑھ لے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا لم یصل اربعاً قبل الظهر صلاهن بعدها. (ترمذی : باب آخر من سنن الظهر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اگر ظہر سے پہلے چار رکعات نہ پڑھ سکتے تو نماز کے بعد پڑھ لیتے۔

(۱۸۱) عصر کی رکعات

۴ سنتیں، ۴ فرض

عصر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں بطور سنت غیر مؤکدہ پڑھی جاتی ہیں۔ اگر وقت کم ہو تو دو رکعتیں بھی پڑھ سکتا ہے اگر یہ چھوٹ جائیں تو گناہ نہیں ہوگا۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنهما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رحم اللہ امرءً صلی قبل العصر اربعاً. (ترمذی : ماجاء فی الاربع قبل العصر)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی اس شخص پر رحم کریں جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتا ہے۔

(۱۸۲) مغرب کی رکعات

۳ فرض، ۲ سنتیں، ۲ نفل۔

عن ابی معمر قال کانوا یستحبون اربع رکعات بعد المغرب.

(مروزی : قیام اللیل۔ ص ۵۸)

حضرت ابو معمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مغرب کے بعد چار رکعت پڑھنے کو مستحب سمجھتے تھے۔

نیز دیکھئے ۱۷۹ سنن موکدہ کے ذیل میں اس کا ذکر ہے۔

(۱۸۳) عشاء کی رکعات

۴ سنتیں، ۴ فرض، ۲ سنتیں، ۲ نفل، ۳ وتر، ۲ نفل۔

عشاء کی نماز سے پہلے اگر وقت ہو تو ۴ رکعت پڑھ لے ورنہ دو رکعتیں ہی پڑھ لے اگر یہ چھوٹ جائیں تو گناہ نہیں ہے۔

عن البراء رفعه : من صلى قبل العشاء أربعاً كان كانما تهجد من ليلته، ومن صلاهن بعد العشاء كمثلهن من ليلة القدر، واخرجه البيهقى من حديث عائشة موقوفاً واخرجه الدار قطني والنسائي موقوفاً على كعب. (الدراية : ج ۱۔ ص ۱۹۸)

شارح بخاری علامہ ابن حجرؒ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ "جس نے عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں گویا اس نے رات کو تہجد پڑھی اور عشاء کے بعد چار رکعات پڑھنے والے کو شب قدر میں چار رکعت پڑھنے کا ثواب ملے گا، بیہقی نے اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور نسائی و دار قطنی نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

۱ – عن سعيد بن جبيرؒ كانوا يستحبون اربع ركعات قبل العشاء

الاخرة. (مروزی : قیام اللیل. ص ۵۸)

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشاء کی نماز سے پہلے چار رکعات کو مستحب سمجھتے ہیں۔ (۱)

۲- عن عائشة ام المومنین رضی اللہ عنها انها سئلت عن صلوة الرسول صلی اللہ علیه وسلم فقالت کان یصلی بالناس العشاء ثم یرجع إلی أهله فیصلی أربعاً ثم یأوی إلی فراشه.... (الحدیث)

(ابو داؤد : باب صلوة اللیل)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی بابت پوچھا گیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آتے اور چار رکعتیں پڑھ کر بستر پر آرام فرماتے۔

۳- عن علی رضی اللہ عنه قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یوتر بثلاث یقرأ فیهن بتسع سور من المفصل یقرأ فی کل رکعة بثلاث سور آخرهن قل هو اللہ احد. (ترمذی : ما جاء فی الوتر بثلاث)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھا کرتے تھے اور ان میں آخر سے نو سورتیں پڑھتے، ہر رکعت میں تین سورتیں، جن میں آخری سورة قل ہو اللہ احد ہوتی تھی۔

۴- عن أبی سلمة رضی اللہ عنه قال سألت عائشة رضی اللہ عنها عن صلاة رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقالت کان یصلی ثلاث عشرة رکعة یصلی ثمان رکعات. ثم یوتر ثم یصلی رکعتین وهو جالس.

(مسلم : صلاة اللیل والوتر)

---

(۱) نواب صدیق حسن خان شرح بلوغ المرام میں نقل کرتے ہیں وپیش عشاء چہار رکعت مستحب است (نیز لکھتے ہیں) کہ اما دو رکعت قبل عشاء پس شامل است آن را حدیث بین کل اذانین صلوٰۃ۔

(نواب صدیق حسن مسک الختام ج ۱ ص ۲۹۵، ۲۹۴) کہ عشاء سے پہلے چار رکعات مستحب ہیں نیز عشاء سے قبل دو رکعات نماز پڑھنے کو بھی وہ حدیث شامل ہے جس کی رو سے اذان واقامت کے درمیان نفل نماز پڑھنے کی ترغیب ہے۔

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی بابت پوچھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، پہلے آٹھ رکعت تہجد پڑھتے پھر تین وتر پڑھتے، پھر دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے۔

روایت نمبر ۱ سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کے نزدیک عشاء سے پہلے چار رکعات مستحب تھیں۔

روایت نمبر ۲ سے معلوم ہوا کہ آپ عشاء کے بعد ۴ رکعتیں پڑھتے۔ یہ ہوئے ۲ سنتیں، ۲ نفل۔

روایت ۳ سے معلوم ہوا کہ آپ تین وتر پڑھتے تھے۔

روایت ۴ سے معلوم ہوا کہ تین وتر پڑھ کر پھر آپ دو نفل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔

(۱۸۴) وتر میں چند اہم مسائل جن سے ہم تعرض کریں گے

(۱) وتر واجب ہے۔ (۲) اگر چھوٹ جائے تو بعد میں پڑھے۔ (۳) کم از کم وتر تین رکعات ہیں۔ (۴) تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھی جاتی ہے۔ (۵) دعائے قنوت کے لئے تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھائے، پھر باندھ لے۔ (۶) دو رکعتوں پر بیٹھے مگر سلام نہ پھیرے۔

(۱۸۵) وتر واجب ہے

عشاء کی نماز کے بعد سے فجر تک نماز وتر پڑھنا ضروری ہے جو شخص نہیں پڑھے گا۔ گنہگار ہوگا۔

عن خارجة بن حذافة أنه قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال إن الله أمركم بصلوة هي خير لكم من حمر النعم الوتر جعله الله لكم فيما بين صلوة العشاء إلى ان يطلع الفجر.

قال الحاكم صحيح الاسناد : زيلعي (ترمذي : باب الوتر)

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک ایسی نماز کا اضافہ کیا ہے جو تمہارے لئے

سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔ حدیث ہے جس کا وقت عشاء اور فجر کے درمیان ہے۔

عن بريدة عن ابيه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا فمن لم يوتر فليس منا. صححه الحاكم : زيلعي (ابوداؤد : من لم يوتر)

حضرت بریدہ کے والد کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ وتر حق ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر حق ہے جو وتر نہ پڑھے۔ وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر حق ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

(۱۸۶) وتر چھوٹ جائے تو قضا پڑھے

وتر پڑھنے کا وقت عشاء سے لے کر طلوع فجر تک ہے اور جو شخص تہجد کے لئے اٹھنے کا عادی ہے اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ تہجد کے بعد وتر پڑھے ورنہ نماز عشاء کے ساتھ ہی پڑھ لے۔ اگر کوئی شخص فجر تک وتر نہ پڑھ سکا تو قضا پڑھے۔

عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نام عن وتره أو نسيه فليصله إذا ذكره.

(ابوداؤد : ابواب الوتر)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وتر پڑھے بغیر سو گیا یا بھول گیا تو جب یاد آئے ضرور پڑھے۔

وفى البيهقى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نام عن وتره أو نسيه فليصله إذا أصبح أو ذكره.

(سنن کبری بیہقی : ابواب الوتر)

سنن بیہقی میں حضرت ابوسعید کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وتر پڑھے بغیر سو گیا۔ وہ صبح کو پڑھے اور جو بھول گیا وہ یاد آنے پر پڑھے۔

عن مالك انه بلغه ان عبدالله بن عباس وعبادة بن الصامت والقاسم بن محمد وعبدالله بن عامر قد أوتروا بعد الفجر.

(موطا مالک : الوتر بعد الفجر)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ حضرت قاسم بن محمد اور عبداللہ بن عامرؓ نے فجر کے بعد وتر پڑھے۔ (یعنی بر وقت نہ پڑھ سکے تو فجر کے بعد بطور قضا پڑھے۔)

(۱۸۷) کم از کم وتر تین رکعات ہیں

نمازوں میں کوئی نماز بھی دو رکعتوں سے کم نہیں اس سے زائد ہے۔ اس طرح وتر بھی کم از کم تین ہیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے۔

عن ابی سلمة بن عبدالرحمن انه سال عائشة رضی الله عنها كيف كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان؟ قالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة، يصلى اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلى ثلاثا.

(مسلم : صلاة الليل والوتر)

حضرت ابوسلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان کی نماز کیا ہوتی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ (رمضان کی کیا خصوصیت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے، پہلے چار رکعتیں پڑھتے۔ ان کے حسن اور لمبائی کی بابت کچھ نہ پوچھو، پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان کے حسن اور لمبائی کی بابت بھی کچھ نہ پوچھو، پھر تین رکعتیں وتر کی پڑھتے تھے۔

عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلى الله عليه وسلم كان يقرأ في الاولى من الوتر بفاتحة الكتاب وسبح اسم ربك الاعلى وفي الثانية قل يا ايها الكافرون وفي الثالثة قل هو الله احد. (قال الحاكم صحيح على شرط الشيخين ذهبي) (ترمذی : مايقرأ في الوتر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سبح اسم ربك الاعلى، دوسری رکعت میں قل يا ايها الكافرون اور تیسری میں قل هو الله احد پڑھتے تھے۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال كان رسول الله صلى الله عليه

وسلم يصلي من الليل ثمان ركعات ويوتر بثلاث ويصلي ركعتين قبل صلاة الفجر. (نسائي: باب الوتر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وہ رات تہجد کی آٹھ رکعات پڑھتے، پھر تین وتر پڑھتے۔ اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہؓ بھی تین وتر پسند تھے۔

والذي اختاره أكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ومن بعدهم ان يقرأ بسبح اسم ربك الأعلى، وقل يا أيها الكافرون وقل هو الله احد، يقرأ في كل ركعة من ذلك بسورة.

(ترمذي)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والے جمہور اہل علم کا پسندیدہ عمل یہ ہے کہ وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الأعلى دوسری رکعت میں سورۃ کافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھی جائے۔

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال ما احب اني تركت الوتر بثلث وأن لي حمر النعم.

(موطا امام محمدؒ : السلام في الوتر)

خلیفہ راشد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو تین وتر چھوڑنے کے بدلے سرخ اونٹ بھی پیش کئے جائیں تو میں تین وتر نہیں چھوڑوں گا۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ نماز وتر میں تین رکعات ہیں۔ نیز تین رکعت وتر کے جواز پر تمام علماء امت کا اجماع ہے۔ جب کہ ایک رکعت وتر پڑھنے میں امت کا اختلاف ہے بعض کے ہاں یہ صحیح نہیں، لہٰذا قوت دلائل کے ساتھ ساتھ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تین رکعت وتر ہی پڑھی جائیں۔

(۱۸۸) تیسری رکعت میں دعائے قنوت

وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھے۔ دعا یہ ہے :

اللّٰھم انا نستعینک ونستغفرک ونؤمن بک ونتوکل علیک ونثنی علیک الخیر ونشکرک ولانکفرک ونخلع ونترک من یفجرک اللّٰھم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد والیک نسعیٰ ونحفد ونرجو رحمتک ونخشی عذابک إن عذابک بالکفار ملحق۔

ملاحظہ ہو:

عن خالد بن ابی عمران قال بینا کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یدعو علی مضر إذ جاءہ جبریل فأو ما إلیہ أن اسکت، فسکت فقال یا محمد إن اللّٰہ لم یبعثک سباباً ولا لعاناً وإنما بعثک رحمۃ، ولم یبعثک عذاباً، لیس لک من الامر شیء أو یتوب علیھم أو تعذبھم فإنھم ظالمون ثم علمہ ھذا القنوت۔ اللّٰھم انا نستعینک ونستغفرک ونؤمن بک ونتوکل علیک ونثنی علیک الخیر ونشکرک ولا نکفرک ونخلع ونترک من یفجرک اللّٰھم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد والیک نسعی ونحفد ونرجو رحمتک ونخشی عذابک إن عذابک بالکفار ملحق۔ (قد روی عن عمر بن الخطاب صحیحاً موصولاً)

(سنن بیھقی: باب دعاء القنوت، مروزی: قیام اللیل۔ ص ۲۳۲)

حضرت خالد بن ابی عمران کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ مضر کے لئے بددعا کررہے تھے کہ اچانک جبریل علیہ السلام آئے اور خاموش ہونے کا اشارہ کیا، آپ خاموش ہوگئے۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو گالی دینے والا اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ عذاب کے لئے نہیں بھیجا۔ آپ کے اختیار میں اس قسم کے امور نہیں ہیں۔ اللہ چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان کے ظلم کی وجہ سے انہیں عذاب دے۔'' یہ کہہ کر پھر آپ کو یہ دعاء قنوت بتائی۔

(ترجمہ) اے اللہ، ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور معافی مانگتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری اچھی تعریف کرتے ہیں، تیرا شکر ادا کرتے

ہیں اور ناشکری نہیں کرتے، جو شخص تیری نافرمانی کرتا ہے۔ ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس سے الگ ہوجاتے ہیں۔ اے اللہ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تیرے لئے نماز پڑھتے ہیں اور تجھی کو سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف دوڑتے ہیں اور تیری خدمت بجالاتے ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک تیرا عذاب کافروں کو ملنے والا ہے۔

(یہ دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سند متصل کے ساتھ نقل کی ہے)

عن الأسود صحبت عمر رضي الله عنه ستة أشهر فكان يقنت في الوتر وكان عبدالله يقنت في الوتر في السنة كلها.

وعن عبدالله وجب القنوت في الوتر على كل مسلم. (مروزی: قيام الليل. ص ۲۲۵)

حضرت اسود رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں چھ مہینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا وہ ہمیشہ وتر میں دعاء قنوت پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی سال بھر دعاء قنوت پڑھتے تھے۔ نیز حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وتر میں دعا قنوت پڑھنا واجب ہے۔

عن حماد وسفيان اذا نسي القنوت في الوتر فعليه سجدتا السهو.

(مروزی: قيام الليل. ص ۲۳۲)

حضرت حمادؒ وسفیانؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص وتر میں دعاء قنوت پڑھنا بھول جائے تو وہ سجدہ سہو کرے۔

(۱۸۹) دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھے۔ (سنت نبوی کی روشنی میں)

عن عاصم قال سألت أنس بن مالك عن القنوت فقال قد كان القنوت قلت قبل الركوع او بعده؟ قال قبله، قال فإن فلاناً أخبرني عنك أنك قلت بعد الركوع فقال كذب، انما قنت رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد الركوع شهراً.... الحديث.

(بخاری: القنوت قبل الركوع أو بعده)

حضرت عاصم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کی بابت

پوچھا؟ آپ نے فرمایا قنوت ثابت ہے۔ میں نے عرض کیا، رکوع سے پہلے یا بعد؟ آپ نے فرمایا، رکوع سے پہلے، میں نے عرض کیا کہ فلاں نے مجھے آپ کی بابت بتایا ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد کہا ہے؟ فرمایا اس نے جھوٹ کہا ہے، رکوع کے بعد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہینہ دعاء قنوت پڑھی ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

وقد وافق عاصم علی روایته هذه عبدالعزيز بن صهيب كما في المغازي بلفظ سأل رجل انسا عن القنوت بعد الركوع أو عند الفراغ من القراءة قال بل عند الفراغ من القراءة. وقال ومجموع ما جاء عن أنس في ذالك أن القنوت للحاجة بعد الركوع لاخلاف عنه في ذالك، أما بغير الحاجة فالصحيح عنه أنه قبل الركوع.

(فتح الباري : ص ۴۹۱ باب القنوت قبل الركوع وبعده)

حضرت عاصم کی یہ روایت کتاب المغازی میں عبدالعزیز کی روایت کے مطابق ہے جس میں ایک شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دعاء قنوت رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا بلکہ قرأت سے فارغ ہونے کے بعد۔

ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت انس کی تمام روایات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دعاء قنوت کسی خاص وجہ سے (دعاء وغیرہ کے لئے پڑھی جائے تو بالاتفاق وہ رکوع کے بعد ہے اور جو قنوت عام حالات میں پڑھی جائے تو حضرت انس سے صحیح طور پر یہی ثابت ہے کہ وہ رکوع سے پہلے ہے۔

عن أبي بن كعب رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر فيقنت قبل الركوع. (ابن ماجة : ماجاء في ابواب الوتر)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے اور دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

عمل صحابہ رضی اللہ عنہم

عن علقمة أن ابن مسعود، واصحاب النبي صلى الله عليه وسلم

كانوا يقنتون في الوتر قبل الركوع. (مصنف ابن ابي شيبه) (قال الحافظ في الدراية اسناده حسن)

وروى ذالك عن ابن عباس والبراء وابي موسى، وأنس وعمر بن عبدالعزيز. (المغني : مسئلة القنوت)

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم رکوع سے قبل دعاء قنوت پڑھتے تھے۔

اور یہی منقول ہے حضرت ابن عباس، حضرت براء، حضرت ابوموسیٰ، حضرت انس اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم سے۔

دعاء قنوت کے لئے تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھائے پھر باندھ لے اور دعاء قنوت پڑھے۔

عن عبدالله انه كان يرفع يديه إذا قنت في الوتر.

(مصنف ابن أبي شيبة ج ۲. ص ۳۰۷)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نماز وتر میں دعاء قنوت سے پہلے رفع یدین کرتے تھے۔

عن علي رضي الله عنه انه كبر في القنوت حين فرغ من القراءة وحين ركع.... وكان عبدالله بن مسعود رضي الله عنهما في الوتر إذا فرغ من قرائته حين يقنت وإذا فرغ من القنوت وعن البراء أنه كان إذا فرغ من السورة كبر ثم قنت وعن سفيان كانوا يستحبون أن تقرأ في الثالثة من الوتر قل هو الله احد ثم تكبر وترفع يديك ثم تقنت.

(مروزی : قيام الليل. ص ۲۲۹ تا ۲۳۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے قرآت سے فارغ ہوکر دعاء قنوت کے لئے تکبیر کہی پھر رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نماز وتر میں قرآت سے فارغ ہوکر دعائے قنوت سے پہلے اور دعاء قنوت کے بعد تکبیر کہتے تھے اور حضرت براء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ سورۃ پڑھ کر فارغ ہوتے تو تکبیر کہتے پھر قنوت پڑھتے اور حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پسند کرتے تھے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھیں، پھر تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور قنوت پڑھیں۔

قال ابن قدامة : وروی رفع الیدین عن ابن مسعود وعمر وابن عباس رضی اللہ عنہم.

دعائے قنوت کے لئے رفع یدین منقول ہے حضرت ابن مسعود حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے۔ (المغنی : مسئلۃ القنوت)

قال الطحاوی واما التکبیر فی القنوت فی الوتر فانھا تکبیرۃ زائدۃ فی تلک الصلوۃ وقد اجمع الذین یقنتون قبل الرکوع علی الرفع معھا.

(طحاوی : رفع الیدین عند رؤیۃ البیت)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور وتر میں دعاء قنوت کی تکبیر تو زائد تکبیر ہے اور تمام وہ حضرات جو رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے ہیں۔ ان کا اجماع ہے کہ تکبیر قنوت کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جائیں۔

اب دوران نماز دعا کا اصول یہ ہے کہ جس رکن میں دعا کی جارہی ہے۔ اسی رکن کی کیفیت پر رہتے ہوئے دعا کی جاتی ہے۔ جیسے قعدہ اخیرہ کے آخر میں دعا کی جاتی ہے۔ نیز جلسہ (سجدوں کے درمیان) میں دعا کی جاتی ہے، اسی طرح نفل نماز کے سجدوں میں اگر دعا کی جائے تو اسی کیفیت پر رہتے ہوئے دعا کی جائے گی۔ لہٰذا وتروں میں رکوع سے قبل جب قنوت پڑھی جائے گی تو ہاتھ باندھے ہوئے ہی پڑھی جائے گی۔

(۱۹۰) قعدہ اولیٰ اور سلام

دو رکعتوں کے بعد بیٹھے اور تشہد کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو، پھر تین رکعتیں مکمل کر کے سلام پھیرے۔

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ کان یوتر بثلاث لا فصل فیھن.

(زاد المعاد. ص ۱۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے اور دوران وتر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا فصل فی الوتر. (جامع المسانید. ج ۱. ص ۴۰۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وتر علیحدہ علیحدہ تین ہیں۔

عن سعد بن هشام أن عائشة رضي الله عنها حدثته ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يسلم في ركعتى الوتر. (قال الحاكم صحيح على شرط الشيخين : (زيلعي، نسائي : كيف الوتر بثلاث)

حضرت سعد بن ہشام کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

نقل ابن الحجر حديث ابي ابن كعب وفيه ولا يسلم إلا في آخرهن وثبت عن عمر انه اوتر بثلاث لم يسلم إلا في آخرهن وروى ذلك، عن ابن مسعود وانس، وابن المبارك، وأبي العالية أنهم أوتروا بثلاث كالمغرب. (ملخص فتح الباری. ج ۲. ص ۴۸۱. كتاب الوتر)

ابن حجرؒ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ آپ تین وتروں کے آخر میں سلام پھیرا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ وہ تین وتر پڑھتے تھے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے تھے۔

اور یہی منقول ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مبارکؒ اور حضرت ابو العالیہؒ سے کہ وہ مغرب کی نماز کی طرح تین وتر پڑھتے تھے۔

مروزیؒ نے ابو اسحاق سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے تمام ساتھی وشاگرد بھی نماز وتر میں دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (مروزی: قیام اللیل۔ ص ۲۱۱)

عن عبدالله بن دينار عن عبدالله بن عمر كان يقول صلوة المغرب وتر صلوة النهار. (موطا مالك : الأمر بالوتر)

حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ :

- صرف وتروں کے آخر میں سلام پھیرنا چاہئے۔ درمیان میں نہیں۔

- وتروں کی مشابہت مغرب کی نماز کے ساتھ ہے تو جس طرح مغرب کی نماز میں حسب اصول دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح وتروں میں بھی دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھنی چاہیے۔

(۱۹۱) رکعات فجر

۲ سنت ۲ فرض

احادیث مبارکہ میں فجر کی پہلی دو سنتوں کی بہت زیادہ اہمیت وارد ہے یہی وجہ ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے اس وقت اور کوئی نماز حتیٰ کہ نمازوں کی سنتیں بھی نہیں پڑھی جاسکتیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جب نماز شروع ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ (ترمذی: اذا اقیمت الصلوٰۃ)

لیکن فجر کی سنتوں کی اہمیت کے پیش نظر نماز شروع ہونے کے بعد بھی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یہ سنتیں پڑھ کر نماز میں شریک ہوا کرتے تھے۔

لہٰذا اگر نماز کی دوسری رکعت مل جانے کی امید ہو تو مسجد کے دروازہ کے قریب سنتیں پڑھ کر نماز میں شریک ہو جائے۔

(۱۹۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل

عن عبداللّٰه بن ابی موسی قال جاءنا ابن مسعود رضی اللّٰه عنه والإمام یصلی الصبح فصلی رکعتین إلی ساریة ولم یکن صلی رکعتی الفجر (قال الهیثمی رجاله موثقون) (مجمع الزوائد. ج ۱. ص ۷۵)

حضرت عبداللہ ابن ابی موسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہماری مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا۔ آپ نے ایک ستون کے قریب فجر کی سنتیں ادا فرمائیں چونکہ وہ اس سے پہلے سنتیں نہیں پڑھ سکے تھے۔

(۱۹۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل

عن ابی عثمان الانصاری قال جاء عبداللّٰه بن عباس رضی اللّٰه

عنهما والإمام في صلوة الغداة لم يكن صلى الركعتين فصلى عبدالله بن عباس الركعتين خلف الإمام ثم دخل معهم (صححه النيموي، آثار السنن. ج ۲. ص ۲۳۳) (طحاوی : الرجل يدخل المسجد والامام)

حضرت ابوعثمان انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لائے جب کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا اور آپ نے دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں تو پہلے انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہو کر فجر کی نماز پڑھی۔

(۱۹۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل

عن محمد بن كعب قال خرج عبدالله بن عمر من بيته فأقيمت صلوة الصبح فركع ركعتين قبل أن يدخل المسجد، وهو في الطريق ثم دخل المسجد فصلى الصبح مع الناس.

(اسناده حسن: طحاوی : الرجل يدخل المسجد والإمام)

محمد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر سے نکلے تو فجر کی نماز کھڑی ہو گئی، آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی دو رکعتیں پڑھیں پھر باجماعت نماز پڑھی۔

(۱۹۵) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا عمل

عن أبي الدرداء رضي الله عنه أنه كان دخل المسجد والناس صفوف في صلوة الفجر فيصلي الركعتين في ناحية المسجد ثم يدخل مع القوم في الصلوة. (طحاوی : الرجل يدخل المسجد والإمام)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو لوگ فجر کی نماز کے لئے صفوں میں کھڑے تھے، آپ نے مسجد میں ایک طرف دو رکعتیں پڑھیں پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو گئے۔

(۱۹۶) دورِ فاروقی میں صحابہ کا عمل

عن أبي عثمان النهدي قال كنا نأتي عمر بن الخطاب قبل أن

نصلی الرکعتین قبل الصبح وھو فی الصلاۃ فنصلی الرکعتین فی آخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلاتھم.

(طحاوی: الرجل یدخل المسجد والإمام فی صلاۃ الفجر)

حضرت عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ ہم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں فجر سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھے بغیر آیا کرتے تھے۔ جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے ہوتے ہم مسجد کے آخر میں وہ رکعتیں پڑھ لیتے۔ پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریک ہو جاتے۔

ان جلیل القدر حضرات صحابہ کے عمل سے معلوم ہوا کہ اگر نماز باجماعت مل جانے کی توقع ہو تو مسجد میں ایک طرف سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہیے۔

(۱۹۷) اگر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا ممکن نہ ہو تو سنتیں چھوڑ دے اور جماعت میں شریک ہو جائے، پھر حکم نبوی کے مطابق سورج نکلنے کے بعد ان سنتوں کی قضا پڑھ لے۔ فجر کی نماز کے بعد یہ سنتیں نہ پڑھے، چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک نماز پڑھنے سے روکا ہے۔ (۱)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھا بعد ما تطلع الشمس.

(ترمذی: ماجاء فی اعادتھما بعد طلوع الشمس) (قال الحاکم

(۱) مندرجہ بالا حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صراحتاً معلوم ہو گیا کہ اگر فجر کی سنتیں چھوٹ جائیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھی جائیں، لیکن بعض لوگ فجر کے فرائض سے فارغ ہوتے ہی پڑھ لیتے ہیں اور دلیل میں جو حدیث پیش کرتے ہیں وہ مرسل ہے جس کی سند ہی متصل نہیں ملاحظہ ہو:

عن قیس قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقیمت الصلوٰۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی أصلی فقال مھلاً یا قیس أصلاتان معاً؟ قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی لم أکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذن۔ (ترمذی: ماجاء فیمن تفوتہ الرکعتان)

حضرت قیس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لائے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانے لگے تو مجھے دیکھا کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

صحیح علی شرط الشیخین)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں وہ سورج نکلنے کے بعد پڑھ لے۔

عن مالک انه بلغه ان عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنه فاتته رکعتا الفجر فقضاھما بعد ان طلعت الشمس.

(موطا مالک: ماجاء فی رکعتی الفجر)

امام مالک فرماتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی فجر کی دو رکعتیں فوت ہو گئیں۔ تو آپ نے سورج نکلنے کے بعد انہیں قضا پڑھا۔

(۱۹۸) جمعہ کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔"اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ جس میں ایک مسلمان جو نماز کا پابند ہو اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں۔

(مسلم: کتاب الجمعۃ)

(بقیہ سابقہ صفحہ) قیس ذرا ٹھہرو، کیا دونوں اکٹھی پڑھنے لگے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میری فجر کی دو رکعتیں رہ گئی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلا اذن پھر کوئی حرج نہیں۔
واضح رہے کہ خود امام ترمذی اس روایت کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

"انما یروی ھذا الحدیث مرسلا واسناد ھذا الحدیث لیس بمتصل ومحمد لم یسمع من قیس۔
کہ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند متصل نہیں۔ چونکہ محمد بن ابراہیم نے قیس سے کچھ نہیں سنا۔
اس دلیل میں دوسری کمزوری یہ ہے کہ اس میں فجر کے بعد سنتیں پڑھنے کا جواز صراحتاً معلوم نہیں ہوتا۔ چونکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "فلا اذن" کا دوسرا مفہوم و معنی زیادہ واضح ہے کہ پھر بھی نہ پڑھو۔ تو گویا یہ الفاظ سنتیں پڑھنے کے جواز اور عدم جواز دونوں کی دلیل بن سکتے ہیں۔ بلکہ دوسرا مفہوم اس لئے راجح ہے کہ وہ دیگر روایات کے مطابق ہے جیسا کہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں صراحت ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے، نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد سورج نکلنے تک نماز پڑھنے سے روکا ہے۔

(۱۹۹) جمعہ کے دن غسل کرنا

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "تم میں سے جب کوئی جمعہ پڑھنے کے لئے آئے تو اس کو غسل کرکے آنا چاہئے۔"
(مسلم: کتاب الجمعۃ)

(۲۰۰) جمعہ نہ پڑھنے کی سزا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ منبر کی سیڑھیوں پر فرما رہے تھے۔ خبردار لوگ جمعہ چھوڑنے سے رک جائیں یا پھر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا۔ پھر یہ لوگ غافلین میں سے ہو جائیں گے۔ (مسلم: التغلیظ فی ترک الجمعۃ)

(۲۰۱) اذان جمعہ

پہلی اذان خطبہ شروع ہونے سے کچھ وقت پہلے دی جائے تاکہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں اور دوسری اذان مسنون عربی خطبہ سے پہلے دی جائے۔

عن السائب بن يزيد يقول إن الاذان يوم الجمعة كان اوله حين يجلس الإمام يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر وعمر رضي الله عنهما فلما كان خلافة عثمان رضي الله عنه وكثروا أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث فاذن به على الزوراء فثبت الأمر على ذلك. (بخاری : المؤذن عند الخطبة)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر بیٹھتا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے (خطبہ سے پہلے) ایک اور اذان دینے کا حکم دیا، یہ اذان ایک اونچی جگہ پر دی جاتی تھی پھر اس اذان پر امت کا مسلسل عمل شروع ہو گیا۔

(۲۰۲) خطبہ مسنونہ

نمازِ جمعہ سے پہلے دو خطبے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت ہے۔ دونوں خطبوں کے درمیان چند لمحات کے لئے بیٹھنا چاہئے۔ نیز دونوں خطبے عربی زبان میں پڑھنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ احادیث مبارکہ سے یہی ثابت ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین تبع تابعین اور پوری امت اسلامیہ کا مسلسل عمل اسی پر ہے۔ اسی لئے عربی خطبے خطبہ مسنونہ کہلاتے ہیں جمعہ کے موقع پر اس اجتماع کو غنیمت جانتے ہوئے اگر کوئی شخص مقامی زبان میں کسی اصلاحی و تعمیری موضوع پر تقریر کرنا چاہے تو کرے، لیکن حدیث کی رو سے یہ تقریر خطبہ مسنونہ کا حصہ نہیں کہلائے گی، چونکہ خطبہ مسنونہ عربی میں ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :

وعربی بودن نیز بجہت عمل مستمر مسلمین در مشارق
ومغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمی بودند
(مصفیٰ شرح موطا۔ ص ۱۵۴)

اور خطبہ جمعہ عربی زبان میں دینا سنت ہے چونکہ عہدِ نبوی سے آج تک مشرق و مغرب کے تمام مسلمانوں کا عمل یہی ہے باوجود یہ کہ بہت سے علاقوں میں سامعین عجمی ہوتے تھے مگر آج کل کے بعض غیر مقلدین ایک خطبہ مقامی زبان میں اور دوسرا عربی میں دیتے ہیں جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور عمل صحابہ سے ثابت نہیں ہے۔(۱)

---

(۱) واضح رہے کہ حضرات غیر مقلدین اپنے اس گروہی شعار کو مذہبی رنگ دینے کے لئے مختلف حیلے بہانے تراشتے ہیں۔ مثلاً

۱- خطبہ کا مقصد وعظ و نصیحت اور تذکیر ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر سامعین عربی زبان جانتے ہوں تو خطبہ کا یہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔

تجزیہ:

(الف) اسلامی تعلیمات سب عرب و عجم کے لئے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس بات کا علم تھا کہ ان کے بعض اصحاب مخاطب عجمی ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ ماقبل صفحہ) پھر بھی انہوں نے جمعہ کے دونوں خطبے عربی میں دیئے۔ الغرض ایک خطبہ مقامی زبان
اور دوسرا عربی زبان میں دینا حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے لہذا جو اصول خیر القرون میں غیر
عربی خطبہ کا معیار نہیں بن سکا وہ آج کل غیر عربی خطبہ کا معیار و مدار کیونکر بن سکتا ہے؟

(ب) مندرجہ بالا اصول قرآنی نقطہ نظر سے بھی صحیح نہیں ہے چونکہ قرآن کریم انسانیت کی رہنمائی
ہدایت اور موعظت و نصیحت کے لئے نازل ہوا۔

ارشاد باری ہے:

یا ایها الناس قد جاء تکم موعظة من ربکم وشفاء لما فی الصدور و هدی
ورحمة للمؤمنین۔ (یونس: ۵۷)

گویا قرآن کریم کا عربی میں ہونا اس کے موعظت و ہدایت کے لئے ہونے کے منافی نہیں لہذا
خطبہ مسنونہ کا عربی میں ہونا بھی اس کے موعظت و نصیحت ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(ج) اگر مقامی زبانوں میں خطبہ دینے کی بنیاد یہ ٹھہرے کہ سامعین کو سمجھانا مقصود ہے
تو پھر دونوں خطبے مقامی زبان میں دینے چاہئیں۔ جب کہ خود غیر مقلدین بھی ایک خطبہ مقامی زبان
میں اور دوسرا عربی میں دیتے ہیں۔ آخر یہی اصول دوسرے عربی خطبہ میں کیوں نہیں چلتا۔ اب واقعی یہ
خود ساختہ اصول صحیح نہیں یا الغرض اگر صحیح ہے تو غیر مقلدین اس پر بھی پورا عمل نہیں کرتے۔

۲- اگر جمعہ پڑھانے والا شخص عربی میں خطبہ پڑھ ہی نہیں سکتا تو پھر اس مجبوری کے پیش نظر مقامی
زبان میں خطبہ پڑھ لے۔ حضرات احناف کا راجح اور مفتی بہ مسلک بھی یہی ہے۔ واضح رہے کہ
غیر مقلدین حضرات کو جب ایک خطبہ مقامی زبان میں اور دوسرا عربی میں پڑھنے کی کوئی دلیل
قرآن وسنت اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں ملی تو حضرات احناف کے اس مسلک کا سہارا لینے
کی کوشش کرتے ہیں۔

تجزیہ:

(الف) حضرات احناف کا راجح و مفتی بہ مسلک مجبوری کی حالت سے متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام
احناف کے ہاں دونوں مسنون خطبے عربی میں پڑھے جاتے ہیں۔ اب غیر مقلدین اس سے کیونکر
استدلال کر سکتے ہیں چونکہ ان کے ہاں مجبوری کا کوئی پہلو نہیں ہے اس لئے کہ ان کے خطیب
دوسرا خطبہ عربی میں ہی پڑھتے ہیں۔ نیز غیر مقلدین کا موقف اس لحاظ سے بھی مختلف ہے کہ وہ
ایک خطبہ مقامی زبان میں اور دوسرا عربی میں پڑھتے ہیں۔ جب کہ احناف کے ہاں مجبوری کی
حالت میں جو مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ دونوں خطبے مقامی زبان میں ہوں۔

(ب) حضرات احناف چونکہ حدیث پر عمل کرتے ہیں لہذا وہ سنت کے مطابق (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۲۰۳) رکعات جمعہ

۴ سنت، ۲ فرض، ۲ سنت

جو شخص جمعہ کے لئے آئے یا تو گھر سے چار سنتیں پڑھ کر آئے یا خطبہ شروع ہونے سے پہلے پہلے پڑھ لے، دوران خطبہ سنتیں نہ پڑھے بلکہ باادب ہو کر خطبہ کی طرف متوجہ رہے، پھر دو رکعت فرض نماز پڑھے جس میں امام بلند آواز سے قرأت کرے، نماز جمعہ کے بعد ۲ رکعتیں یا ۴ رکعتیں یا چھ رکعتیں پڑھے چونکہ یہ تینوں عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور مختلف اوقات میں حالات کے مطابق آپ نے یہ رکعات ادا فرمائیں۔ بہتر یہ ہے کہ چھ رکعتیں پڑھ لے تاکہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے اور چھ رکعتوں کا ثواب بھی مل جائے۔

عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال من اغتسل ثم اتی الجمعة فصلی ما قدر له ثم انصت حتی یفرغ من خطبته ثم یصلی معه غفر له ما بینه وبین الجمعة الاخری وفضل ثلاثة ایام.

(مسلم : فضل من استمع وانصت للخطبة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے غسل کیا پھر جمعہ کے لئے آیا، پھر جتنی نفل نماز اس کے مقدر میں تھی اس نے پڑھی پھر امام کے خطبے سے فارغ ہونے تک خاموش رہا، پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے دس دنوں کے گناہ صغیرہ معاف کر دیے جائیں گے۔

عن ابراهیم قال کانوا یصلون قبلها اربعاً.

(مصنف ابن ابی شیبہ. ج ۱. ص ۱۳۱)

(بقیہ سابقہ صفحہ) دونوں مسنون خطبے عربی میں پڑھتے ہیں اور اس موقع پر لوگوں کے اجتماع کے پیش نظر مقامی زبان میں کچھ تقریر بھی کر لیتے ہیں لیکن اس تقریر کو خطبہ مسنونہ قرار نہیں دیتے تاکہ آ جائے غیر مقلدین کو احناف کے مسلک کو ہی بنیاد بنانا ہے تو پھر انہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے، لیکن ان کا تو قصہ ہی نرالا ہے وہ اپنی پنجابی اردو کی تقریر کو پہلا مسنون خطبہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت میں تو پہلا اور دوسرا ہر دو خطبہ عربی میں ہوتے تھے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی دونوں مسنون خطبے مسنون زبان میں پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نماز جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

عن سالم عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بعد الجمعۃ رکعتین. (مسلم: الصلاۃ بعد الجمعۃ)

حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی احدکم الجمعۃ فلیصل بعدھا اربعاً.

(مسلم: الصلاۃ بعد الجمعۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی جمعہ پڑھ لے تو اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔

عن عطاء انہ رای بن عمر رضی اللہ عنہما یصلی بعد الجمعۃ فینماز عن مصلاہ الذی صلی فیہ الجمعۃ قلیلاً غیر کثیر، قال فیرکع رکعتین قال ثم یمشی انفس من ذلک فیرکع اربع رکعات قلت لعطاء کم رایت بن عمر یصنع ذلک؟ قال مراراً. (ابوداؤد: الصلاۃ بعد الجمعۃ)

حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جمعہ کے بعد نماز پڑھتے دیکھا کہ جس مصلے پر آپ نے جمعہ پڑھا ہے اس سے تھوڑا سا ہٹ جاتے تھے۔ پھر دو رکعتیں پڑھتے، پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کتنی دفعہ ایسا کرتے دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ "بہت دفعہ"

الغرض روایت نمبر ا اور نمبر ۲ سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی ان بابرکت گھڑیوں میں جتنی زیادہ نماز پڑھ سکے پڑھے لہٰذا خطبہ شروع ہونے سے پہلے کم از کم چار رکعات تو پڑھ ہی لے۔

روایت نمبر ۳ میں جمعہ کے بعد دو رکعت۔

روایت نمبر ۴ میں چار رکعت اور

روایت نمبر ۵ میں چھ رکعت کا ذکر ہے جو کہ مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے ثابت ہے۔

اسی لئے امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں :

وصح انه صلى الله عليه وسلم قال من كان مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً، وروى الست ركعات عن طائفة من الصحابة رضي الله عنهم. (مختصر فتاوى ابن تيمية. ص ۷۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھنی چاہئیں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چھ رکعات بھی منقول ہیں۔

(۲۰۳) نماز جمعہ میں مسنون قرأت

عن ابن أبي رافع قال استخلف مروان أبا هريرة رضي الله عنه على المدينة وخرج إلى مكة، فصلى لنا ابوهريرة الجمعة فقرأ بعد سورة الجمعة في الركعة الآخرة إذا جاء ک المنافقون قال فادركت اباهريرة حين انصرف فقلت له انک قرات بسورتين كان علي بن ابي طالب يقرأ بهما بالكوفة فقال ابوهريرة رضي الله عنه إني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ بهما يوم الجمعة. (مسلم : ما يقرأ في صلوة الجمعة)

ابورافع کے صاحبزادہ کہتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں نائب بنایا اور خود مکہ مکرمہ چلا گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ پڑھایا آپ نے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ منافقون پڑھی، نماز سے فراغت کے بعد میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کوفہ میں یہی دو سورتیں پڑھتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ جمعہ میں یہ دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

عن عبيدالله بن عبدالله قال كتب الضحاک بن قيس الى النعمان بن بشير يسأله أي شيء قرأ رسول الله يوم الجمعة فقال كان يقرأ هل اتاک. (مسلم : ما يقرأ في يوم الجمعة)

حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ضحاک نے نعمان بن بشیر سے تحریری طور پر پوچھا کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سورہ جمعہ کے علاوہ اور) کون سی سورہ پڑھا کرتے تھے؟ آپ نے بتایا کہ وہ سورہ ھل اتاک پڑھا کرتے تھے۔

نماز تراویح

(۲۰۵) تراویح کی تعریف
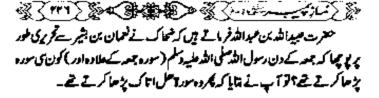
قال ابن حجر رحمه اللّٰه : التراويح جمع ترويحة وهي المرة الواحدة من الراحة، كتسليمة من السلام، سميت الصلوة في الجماعة في ليالي رمضان التراويح لأنهم اول ما اجتمعوا عليها كانوا يستريحون بين كل تسليمتين. (فتح الباري : كتاب صلوة التراويح)

تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ بمعنی ایک دفعہ آرام کرنا، جیسے تسلیمہ بمعنی ایک دفعہ سلام پھیرنا اور رمضان کی راتوں میں باجماعت نماز کو تراویح کہا جاتا ہے۔ اس مناسبت سے کہ ابتداء جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق اس امر پر ہو گیا تو وہ ہر دو سلاموں کے بعد (چار رکعت کے بعد) کچھ آرام کرتے تھے۔ (واضح رہے کہ خود تراویح کا صیغہ بتلا رہا ہے کہ تراویح کی رکعات آٹھ سے زائد ہیں چونکہ چار رکعت، ایک ترویحہ اور آٹھ رکعت ترویحتین بارہ اور اس سے زائد رکعات تراویح)

(۲۰۶) نماز تراویح عہد نبوی میں

عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى في المسجد ذات ليلة فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة أو الرابعة فلم يخرج إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما أصبح قال، قد رأيت الذي صنعتم، فلم يمنعني

من الخروج إليكم إلا اني خشيت ان تفرض عليكم قال و ذلك في رمضان. (مسلم : الترغيب في الصلوة التراويح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھی، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر دوسری رات کی نماز میں شرکاء زیادہ ہو گئے۔ تیسری یا چوتھی رات آپ نماز تراویح کے لئے مسجد میں تشریف نہ لائے اور صبح کو فرمایا: میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا اور میں اسی ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر رمضان میں فرض نہ کر دی جائے۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرغب في قيام رمضان من غير أن يامرهم فيه بعزيمة فيقول من قام رمضان ايماناً واحتساباً غفرله ما تقدم من ذنبه فتوفي رسول الله صلى الله عليه وسلم، والأمر على ذلك ثم كان الأمر على ذلك في خلافة ابي بكر رضي الله عنه وصدرًا من خلافة عمر رضي الله عليه على ذلك. (مسلم : الترغيب في صلاة التراويح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے وجوب کا حکم نہیں۔ آپ فرماتے جو شخص رمضان کی راتوں میں نماز تراویح پڑھے اور وہ ایمان کے دوسرے تقاضوں کو بھی پورا کر رہا ہو اور ثواب کی نیت سے یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہی عمل رہا اور دور صدیقی اور ابتدائی عہد فاروقی میں بھی یہی عمل رہا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دفعہ مسجد میں آ کر باجماعت تراویح پڑھی۔

۲- پورا رمضان تراویح پڑھنا باعث اجر و ثواب و مغفرت ہے۔

۳- نماز تراویح کی تعداد مقرر نہیں فرمائی۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں

ومن ظن أن قيام رمضان فيه عدد موقت عن النبي صلى الله عليه

وسلم لا يزاد فيه ولا ينقص منه فقد أخطأ.

(فتاوی بن تیمیة مصریة. ج ۲. ص ۴۰۱)

جس شخص کا یہ خیال ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی کوئی تعداد مقرر کی ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی تو وہ غلطی پر ہے۔

خود علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

والحاصل ان الذی دلت علیه احادیث الباب وما يشابهها هو مشروعية القيام في رمضان، والصلوة فيه جماعة وفرادى فقصد الصلوة المسماة بالتراويح على عدد معين وتخصيصها بقراءة مخصوصة لم يرد به سنة. (نيل الاوطار. ج ۳ ص ۶۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسئلہ تراویح کی تمام روایات میں نماز تراویح، ان کا باجماعت یا تنہا پڑھنا تو ثابت ہے لیکن خاص نماز تراویح کی تعداد اور اس میں قرأت کی تعیین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔

نماز تراویح خلافت راشدہ میں
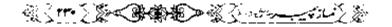
(۲۰۷) عہد صدیقی کا معمول حسب سابق رہا اور لوگ اپنے طور پر عبادت کرتے رہے۔

(۲۰۸) دور فاروقی

رمضان کی تمام راتوں میں عشاء کے فرائض کے بعد وتروں سے پہلے باجماعت نماز تراویح میں قرآن مکمل کرنے کا باضابطہ سلسلہ عہد فاروقی میں شروع ہوا اور بیس رکعت تراویح پڑھی جانے لگیں اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی کیفیت پر اسی تعداد میں تراویح پڑھیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اسلاف صحابہ، اسلاف تابعین و اسلاف فقہاء امت کا بھی یہی معمول رہا اور حرمین شریفین میں آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے، چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی ترغیب تو دی، لیکن ان سب تفصیلات کی وضاحت نہ فرمائی، تاکہ یہ فرض نہ ہو جائیں، اس لئے مزاج شناس رسالت "لو كان بعدى نبى لكان عمر رضى الله عنه" نے انصار و مہاجرین صحابہ کے مشورے سے اس محبوب و مرغوب عمل کو باضابطہ شکل دی، چونکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد اب فرضیت کا خطرہ نہ تھا۔

ان سب کے باوجود اس مقدس و بابرکت مہینہ میں بعض لوگ کاہلی (۱) کا مظاہرہ کرتے ہیں اور صرف آٹھ رکعتوں پر ہی اکتفاء کر لیتے ہیں، مزید یہ کہ اپنے اس عمل کے

(۱) واضح رہے کہ ۱۲۸۴ھ میں مشہور غیر مقلد عالم مفتی محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی دفعہ باضابطہ طور پر یہ فتویٰ جاری کر دیا کہ آٹھ رکعات تراویح سنت اور بیس تراویح بدعت ہے۔ اس انوکھے فتوے سے مسلمانان ہند میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ علمائے اہل سنت نے اس کے رد میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

لئے مختلف حیلے بہانے تراشتے ہیں، مثلاً یہ کہ بیس رکعت کی تعداد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مقرر ہوئی، یہ عجیب نرالی منطق ہے کہ عہد فاروقی میں تراویح کی کیفیت تو قابل قبول ہو لیکن تعداد قابل نظر، چونکہ

۱- پورا رمضان تراویح پڑھنا۔

۲- تراویح کا مستقل باجماعت پڑھنا۔

۳- بیس رکعت تراویح پڑھنا۔

۴- رمضان میں وتر باجماعت پڑھنا۔

(بقیہ ماقبل صفحہ) بہت کچھ لکھا تھی کہ ۱۳۹۰ھ میں مشہور غیر مقلد بزرگ عالم مولانا غلام رسول صاحب قلعہ میاں سنگھ گوجرانوالہ نے بھی اس فتوے کا رد لکھا اور اس فتوے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے مطابق جس میں آتا ہے کہ تم میں سے ہرگز کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ میں (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے ہاں باپ اولاد تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت ہونے کی علامت یہ ہے کہ ہم آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کی پیروی بھی کریں اور آپ کے ارشاد گرامی کہ ان کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کو داڑھوں سے مضبوط کرو۔" کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں نہ یہ کہ کم ہمتی کی وجہ سے صرف گیارہ رکعات پر اکتفا کرتے ہوئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو بدعت قرار دیں اور ان کے اجماع پر طعن کریں اور بیس رکعات پڑھنے والوں پر فعل مشرکین اور اپنے آباء واجداد کی تقلید کرنے کی چوٹ کریں اور اس باب میں ہماری پہلی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ہیں کہ فضائل اعمال میں ان پر عمل کرنا اجماعی امر ہے اور دوسری دلیل حضرات صحابہ کرام تابعین ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی بڑی جماعت کا عمل ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب میں جاری ہے کہ وہ بیس رکعت ہی پڑھتے رہے ہیں بخلاف اس غالی مفتی (بٹالوی) کے کہ وہ اس عمل کو بدعت اور مخالف سنت کہتا ہے اور حد سے تجاوز کرتا ہے۔"
مزید لکھتے ہیں کہ یہ مفتی سینہ زوری کے ساتھ سنت کی پیروی کرنے والوں کے عمل کو بدعت کہتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین، ائمہ مجتہدین اور مشرق و مغرب کے علماء کی بہت بڑی جماعت کو مخالف سنت قرار دیتا ہے بلکہ اس مفتی نے بات یہاں تک پہنچا دی ہے کہ ان حضرات کے اس عمل کو تقریباً مشرکین کا فعل کہتا ہے اور ان کو اپنے آباء واجداد کی تقلید کا عادی قرار دیتا ہے۔ (غلام رسول۔ رسالہ تراویح۔ ص ۲۸، ص ۵۶)۔

آخر یہ سب کچھ عہد فاروقی میں شروع ہوا۔ ملاحظہ ہو۔

عن عبد الرحمن القاری انہ قال خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسہ ویصلی الرجل فیصلی بصلاتہ الرھط، فقال عمر، واللّٰہ انی لاراني لو جمعت ھؤلاء علی قاری واحد لکان امثل فجمعھم علی ابی بن کعب، قال ثم خرجت معہ لیلۃ اخری والناس یصلون بصلوۃ قارئھم فقال عمر نعمت البدعۃ ھذہ التی تنامون عنھا افضل من التی تقومون یعنی آخر اللیل وکان الناس یقومون اولہ.

(موطا مالک : ماجاء فی قیام رمضان)

حضرت عبدالرحمٰن قاری فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ رمضان میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروہوں میں علیحدہ علیحدہ نماز تراویح پڑھ رہے ہیں۔ کوئی تو اکیلا پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : بخدا میرا خیال ہے کہ اگر ان سب کو ایک امام کی اقتداء میں جمع کر دیا جائے تو بہت اچھا ہے اور سب کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کر دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم دوسرے دن نکلے اور دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کر رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا : ''یہ بڑا اچھا طریقہ ہے'' اور مزید فرمایا کہ ابھی تم رات کے جس آخری حصہ میں سو جاتے ہو وہ اس وقت سے بھی بہتر ہے جس کو تم نماز میں کھڑے ہو کر گزارتے ہو۔ آپ کا مقصد اس آخری حصہ کی اہمیت جتلانا تھا اور رات کا ابتدائی حصہ تو لوگ پہلے ہی نماز میں گزارتے تھے۔

عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ۔(۱) (موطا مالک : ماجاء فی قیام رمضان)

(۱) عن السائب بن یزید انہ قال امر عمر بن الخطاب ابی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للناس باحدی عشرۃ رکعۃ... الخ

اس روایت کی بنیاد پر بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت یزید بن رومان کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرات صحابہ تیئیس رکعت ادا فرماتے تھے۔

روی البیھقی فی المعرفة عن السائب بن یزید کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر.

(اسنادہ صحیح) (زیلعی : نصب الرایة. ج ۲. ص ۱۵۴)

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المعرفۃ میں نقل کیا ہے حضرت سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ہم بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

فلما جمعھم عمر علی ابی بن کعب کان یصلی بھم عشرین رکعة ثم یوتر بثلاث. (الفتاوی المصریة. ج ۲. ص ۴۰۱)

(بقیہ ماقبل صفحہ) رکعت تراویح کا حکم دیا حالانکہ خود اس روایت کی کیفیت یہ ہے کہ:

۱- یہ حدیث تین طرح سے منقول ہے، ایک میں اکیس کا ذکر ہے۔ دوسری میں گیارہ کا تیسری میں تیرہ کا، ظاہر ہے کہ اس میں سے صحیح تو ایک قول ہے اور وہ موطا کی شرح میں زرقانی نے نقل کیا ہے۔

"قال ابن عبدالبر روی غیر مالک فی ھذا الحدیث أحد و عشرون وھو الصحیح۔"

کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے راویوں نے حضرت سائب کی اسی روایت میں اکیس تراویح کا ذکر کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔

۲- ظاہر ہے جب ایک ہی روایت میں تین الفاظ منقول ہیں اور ایک صحیح ہے تو باقی غلط ہوں گے۔

ابن عبدالبر نے اس کی بھی توضیح و تعیین کر دی فرماتے ہیں:

الا أن الاغلب عندی أن قوله احدی عشرة وھم۔ (زرقانی شرح موطا ج ۱۔ ص ۳۵۴، قیام رمضان)

کہ میرے نزدیک زیادہ غالب یہی ہے کہ گیارہ کا ذکر وہم کی بنیاد پر ہوا ہے۔

۳- حضرت سائب کی بیہقی والی روایت میں بیس رکعات تراویح کا ذکر ہے جو قرینہ ہے کہ حضرت سائب کی بیس تراویح والی روایت ہی صحیح ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

فلما كان عمر رضي الله عنه جمعهم على امام واحد وهو ابي بن كعب الذي جمع الناس عليه بامر عمر بن الخطاب، وعمر هو من الخلفاء الراشدين حيث يقول صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي عضوا عليها بالنواجذ يعني الاضراس لانها اعظم في القوة وهذا الذي فعله هو سنة.

(فتاوی ابن تیمیة، ج ۲۲، ص ۲۳۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں جمع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین میں سے ہیں جن کی بابت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسی کو داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھوں کا ذکر اسی لئے کیا کہ داڑھوں کی گرفت مضبوط ہوتی ہے۔ الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام عین سنت ہے۔

(۲۰۹) عہد عثمانی

خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بھی بیس تراویح کا معمول رہا۔

عن سائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب في شهر رمضان بعشرين ركعة وكانوا يقرؤن بالمئين. وكانوا يتوكؤن على عصيهم في عهد عثمان من شدة القيام. (رجاله ثقات: آثار السنن) (بيهقي: عدد ركعات القيام في رمضان)

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرات صحابہ رمضان میں بیس رکعات پڑھتے تھے اور ایک سو سے زائد آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں تو بعض لوگ شدت قیام کی

وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیا کرتے تھے۔

(۲۱۰) عہد علی رضی اللہ عنہ

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے مبارک دور خلافت میں بیس تراویح پڑھنے کا حکم دیا۔

عن عبدالرحمن بن ابی سلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة قال و کان علی یوتر بهم.

(بیهقی : عدد رکعات القیام فی رمضان)

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قراء حضرات کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ وتر حضرت علی پڑھاتے تھے۔

عن شتیر بن شکل و کان من أصحاب علی رضی اللّٰه عنه انه کان یؤمهم فی شهر رمضان بعشرین رکعة و یوتر بثلاث. (قال البیهقی و فی ذلک قوة) (بیهقی : عدد رکعات القیام)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے حضرت شتیر بن شکل رمضان میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۲۱۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے ساتھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی بیس تراویح پڑھا کرتے تھے۔

قال الأعمش کان (ابن مسعودؓ) یصلی عشرین رکعة و یوتر بثلث.

(مروزی : قیام اللیل. ص۱۵۷)

حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا معمول بھی بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھنے کا تھا۔

(۲۱۲) جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل مکہ کا عمل

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں :

واکثر اهل العلم علی ما روی عن علي رضی الله عنه وعمر رضی الله عنه وغیرهما من اصحاب النبي صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة، وهو قول سفیان الثوري وابن المبارک والشافعي وقال الشافعي وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة.

(ترمذی : ماجاء في قیام شهر رمضان)

کہ جمہور اہل علم کا مسلک وہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ تراویح میں بیس رکعات ہیں۔ حضرت سفیان ثوری، ابن مبارک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مکہ کو بیس رکعات پڑھتے دیکھا۔

واضح رہے کہ جمہور کے علاوہ بعض حضرات مدینہ منورہ میں اکتالیس رکعات تراویح پڑھتے تھے جیسا کہ ترمذی نے بھی نقل کیا ہے جس کا پس منظر حضرت داؤد بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کے حاشیہ میں ملاحظہ ہو کہ وہ بھی بنیادی طور پر بیس رکعات ہی پڑھتے تھے۔ بہرحال امام ترمذیؒ نے بھی اہل مکہ واہل مدینہ میں سے آٹھ تراویح پر کسی کا عمل نقل نہیں کیا۔

(۲۱۳) اجماع اسلاف امت

حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم وفقہاء امت رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے کہ رمضان میں بیس تراویح سنت ہے۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

والمختار عند احمد فیها عشرون رکعة وبهذا قال الثوري، واستدل بان عمر رضي الله عنه لما جمع الناس علی ابي کان یصلی بهم عشرین رکعة، ورواية مالک عن یزید بن رومان (کمامر) ورواية عليؓ (کمامر) ویقول، وهذا کالاجماع. وما کان علیه اصحاب رسول الله

صلى الله عليه وسلم اولى واحق ان يتبع.

(ملخص. المغني. ج ۲. ص ۱۳۹. صلوة التراويح)

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پسندیدہ عمل بیس رکعات کا ہے اور حضرت ثوری بھی یہی کہتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ بیس رکعات پڑھتے تھے۔ نیز حضرت امام احمد کا استدلال حضرت یزید و علی رضی اللہ عنہما کی روایات سے ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ یہ بمنزلہ اجماع کے ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جس چیز پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ عمل پیرا رہے ہوں۔ وہی اتباع کے لائق ہے۔

وروى محمد بن نصر عن طريق عطاء قال ادركتهم في رمضان يصلون عشرين ركعة والوتر ثلاث ركعات.

(مروزی : قيام الليل. ص ۵۷)

محمد بن نصر نقل کرتے ہیں کہ حضرت عطاء نے فرمایا کہ میں نے حضرات صحابہ کو رمضان میں بیس تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے ہوئے پایا۔

علامہ نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں :

والمراد بقيام رمضان صلوة التراويح، واتفق العلماء على استحبابها واختلفوا أن الأفضل صلوتها منفردا في بيته أم في جماعة في المسجد فقال الشافعي ؒ وابو حنيفةؒ واحمدؒ وبعض المالكيةؒ وغيرهم، الافضل صلوتها جماعة كما فعله عمر بن الخطاب والصحابة، واستمر عمل المسلمين عليه لأنه من الشعائر الظاهرة.

(شرح مسلم للنووی، ملخص، الترغيب في قيام رمضان)

کہ قیام رمضان سے مراد تراویح ہے اور تمام علماء متفق ہیں کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے البتہ اس میں کچھ اختلاف ہے گھر میں اکیلا پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں باجماعت؟ تو امام شافعیؒ وابوحنیفہؒ واحمدؒ بعض مالکیہ اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ باجماعت پڑھنا بہتر ہے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا اور اس پر مسلمانوں کا مسلسل عمل جاری ہے۔ حتی کہ یہ مسلمانوں کی ظاہری

علامات میں سے ایک علامت ہے۔

نیز علامہ نووی فرماتے ہیں :

إعلم أن صلوة التراويح سنة باتفاق العلماء وهي عشرون ركعة يسلم من كل ركعتين. (الأذكار. ص ۸۳)

جان لو کہ نماز تراویح کے سنت ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے اور یہ بیس رکعات ہیں۔ جن میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔

عن داؤد بن الحصين انه سمع الأعرج يقول ما ادركت الناس إلا وهم يلعنون الكفرة في رمضان قال وكان القارى يقرأ سورة البقرة في ثمان ركعات، فإذا قام بها في اثنى عشرة ركعات رأى الناس انه قد خفف. (قال الباجي ادركت الناس اى الصحابة) (قلبر القراءة في رمضان)

حضرت داؤد اعرج سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کیفیت میں دیکھا کہ وہ رمضان میں کفار کے لئے بددعا کرتے تھے، نیز یہ کہ امام سورۃ بقرۃ تراویح کی آٹھ رکعات میں مکمل کرتا تھا اور اگر کبھی بارہ رکعت میں مکمل کرتا، تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھتے کہ آج اس نے ہلکی نماز پڑھائی۔

اس روایت سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی نماز تراویح آٹھ رکعت سے زائد ہوتی تھی جب کہ دوسری روایت میں تصریح ہو چکی ہے کہ سب بیس رکعت ہی پڑھتے تھے، لہذا ہمیں بھی پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی روشنی میں سچے متبعین حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مستقل اور متفقہ عمل کے مطابق بیس رکعات تراویح پڑھنی چاہیے۔ اسلاف تابعین (۱) واسلاف فقہاء امت نے بھی ایسا ہی کیا۔

---

(۱) حضرات تابعین کے دور میں بعض اہل مدینہ کا یہ عمل منقول ہے کہ وہ چھتیس یا چالیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔

اس عمل کی تفصیلات سے واقف ہونے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرات بھی بنیادی تراویح بیس رکعت کے ہی قائل تھے اور باقی زائد رکعات پڑھنے کا قصہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ

حرم مکی شریف

مکہ مکرمہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے سے آج تک مسلسل بیس تراویح کا معمول چلا آ رہا ہے اور کسی بھی دور میں بیس سے کم یا زیادہ تراویح باجماعت پڑھنا تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے۔ اسی لئے آج کل بھی حرم مکی شریف میں بیس تراویح ہی پڑھی جاتی ہیں، امام شافعی اہل مکہ کا معمول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"واحب الیّ عشرون، لانہ روی عن عمر رضی اللہ عنہ وکذلک یقومون بمکۃ ویوترون بثلاث". (الأم ج ۱ ص ۱۴۲)

مجھے بیس تراویح پڑھنا اس لئے پسند ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے اور اہل مکہ کا بھی عمل ہے نیز وہ بھی تین وتر پڑھتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ) ابن قدامہ نقل کرتے ہیں کہ : انما فعل أهل المدينة لأنهم أرادوا مساواة أهل مكة فإن أهل مكة كانوا يطوفون سبعاً بين كل ترويحتين فجعل أهل المدينة مكان كل سبع اربع ركعات وما كان عليه أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أولى واحق أن يتبع۔

(المغنی۔ ج ۲۔ص ۱۳۹۔ صلوۃ التراویح)

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ نے اہل مکہ کے ساتھ ثواب میں برابری کے لئے ایسا کیا، چونکہ اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد ایک طواف کر لیا کرتے تھے تو اہل مدینہ نے طواف کی بجائے چار رکعت پڑھنا شروع کیں۔ ان سب کے باوجود جس چیز پر سلف صحابہ کا عمل ہو وہ اتباع کے زیادہ قابل ہے۔

امام ترمذیؒ اہل مدینہ کا عمل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"واكثر اهل العلم على ما روى عن على وعمر وغيرهما من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم عشرين ركعة، وهو قول سفيان الثورى وابن المبارك، والشافعى، وقال الشافعى وهكذا ادركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة. (ترمذى : ماجاء فى قيام رمضان)

اکثر اہل علم کا وہی مسلک ہے جو حضرت عمرؓ و علیؓ اور دوسرے صحابہ کرام سے منقول ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ، ابن مبارک اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اہل مکہ بیس رکعات پڑھتے ہیں۔

الغرض معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے بعد جمہور اہل علم اور اہل علم مکہ کا مسلسل عمل بیس رکعات تراویح پڑھنے کا ہے۔

حرم مدنی شریف

چودہ سو سالہ تاریخی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ بھی بیس تراویح ہی پڑھتے تھے البتہ بعض اوقات میں چھتیس رکعات اور تین وتر پڑھنے کا قصہ یوں ہے کہ اہل مکہ ہر چار رکعات تراویح کے بعد والے وقفہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے ایک طواف کر لیا کرتے تھے تو اہل مدینہ اس فضیلت و ثواب کو حاصل کرنے کے لئے طواف کے بجائے اس وقفہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے چار رکعات پڑھ لیتے تھے مگر ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود جس چیز پر حضرات صحابہ کرام کا عمل تھا وہ زیادہ اتباع کے قابل ہے۔ ملاحظہ ہو:- (المغنی ج ۱ص ۱۶۷)

سعودی عرب کے نامور عالم مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے موجودہ قاضی شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں تراویح ہو رہی ہوتی ہے تو بعض لوگ آٹھ رکعات پڑھ کر ہی رک جاتے ہیں۔ ان کا یہ گمان ہے کہ آٹھ تراویح پڑھنا بہتر ہے اور اس سے زیادہ جائز نہیں ہیں۔ اس طرح یہ لوگ مسجد نبوی میں بقیہ تراویح کے ثواب سے محروم رہتے ہیں ان کی اس محرومی کو دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ لہٰذا میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں تاکہ ان لوگوں کے شکوک

وشبہات ختم ہوں اور ان کو بیس تراویح پڑھنے کی توفیق ہو جائے، البتہ جو متعصب لوگ نماز عشاء کے بعد ہی مسجد نبوی سے اس لئے نکل جاتے ہیں کہ وہ دور دراز کی کسی مسجد میں جا کر آٹھ تراویح پڑھیں گے ان کو بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مسجد سے نکل کر شائد تم نے اس حدیث پر عمل کیا جس میں گھر جا کر نوافل پڑھنے کو افضل کہا گیا ہے اور شاید تمہیں مسجد نبوی شریف میں نماز تراویح کا ثواب ملا۔ جہاں ایک نماز کی مسجد میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔"

پہلی صدی میں نماز تراویح

گزشتہ صفحات میں خلافتِ راشدہ، اور بعد کے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل تفصیلاً مذکور ہوا کہ آپ سب حضرات مسجد نبوی میں بیس تراویح ہی پڑھتے تھے۔

(۲۱۷) دوسری تیسری صدی

شیخ عطیہ سالم فرماتے ہیں :

مضت المائة الثانية والتراويح ست وثلاثون وثلاث وتر، ودخلت المائة الثالثة، وكان المظنون أن نظل على ما هي عليه تسع وثلاثون بما فيه الوتر. (التراويح أكثر من ألف عام ص ۳۱)

دوسری صدی میں چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھے جاتے تھے اور تیسری صدی میں بھی وتروں سمیت انتالیس رکعات ادا کی جاتی تھیں۔

(۲۱۸) چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی

عادت التراويح في تلك الفترة كلها إلى عشرين ركعة فقط بدلا من ست وثلاثين في السابق. (التراويح...... ص ۳۲)

ان تین صدیوں میں چھتیس کے بجائے پھر سے بیس رکعت تراویح پڑھی جانے لگیں۔

(۲۱۹) آٹھویں صدی سے تیرھویں صدی تک

فكان يصلي التراويح أول الليل بعشرين ركعة على المعتاد ثم يقوم آخر الليل في المسجد بست عشرة ركعة. (التراويح...... ص ۳۷)

آخری صدی میں حسب دستور بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی تھیں اور پھر رات کے آخری حصہ میں سولہ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔

نویں صدی میں بھی یہی معمول رہا۔ (التراویح...... ص ۴۹)

دسویں صدی میں بھی یہی معمول رہا۔ (التراویح...... ص ۵۰)

گیارہویں بارہویں اور تیرہویں صدی میں بھی یہی معمول رہا۔ (التراویح ......ص ۵۲، ۵۳، ۵۷)

(۲۲۰) چودھویں صدی

دخل القرن الرابع عشر والتراویح فی المسجد النبوی علی ما هی علیه من قبل وظلت إلی قرابة منتصفه. (التراویح...... ص ۵۸)

چودھویں صدی کے پہلے پچاس سال کے دوران مسجد نبوی میں تراویح کا معمول حسب سابق رہا (کہ بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں۔) چودھویں صدی ہجری کے آخری پچاس سالوں کے دوران مسجد نبوی میں تراویح کے معمول کی بابت کہتے ہیں۔

ثم جاء العهد السعودی فوحدت فیه الجماعة فی المسجد النبوی وفی المسجد الحرام للصلوات الخمس وللتراویح وعادت حالة الإمامة إلی أصلها موحدة منتظمة أما عدد الرکعات وکیفیة الصلوة فکانت عشرین رکعة بعد العشاء وثلاث وتراً وذلک طیلة الشهر...... وعلیه فتکون التراویح قد استقر علی عشرین رکعة علی ما یدل علیه العمل فی جمیع البلاد. (التراویح...... ص ۶۵)

دوسری نصف صدی میں سعودی حکومت قائم ہوگئی تو حرم مکی شریف وحرم مدنی شریف میں پانچوں نمازوں اور تراویح کو منظم کردیا گیا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ پورا رمضان عشاء کے بعد بیس تراویح اور تین وتر پڑھی جاتی ہیں۔ اس طرح تراویح کا بیس رکعت پڑھنا بالکل پختہ اور مضبوط ہوگیا اور دوسرے تمام علاقوں میں بھی یہی عمل جاری ہے۔

(۲۲۱) نمازِ تراویح کا حنفی امام

وكان الشيخ أسعد توفيق من أئمة الأحناف قبل العهد السعودي فأسندت إليه صلوة العشاء ...... والشيخ أسعد هو الذي تولى صلاة التراويح. (التراويح. ص. ١٠٠، ص ٦٩)
سعودی حکومت قائم ہونے سے پہلے شیخ اسعد توفیق رحمۃ اللہ علیہ حنفی امام تھے۔ سعودی حکومت نے بھی ان کے ذمہ عشاء کی نماز لگائی اور یہی شیخ اسعد تراویح کی نماز بھی پڑھاتے تھے۔

(۲۲۲) تراویح پڑھانے کی کیفیت

يبدؤها فضيلة الشيخ عبدالعزيز فيصلي عشر ركعات في خمس تسليمات وتستمر إلى الساعة الثالثة إلا خمس دقائق أي تستغرق نصف ساعة تماماً ثم يبدؤها فضيلة الشيخ عبدالمجيد في العشر ركعات الأخرى مباشرة يصليها بخمس تسليمات... فيكون العشرون ركعة كاملة بجزء كامل. (التراويح. ص ٧٩ـ ٨٠)
پہلے شیخ عبدالعزیز پانچ سلاموں کے ساتھ دس تراویح پڑھاتے تھے اور عربی وقت کے مطابق پانچ منٹ کم تین بجے تک نصف گھنٹہ میں مکمل کر لیتے ہیں پھر شیخ عبدالمجید فوراً ہی مزید دس تراویح پڑھاتے تھے اس طرح روزانہ بیس تراویح میں ایک پارہ مکمل ہو جاتا ہے۔

(۲۲۳) پندرھویں صدی

بندۂ ناچیز فیصل عرض کرتا ہے کہ ۲۲ صفر ۱۴۰۵ھ تک شیخ عبدالعزیز اور شیخ عبدالمجید مدظلہما بقید حیات ہیں اور اس صدی کے گزشتہ چار سالوں میں بھی دونوں حضرات نے حسب سابق بیس تراویح ہی پڑھائی تھیں۔ اس طرح حرم مکی شریف میں بھی بیس تراویح ہی پڑھی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ تمام مسلمان بھی حرمین شریفین کی طرح رمضان المبارک میں بیس تراویح پڑھنے لگ جائیں۔ آمین

(۲۲۴) دو سوال

اس پوری تحقیق کے بعد شیخ عطیہ سالم لکھتے ہیں :

وفي نهاية هذا العرض التاريخي نستوقف القارئ الكريم لنتسائل معه هل وجد التراويح عبر التاريخ الطويل اكثر من الف عام في مسجد النبي عليه السلام منذ نشأتها إلى اليوم قد اقتصرت على ثمان ركعات أو قلت عن العشرين ركعة، ثم انها أربعة عشر قرناً وهي على هذا الحال ما بين العشرين والأربعين، وهل سمع قولاً ممن تبوؤا الدار والإيمان من قبلهم أو الذين سبقونا بالإيمان ولو من شخص واحد يقول لا تجوز الزيادة على الثمان ركعات أخذا بحديث عائشة رضي الله عنها..... وإذا لم يوجد طيلة تلك المدة من يقول لا تجوز الزيادة على الثمان ركعات ولا وجد طيلة هذه المدة من يقتصر على ثمان ركعات في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم جماعةً، فإن أقل ما يقال لهؤلاء الذين لا يرون جواز الزيادة على الثمان ركعات ولا يقتصرون على أنفسهم فيما ارتأوه بل يدعون غيرهم إليه فيقال لهم إن اتباع الأمة من عهد الخلفاء الراشدين إلى اليوم وموافقة الجماعة من الصدر الأول إلى هذا العهد خير من المخالفة وخصوصاً من يصلي في المسجد ومع الإمام. (التراويح..... ص۱۰۸، ۱۰۹)

اس تفصیلی تجزیے کے بعد ہم اپنے قراء سے اولاً تو یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا ایک ہزار سال سے زائد اس طویل عرصہ میں کسی موقع پر بھی یہ ثابت ہے کہ مسجد نبویؐ میں مستقل آٹھ تراویح پڑھی جاتی تھیں؟ یا چالیس بیس سے کم تراویح پڑھنا ہی ثابت ہو؟ بلکہ ثابت تو یہ ہے کہ پورے چودہ سو سالہ دور میں بیس یا بیس سے زائد تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کسی صحابی یا ماضی کے کسی ایک عالم نے بھی یہ فتویٰ دیا کہ آٹھ سے زائد تراویح جائز نہیں ہیں اور اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو اس فتوے کی بنیاد بنایا ہو؟

الغرض جب پورے چودہ سو سالہ دور میں ایک قابل ذکر شخص بھی ایسا نہیں ملتا جس نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ آٹھ سے زائد تراویح جائز نہیں، اور نہ ہی ثابت ہوا ہے کہ مسجد نبویؐ میں باجماعت صرف آٹھ تراویح ادا کی گئی ہوں تو پھر بھی جو لوگ آٹھ تراویح پڑھنے پر مصر ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں ہم ان سے صرف اتنا عرض کر دیتے ہیں کہ خلفاء راشدین رضی اللہ

ختم کے زمانے سے لے کر آج تک کے تمام مسلمانوں کے طرز پر تراویح پڑھنا ان کی مخالفت سے بہت بہتر ہے خصوصاً اس شخص کے لئے جو مسجد میں باجماعت تراویح پڑھے۔

(۲۲۵) ایک مخلصانہ نصیحت

رمضان جیسے بابرکت و مقدس مہینہ میں رحمت الٰہی کا لامتناہی سمندر جوش میں ہوتا ہے۔ جس میں ایک رکعت کا ثواب کم از کم ستر گنا اور ہر ایک کے اخلاص و خشوع کی مناسبت سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے اور اس سے بھی زائد جتنا اللہ تعالیٰ چاہیں۔ لہٰذا اس نادر فرصت میں زیادہ سے زیادہ موتی جمع کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ورنہ یقیناً گھاٹے میں رہے گا وہ شخص جو اس وقت بھی سستی کرے، یا پھر کسی گروہی تعصب میں مبتلا ہو کر اس سعادت سے محروم رہے اور کم عدد پر اکتفاء کر کے اللہ تعالیٰ کی اس کرم نوازی سے استغناء کا ثبوت دے۔ جب کہ قیامت کے دن ایک ایک نیکی کی اہمیت ہوگی۔ اب بیس رکعت اور آٹھ تراویح کا کم از کم ثواب دیکھیں اور فیصلہ کریں۔

۳۰×۲۰ = ۷۰×۶۰۰ = ۴۲۰۰۰

۳۰×۸ = ۷۰×۲۴۰ = ۱۶،۸۰۰

تو بیس تراویح پڑھنے والے کو صرف ایک ماہ میں کم از کم بیالیس ہزار رکعات کا ثواب ملتا ہے۔ (بلکہ اس سے بھی زیادہ)

جب کہ آٹھ رکعات کا ثواب صرف سولہ ہزار آٹھ سو تک ہے۔ لہٰذا ہمیں زیادہ ثواب والی راہ اختیار کرنی چاہئے۔

(۲۲۶) بعض شبہات کا ازالہ

گزشتہ سطور میں گزرا کہ تراویح کے معاملے میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پورے رمضان میں بیس رکعت تراویح بعد عشاء مسجد میں باجماعت پڑھتے تھے۔ بعض لوگ ان سب تفاصیل سے متفق ہیں لیکن تعداد تراویح کے معاملہ میں وہ حضرات صحابہ پر اعتماد کرنے کے بجائے اپنے ذاتی فہم پر اعتماد کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنے عمل کو سنت کے تابع بنائیں وہ سنت کو اپنے فہم و عمل پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً۔

شبہ ۱ – عن أبي سلمة رضي الله عنه أنه سأل عائشة رضي الله عنها كيف كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان فقالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة، يصلي اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثاً فقالت عائشة يا رسول الله صلى الله عليه وسلم أتنام قبل أن توتر فقال يا عائشة إن عيني تنامان ولا ينام قلبي. (مسلم : صلاة الليل والوتر)

حضرت ابوسلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیا ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعات سے زائد تہجد نہ پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعات پڑھتے جن کے حسن وطول کا کیا کہنا پھر چار رکعات پڑھتے جن کے حسن وطول کا کیا کہنا پھر آپ تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ وتروں سے پہلے سوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا : عائشہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔

جائزہ

اس روایت کو آٹھ تراویح کے لئے بنیاد بنانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن یہ حدیث تراویح پر منطبق نہیں ہوتی، چونکہ

۱- تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے اور اس روایت میں ایسی نماز کا ذکر ہے جو رمضان کے علاوہ بھی پڑھی جاتی ہے۔ الفاظ حدیث "فی رمضان ولا فی غیرہ" سے بھی واضح ہوتا ہے اور وہ تہجد ہے۔

اور چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں عبادت کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ اس لئے حضرت ابوسلمہ نے پوچھ لیا کہ شاید رکعات تہجد میں بھی اضافہ فرمادیا ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے واضح ہوا کہ تہجد میں آپ کا رمضان وغیر رمضان کا عمل یکساں تھا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رمضان میں اہتمام کے لئے ملاحظہ ہو۔

قالت عائشة رضي الله عنها كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد في العشر الاواخر ما لا يجتهد في غيره.

(مسلم : الاجتهاد في العشر الاواخر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اتنی محنت کرتے کہ اس کے علاوہ اتنی محنت نہ کرتے۔

۲- یہ بڑی واضح حقیقت ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات سے خوب واقف تھے اور آپ کی حدیث کا صحیح فہم رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی اس حدیث کو تہجد پر ہی محمول کیا، چونکہ اگر اس سے مراد تراویح ہوتی تو حضرات صحابہ بھی یقیناً آٹھ تراویح پڑھتے، حالانکہ وہ تو بیس رکعات ادا فرماتے تھے۔

۳- اس سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی کہ تراویح اور تہجد دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں، چونکہ حضرات صحابہؓ نے آٹھ رکعات والی تہجد کی اس حدیث کے باوجود بیس تراویح پڑھیں اگر رمضان میں تہجد تراویح ایک ہی چیز ہوتی تو حضرات صحابہ اس حدیث کی وجہ سے آٹھ تراویح پڑھتے، چونکہ وہ تو ایک ذرا سی چیز میں بھی آپ کی مخالفت نہ کرتے تھے۔(۱)

الغرض اس حدیث کا اصل مفہوم وہ ہے جو حضرات صحابہ نے سمجھا۔ تہجد اور دوسرا مفہوم وہ ہے جو بعض لوگوں نے نکالا اور سمجھا تو بہرحال حضرات صحابہ والا مفہوم پسند ہے۔

"وللناس فيما يعشقون مذاهب"

۴- اس حدیث میں ایسی نماز کا ذکر ہے جو تنہا ہوتی تھی اور وہ تہجد ہے، تراویح تو باجماعت ہوتی ہیں۔ لہذا اس حدیث کو تراویح پر منطبق کرنا صحیح نہیں۔

---

(۱) واضح رہے کہ حضرات غیر مقلدین کے ذمہ دار علماء بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ تہجد اور تراویح دو علیحدہ نمازیں ہیں۔ چونکہ جب منکر حدیث عبداللہ چکڑالوی نے یہ دعویٰ کیا کہ نماز تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے تو مشہور غیر مقلد عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(الف) ایسے صاف اور صحیح جواب کو پا کر بھی ان مولوی صاحب (چکڑالوی) نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے جواب میں بہت کوشش کی ہے جس ساری کوشش کا خلاصہ یہی ہے کہ پچھلے وقت کی نماز اور پہلے وقت کی ایک ہی ہے دو نہیں۔ یعنی تراویح جو اول وقت پڑھی جاتی ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۵- اس روایت میں چار چار رکعت نماز کا ذکر ہے اور تراویح تو بالاتفاق دو دو رکعت کر کے پڑھی جاتی ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کو تراویح پر منطبق کرنا صحیح نہیں۔

۶- اس حدیث میں تین وتروں کا بھی ذکر ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح حضرات صحابہ کے عمل سے اور سب کچھ تو لے لیا مگر بیس کی تعداد کو چھوڑا اور آٹھ میں اپنا آرام سمجھا، اس طرح خود اس حدیث میں سے آٹھ کے عدد کو تو لے لیا اور اسی روایت میں مذکور تین وتروں کو چھوڑا اور ایک وتر کو اختیار کیا چونکہ بیس تراویح اور تین وتر بھاری ہیں۔ "وانها لكبيرة إلا على الخاشعين" اور بے شک نماز گراں ہے مگر خشوع رکھنے

(بقیہ سابقہ صفحہ) تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ پر بھی کوئی دلیل نہیں، بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے کیونکہ تہجد کے معنی ہیں نیند سے اٹھ کر نماز پڑھنا، قاموس میں ہے۔ تہجد، استیقظ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وعن ابیہا کی حدیث سے جو ذیل میں درج ہے۔ ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔" یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اول شب کی نماز اور آخر شب کی نماز ایک ہی ہے، بلکہ اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (ثناء اللہ امرتسری: اہل حدیث کا مذہب۔ ص ۹۲-۹۳)

اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ منکرین حدیث چکڑالویوں کا مذہب ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔ جب کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے دلائل سے ثابت کر دیا کہ تراویح اور تہجد ایک نماز نہیں ہے۔ نیز یہ کہ حدیث عائشہ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تراویح اور تہجد ایک چیز ہے۔ لہٰذا ہمیں تو وہ نظریہ پسند ہے جو بقول مولانا موصوف دلائل سے ثابت ہے اور یہی اہل حدیث کا مذہب ہے، اگر کچھ لوگوں کو منکرین حدیث چکڑالویوں والا نظریہ پسند ہے جو بقول مولانا موصوف دلائل سے ثابت نہیں تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہر شخص کا اپنا اپنا ذوق انتخاب!

وللناس فيما يعشقون مذاهب۔

(ب) دوسرا قابل غور طلب امر یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں تراویح کے بعد تہجد کی نماز بھی پڑھی جائے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فتاویٰ ثنائیہ کے دو سوال و جواب ملاحظہ ہوں۔

سوال: جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے۔ اول شب تہجد نہیں ہوتی۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

والوں پر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خاشعین میں سے بنا دے۔ (آمین)

۷۔ آرام پرستی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس حدیث میں سے آٹھ کی تعداد کو تو قبول کیا۔ مگر ان آٹھ کی کیفیت کو چھوڑ دیا جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اتنا طویل ہوتا تھا کہ قدم مبارک سوج جاتے۔ بالفرض اگر اسی حدیث کو بنیاد بنانا تھا تو پھر طویل قیام کی اس کیفیت کو کیوں کر چھوڑ دیا حالانکہ یہ کیفیت بھی تو اسی سنت کا حصہ ہے۔

افسوس ہے مالی معاملات میں تو محنت و ترقی کا رجحان ہوتا ہے اور دین و آخرت کے معاملہ میں آرام پرستی ہو انحطاط کا اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں۔ (آمین)

(۲۳۷) شبہ ۲۔ آٹھ رکعات تراویح کے قائلین کا سہارا بالآخر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جو کہ علما حدیث کے نزدیک بھی ضعیف ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان

(بقیہ حاشیہ صفحہ) سوال : رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد دونوں ہیں یا تہجد کے بدلہ تراویح؟
جواب : اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے۔ پچھلے وقت پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ (ثناء اللہ امرتسری : فتاوی ثنائیہ ج ۱، ص ۶۵۲،۶۸۲)

اس سے معلوم ہوا کہ

● جو شخص شروع رات میں تراویح پڑھ لے وہ آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے اور چونکہ آج کل تو بھی لوگ رات کے شروع میں تراویح پڑھ لیتے ہیں۔ لہٰذا انہیں آخر رات میں تہجد پڑھنی چاہیے۔

● تہجد کا وقت رات کا آخر حصہ ہے۔

● شروع رات کی عبادت کو تہجد کے قائم مقام نہیں کہہ سکتے۔

بالفرض اگر کہیں کوئی شخص رات کے آخری حصہ میں تراویح پڑھے تو صرف وہ تہجد کے قائم مقام ہو جائے گی، لیکن مولانا امرتسری اپنی کتاب "اہل حدیث کا مذہب" ص ۹۲ پر قائم مقام ہونے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آخری صورت میں تراویح تہجد کے قائم مقام ہونے سے دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا جیسے کہ جمعہ ظہر کا قائم مقام ہے لیکن دونوں ایک نہیں۔

واضح رہے کہ یہ تفصیل ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ بعض لوگ رمضان جیسے مقدس و بابرکت مہینہ میں بھی حتی الوسع عبادت سے بچ جاتے ہیں۔ مثلاً بیس تراویح کے بجائے آٹھ پر اکتفا کر لیا، تین وتروں کے بجائے ایک وتر پڑھ لیا اور تراویح کے بعد تہجد کو ختم کر لیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو رمضان کی قدر دانی کی توفیق سے نوازیں۔ (آمین)

رکعات. (ابن خزیمۃ، ابن حبان)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں آٹھ رکعات پڑھیں۔

جائزہ

۱- یہ روایت اس قدر ضعیف ومنکر ہے کہ اس سے استدلال کیا ہی نہیں جا سکتا۔ چونکہ اس میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے جس کی بابت ابن حجر نے نقل کیا ہے۔

قال ابو داؤد عنده مناکیر.

ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔

ذکره الساجی والعقیلی فی الضعفاء.

ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔

قال بن عدی أحادیثه غیر محفوظة.

ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں۔ (تہذیب التہذیب۔ حرف العین)

لہٰذا اس طرح کی روایت منکر، موضوع کو دلیل بنانا صحیح نہیں۔

شب قدر

(۲۲۸) رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات "شب قدر" کہلاتی ہے، چونکہ اس ایک رات کی عبادت، ایک ہزار مہینہ کی مقبول عبادت سے بہتر ہے۔ لہٰذا، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کی پانچ راتوں میں جاگنے والے نے یقیناً شب قدر کو پالیا۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کی قدر دانی کی توفیق سے نوازیں۔ آمین

ارشاد ربانی ہے: انا انزلناه فی لیلة القدر وما ادراک ما لیلة القدر، لیلة القدر خیر من الف شهر، تنزل الملائکة والروح فیها باذن ربهم من کل امر سلام. هی حتی مطلع الفجر. (القدر)

بیشک ہم نے یہ قرآن شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو خبر ہے کہ شب قدر ہے کیا؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے اس رات فرشتے خصوصاً جبرئیل اترتے ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ وہ طلوع فجر تک رہتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ مجھے شب قدر بتائی گئی اور پھر اس کی تعیین مجھے بھلا دی گئی ہے البتہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرو۔
(مسلم: فضل لیلۃ القدر)

نماز تہجد

(۲۲۹) تہجد یہ ہے کہ بعد نماز عشاء کچھ دیر نیند کر کے رات کے آخری تہائی حصہ میں بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا اور آٹھ رکعات یا جتنا بھی ممکن ہو نماز پڑھنا۔ قرآن وسنت میں اس کا بڑا ثواب بتایا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وعباد الرحمن الذين يمشون على الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما والذين يبيتون لربهم سجدا وقياما. (الفرقان ۶۳)

اور خدائے رحمان کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر۔ اور راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ و قیام میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تہجد کا اہتمام کیا کرو، یہ سلف صالحین کا شیوہ ہے کہ قرب الٰہی کا سبب ہے اور خطاؤں کو مٹانے والی ہے۔ گناہ سے روکنے کا سبب ہے۔ (بیہقی: الترغیب فی قیام اللیل)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبی رات کو نماز میں کھڑے ہوتے تا آنکہ آپ کے قدم سوج جاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخش دیا جو ہو چکا اور جو ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ بننے کو پسند نہ کروں۔ (بخاری: تفسیر سورۃ الفتح)

(۲۳۰) تہجد کا وقت

نماز تہجد و دعا کا بہترین وقت رات کا آخری تہائی حصہ ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة إلى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر يقول من يدعوني فأستجيب له من يسألني فأعطيه من يستغفرني فأغفر له. (وزاد الترمذي) ولا يزال كذلك حتى يضيء الفجر. (بخاري : الدعاء والصلوة من آخر الليل)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا پروردگار ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں آسمان دنیا پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں کون ہے مانگنے والا کہ میں اس کو عطا کروں کون ہے طالب بخشش کہ میں اس کو بخش دوں اور طلوع فجر تک یہی کیفیت باقی رہتی ہے۔

(۲۳۱) رکعات تہجد

عن عائشة رضي الله عنها قالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة يصلي اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثاً. (مسلم : صلاة الليل والوتر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زائد نہ پڑھتے تھے۔ آپ چار رکعتیں پڑھتے۔ جن کے حسن وطول کا کیا کہنا؟ پھر آپ چار رکعات پڑھتے جن کے حسن وطول کا کیا کہنا؟ (تہجد کی آٹھ رکعات کے بعد) پھر آپ تین رکعات وتر ادا فرماتے۔

تہجد کی رکعات چار سے لے کر بارہ تک ہیں۔ جتنا ہو سکے پڑھے اور اگر کسی کو صبح تہجد کے لئے اٹھنے کا یقین ہو تو بہتر یہ ہے کہ وتروں کو بھی صبح ہی پڑھے، ورنہ نماز عشاء کے بعد پڑھ کر سوئے۔

نماز اشراق

(۲۳۲) طلوعِ آفتاب سے تقریباً ۲۰ منٹ بعد، دو چار چھ آٹھ یا بارہ رکعت نفل پڑھنا نمازِ اشراق یا چاشت کہلاتا ہے جس کا بہت اجر وثواب منقول ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نمازِ فجر باجماعت پڑھی اور اشراق تک مسجد ہی میں رہا پھر دو رکعات نفل نماز پڑھی تو اس کو ایک حج وعمرہ کا ثواب ملے گا۔ (حسن غریب) ترمذی: ما یستحب من الجلوس۔

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصبح علی کل سلامی من احدکم صدقۃ فکل تسبیحۃ وکل تحمیدۃ صدقۃ وکل تھلیلۃ صدقۃ، وکل تکبیرۃ صدقۃ وامر بالمعروف صدقۃ، ونھی عن المنکر صدقۃ، ویجزی من ذلک رکعتان یرکعھما من الضحی.

(مسلم : استحباب صلوۃ الضحی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صبح تمہارے ہر جوڑ وعضو پر صدقہ واجب ہو جاتا ہے اور سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے۔ الحمد للہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے۔ اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ بھلائی کی ترغیب دینا بھی صدقہ ہے اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے اور اشراق کی دو رکعتیں اس سب کی طرف سے کافی ہیں۔

عن معاذۃ انھا سالت عائشۃ رضی اللہ عنھا کم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی صلوۃ الضحیٰ قالت اربع رکعات ویزید ماشاء. (مسلم : استحباب صلوۃ الضحی)

حضرت معاذۃ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراق کی نفل نمازیں کتنی رکعت پڑھتے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ عموماً چار رکعات پڑھتے تھے اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تبارک وتعالی اللہ قال، ابن آدم ارکع لی اربع رکعات من اول النھار، اکفک آخرہ. (حسن غریب) (ترمذی : صلاۃ الضحی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا" اے ابن آدم دن کے شروع میں چار رکعات پڑھ لیا کر، میں دن کے آخر تک تیرا ذمہ دار ہوں۔

عن عائشة رضی الله عنها انها كانت تصلی الضحی ثمان ركعات ثم تقول لو نشر لي ابواى ماتركتهن. (موطا مالک. صلاة الضحی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اشراق کی آٹھ رکعات پڑھا کرتی تھیں۔ پھر فرماتیں کہ اگر میرے والدین کو آرے سے چیر بھی دیا جائے تو میں یہ نہیں چھوڑوں گی۔

نماز اشراق کی بابت مختلف روایات وارد ہیں۔ نتیجتاً اس کی تعیین و تشریح میں کچھ اختلاف ہے خود نواب صدیق حسن خان ان تفصیلات کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔

وارجح اقوال آنست کہ سنت مستحب است

(نواب صدیق حسن: مسک الختام ج ۱ ص ۵۵۶)

کہ راجح ترین قول یہ ہے کہ نماز اشراق مستحب ہے

(۲۲۳) مغرب وعشاء کے درمیان نوافل

مغرب وعشاء کا درمیانی وقت بہت قیمتی شمار کیا گیا ہے اس وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس میں کچھ نوافل پڑھ لینا باعث اجر وثواب ہے۔ قرآن پاک میں ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی ہے۔

تتجافی جنوبهم عن المضاجع......الآية (السجدة ۱۶)

ان کے پہلو سونے کی جگہ سے جدا رہتے ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: انها نزلت فی ناس من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم كانوا يصلون مابين المغرب والعشاء.

(ابن الجوزی: زادالمسیر ج ۶ ص ۳۳۹)

یہ آیت ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں نازل ہوئی جو مغرب وعشاء کے درمیان نفل نماز پڑھتے تھے۔

محمد بن نصر المروزی المتوفی ۲۹۴ھ نے "قیام اللیل۔ ص ۵۶" پر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ اس وقت میں نوافل پڑھتے تھے۔

(۲۳۴) نفل نماز میں بیٹھ کر پڑھنے کا جواز

نماز تہجد و اشراق اور دیگر نوافل کھڑے ہو کر پڑھنا بہتر ہیں۔ بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے مگر اس کا نصف اجر ہے

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ وقال حدثت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال "صلوۃ الرجل قاعداً نصف الصلوۃ۔"

(مسلم : جواز النافلۃ قائما وقاعداً)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا نصف نماز کے برابر ہے۔

عن عبداللہ بن شقیق العقیلی قال سالت عائشۃ رضی اللہ عنہا عن صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فقالت کان یصلی لیلا طویلا قائماً ولیلا طویلا قاعداً وکان اذا قرء قائما رکع قائما واذا قرا قاعداً رکع قاعداً۔ (مسلم :جواز النافلۃ قائما وقاعداً)

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کیسی ہوتی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپ رات کا ایک طویل حصہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور دوسرا طویل حصہ بیٹھ کر اور اگر کھڑے ہو کر (فاتحہ وسورۃ کی) قرأت کی ہوتی تو رکوع بھی کھڑے ہو کر کرتے اور اگر بیٹھ کر قرأت کی ہوتی تو رکوع بھی بیٹھ کر کرتے۔

(۲۳۵) عیدالفطر، عیدالاضحیٰ

رمضان کے بعد عیدالفطر اور ۱۰ ذوالحجہ کو عیدالاضحیٰ مسلمانوں کی دو عیدین ہیں، یہ دونوں عیدین مسلمانوں کے لئے مسرت و شادمانی کا پیغام لاتی ہیں۔ جنہیں مسلمان بڑے جوش وخروش عقیدت واحترام سے مناتے ہیں۔ عید کی اصل روح دو رکعت نماز ہے جس میں بندہ اپنے مولیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو کر اس کے احسانات وانعامات کا شکریہ ادا کرتا ہے اور اس عہد کو تازہ کرتا ہے کہ زندگی بھر شادی وغمی کے لمحات میں یاد خدا اور خوف

خدا سے غافل نہ ہوگا اور اپنے مبدأ و مرکز اور مرجع یعنی اسلام کی تعلیمات سے ایک قدم ادھر اُدھر نہ ہٹے گا۔

عن انس رضی اللّٰہ عنه قال قدم رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم المدينة ولهم يومان يلعبون. فقال ما هذان اليومان؟ قالوا كنا نلعب فيهما في الجاهلية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله قد أبدلكم بهما خيراً منهما يوم الأضحى ويوم الفطر (ابو داؤد : صلاة العيدين)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور اہل مدینہ نے دو دن کھیل تماشا کے لئے خاص کر رکھے تھے آپ نے پوچھا کہ دونوں کی حقیقت کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت سے ہم نے ان دنوں کو کھیل تماشے کیلئے مختص کیا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دنوں کے بجائے دو بہتر دن عطا فرمائے ہیں۔ عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔

(۲۳۶) طریقہ نماز عیدین

طلوع آفتاب سے کچھ بعد اور زوال سے پہلے بغیر اذان و اقامت کے چھ زائد تکبیروں کے ساتھ دو رکعات نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے۔ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد تین تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں اور ہر تکبیر میں کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیے جاتے ہیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لئے جاتے ہیں اور امام جہراً قرأت کرتا ہے۔ پھر رکوع وسجدہ کے بعد دوسری رکعت کا آغاز قرأت سے ہوگا۔ قرأت کے بعد رکوع سے پہلے تین زائد تکبیروں میں ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ چوتھی تکبیر کے بعد رکوع اور باقی نماز مکمل کی جاتی ہے۔

گویا پہلی رکعت میں تکبیر افتتاح اور تکبیرات زائدہ کل چار تکبیریں ہوئیں۔ اسی طرح دوسری رکعت میں تین تکبیرات زائدہ اور تکبیر رکوع کل چار تکبیریں ہوئیں۔

(۲۳۷) چار تکبیریں

روی ابو داؤد بسنده أن سعيد بن العاص سأل أبا موسى الأشعري

وحذيفة بن اليمان، كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر في الأضحى والفطر فقال ابو موسى كان يكبر أربعاً تكبيرة على الجنائز فقال حذيفة صدق فقال ابو موسى كذلك كنت أكبر في البصرة حيث كنت عليهم. (سنن أبي داؤد : التكبير في العيدين)

ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ حضرت سعید بن العاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی کتنی تکبیریں کہتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ نے بتایا کہ آپ چار تکبیریں کہتے تھے۔ جنازہ کی چار تکبیروں کی طرح۔ حضرت حذیفہ نے بھی اس بات کی تصدیق کی۔ ابوموسیٰ نے بتایا کہ میں خود بھی جب بصرہ کا گورنر تھا تو ایسے ہی کرتا تھا۔

عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه يقول التكبير في العيدين أربع كالصلاة على الميت وفي رواية التكبير على الجنائز أربع كالتكبير في العيدين. (طحاوی : التكبير على الجنائز كم هو؟)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عیدین کی چار تکبیریں ہیں نماز جنازہ کی طرح اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں۔ نماز عیدین کی طرح۔

(۲۲۸) اجماع امت

امام طحاوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تکبیرات جنازہ کی تعداد میں اختلاف ہوا کہ چار، پانچ ہیں یا سات؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرات صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ:

"إنكم معاشر اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم متى تختلفون على الناس يختلفون من بعدكم ومتى تجتمعون على أمر يجتمع الناس عليه فكأنما أيقظهم فقالوا نعم ما رأيت يا امير المؤمنين فأشر علينا فقال عمر رضي الله عنه، بل اشيروا أنتم علي فإنما انا بشر مثلكم فتراجعوا الأمر بينهم فاجمعوا أمرهم على أن يجعلوا التكبير على

الجنائز مثل التکبیر فی الاضحی والفطر اربع تکبیرات فاجمع امرھم علی ذلک. (طحاوی : التکبیر علی الجنائز کم ھو؟)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔ تمہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے اور کسی مسئلہ میں تمہارے اختلاف یا اتفاق پر بعد میں آنے والوں کا اتفاق یا اختلاف مرتب ہوگا۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس طرف متوجہ کیا۔ حضرات صحابہ نے فرمایا کہ امیر المومنین آپ کی یہ رائے بڑی اچھی ہے۔ اس مسئلہ پر آپ اپنی رائے دیں۔ حضرت نے فرمایا بلکہ تم اپنی رائے بتلاؤ یقیناً میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ تو حضرات صحابہؓ نے باہمی غور وخوض کے بعد اس امر پر اتفاق کیا کہ جنازہ کی بھی چار تکبیریں ہیں نماز عید الاضحیٰ وعید الفطر کی چار تکبیروں کی طرح اور اس پر سب کا اتفاق ہوا۔

گذشتہ سطور سے معلوم ہوا کہ ایک اختلافی چیز تکبیرات جنازہ کو ایک طے شدہ چیز تکبیرات عیدین کے مشابہ قرار دے کر تعیین کردی گئی ہے۔

(۲۳۹) کل تکبیرات

طریقہ نماز کے ذیل میں گزرا کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھ کر فاتحہ سے پہلے تین تکبیریں زائد ہیں اور پھر رکوع کی تکبیر سمیت پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں ہوئیں دوسری رکعت میں فاتحہ وسورۃ کے بعد تین تکبیریں زائد کہیں اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کریں۔ ملاحظہ ہو۔

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ انہ قال فی التکبیر فی العیدین تسع تکبیرات، فی الرکعۃ الاولی خمساً قبل القراءۃ وفی الرکعۃ الثانیۃ یبدء بالقراءۃ ثم یکبر اربعاً مع تکبیرۃ الرکوع وقد روی عن غیر واحد من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نحو ھذا. (ترمذی : التکبیر فی العیدین)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز میں نو تکبیریں یوں ہیں۔ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں قراءت سے پہلے اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں قراءت کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے

دیگر صحابہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۲۴۰) خطبہ عیدین

نماز کے بعد دو خطبہ پڑھنا پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خطبہ میں وعظ ونصیحت فرماتے اور دو خطبوں کے درمیان ذرا بیٹھ جاتے۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال كان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلی فأول شیء یبدء به الصلاة ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویأمرهم فإن كان یرید أن یقطع بعثاً قطعه أو یأمر بشیء أمر به ثم ینصرف .

(بخاری : الخروج إلی المصلی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو مصلی کی طرف نکلتے سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے۔ آپ انہیں وعظ ونصیحت کرتے احکامات جاری کرتے اور اگر کسی لشکر کو روانہ کرنا ہوتا تو اسی وقت روانہ کرتے اور حکم صادر کرنا ہوتا تو حکم صادر کرتے اور پھر تشریف لے جاتے۔

عن عبداللہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم كان یخطب الخطبتین وهو قائم وكان یفصل بینهما بجلوس. (اسنادہ صحیح من طریق بشر) (ابن خزیمۃ عدد الخطب فی العیدین)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر دو خطبہ دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان فرق کے لئے ذرا بیٹھ جاتے۔

مسافر کی نماز
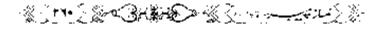
جب کسی شخص کا ارادہ اپنے علاقے سے اڑتالیس میل دور جانے کا ہو اور وہاں پہنچ کر تقریباً پندرہ دن قیام کا ارادہ ہو تو اپنی آبادی سے نکلتے ہی نماز میں قصر شروع کر دے تا آنکہ واپسی پر آبادی کی حدود میں داخل ہو۔ قصر کہتے ہیں چار رکعت والی نماز کو دو رکعت پڑھنا، جیسے ظہر، عصر، عشاء کی نماز ہے۔ البتہ دو یا تین رکعت والی فرض نماز میں قصر نہیں ہے جیسے فجر اور مغرب کی نماز۔ اسی طرح وتر۔ ارشاد ربانی ہے۔

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح أن تقصروا من الصلوٰة إن خفتم أن یفتنکم الذین کفروا إن الکافرین کانوا لکم عدواً مبیناً.

(النساء : ١٠١)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نماز میں کمی کر دیا کرو، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ بیشک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

عن یعلی بن أمیة قال قلت لعمر بن الخطاب، لیس علیکم أن تقصروا من الصلوٰة إن خفتم أن یفتنکم الذین کفروا، فقد أمن الناس فقال عجبت مما عجبت منه فسألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم عن ذلک فقال صدقة تصدق اللّٰہ بها علیکم فاقبلوا صدقته.

(مسلم : صلاۃ المسافرین)

حضرت یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اگر تمہیں کفار کا خطرہ ہو تو نماز میں کمی کرنے سے تم پر کوئی حرج نہیں اور اب تو لوگ کفار سے محفوظ ہیں (لہٰذا قصر کا حکم باقی ہے یا نہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس

چیز سے تعجب ہوا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ سہولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو۔

مسافت قصر

کم از کم کتنے لمبے سفر میں قصر کی اجازت ہے اس سلسلہ کی اکثر روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ سفر ہو تو قصر کرے ورنہ نہیں، چونکہ اکثر روایات میں چار برد کا لفظ آتا ہے اور ایک برد بارہ میل کا ہوتا ہے۔ (مختار الصحاح طلرازی)

۱۲ x ۴ = ۴۸۔ اور واضح رہے کہ ۴۸ میل کی مسافت تقریباً ۷۷ کیلو میٹر کے برابر ہے۔

عن مالک انه بلغه ان عبدالله بن عباس کان یقصر الصلوة فی مثل ما بین مکة و الطائف وفی مثل مابین مکة و عسفان وفی مثل مابین مکة وجدة، قال مالک وذلک اربعة برد قال مالک وذلک احب ماتقصر فیه الصلوة قال مالک لایقصر الذی یرید السفر الصلوة حتی یخرج من بیوت القریة ولایتم حتی یدخل اول بیوت القریة

(موطا مالک : مایجب فیه قصر الصلاة)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ عمل معلوم ہوا ہے کہ آپ مکہ اور طائف، مکہ اور عسفان، مکہ اور جدۃ جیسے سفر میں قصر کرتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار برد کی ہے اور سب سے پسندیدہ مسافت قصر یہی ہے۔ نیز فرمایا کہ بستی کی آبادی سے نکل کر قصر شروع کرے اور واپسی پر بستی میں داخل ہونے پر نماز مکمل پڑھے۔

مکہ مکرمہ سے جدہ کا فاصلہ ۷۲ کیلو میٹر ہے اور مکہ سے طائف کا فاصلہ تقریباً ۸۸ کیلو میٹر جب کہ مکہ اور عسفان کی درمیانی مسافت ۸۰ کیلو میٹر ہے۔

کان ابن عمر وابن عباس رضی الله عنهم یقصران ویفطران فی اربعة برد وهی ستة عشر فرسخاً (بخاری : فی کم یقصر الصلاة)

حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم چار برد کے لمبے سفر میں نماز

قصر پڑھتے اور روزہ افطار کرتے اور چار برد سولہ فرسخ کے برابر ہوتے ہیں۔
(اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے ۴ برد = ۱۶ فرسخ x ۳ میل = ۴۸ میل)

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنہما انہ سئل اتقصر الصلاۃ الی عرفۃ قال لا ولکن الی عسفان والی جدۃ و الی الطائف. (صححہ ابن حجر) (تلخیص الحبیر. ج ۲ ص ۴۶. صلاۃ المسافرین)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ مکہ سے عرفات تک جاتے ہوئے نماز میں قصر کرلیں؟ آپ نے فرمایا "نہیں" البتہ مکہ سے عسفان، جدہ، طائف جیسے سفر میں قصر کر سکتے ہو۔

جمہور سلف ومحدثین کا مسلک

حضرات غیر مقلدین کے معروف مفتی مولانا ابو سعید شرف الدین مسافت قصر کی بابت مختلف روایات کے ذکر و تجزیہ کے بعد فتاویٰ ثنائیہ میں لکھتے ہیں:۔
"خلاصہ یہ ہے کہ مسافت قصر اڑتالیس میل ہی صحیح ہے ۹ میل غلط ہے۔
ھذا واللّٰہ اعلم.. قال النووی قال الجمہور لا یجوز القصر الا فی سفر یبلغ مرحلتین، انتہی. (ص ۴۴۲) یعنی جمہور سلف ومحدثین کا مسلک اڑتالیس میل کے سفر پر قصر ہے اس سے کم پر نہیں" ثناء اللہ امرتسریؒ: فتاویٰ (ثنائیہ۔ ج ۱ ص ۶۴۲) ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ ۴۸ میل یا اس سے زائد سفر میں نماز قصر شروع ہو جاتا ہے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کے لئے رخت سفر باندھتے تو مدینہ سے باہر ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر نماز پڑھتے۔

(۲۲۱) مدت قصر

دوران سفر اگر کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرلی تو نماز مکمل پڑھے اور اگر پندرہ دن سے کم کی نیت کی ہے تو قصر کرتا رہے اور اگر حتمی پروگرام نہ بن سکے بلکہ آج اور کل کے چکر میں پندرہ دن کی بجائے انیس دن یا مہینہ بھی قیام ہو جائے تو قصر کرتا رہے اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مدتیں منقول ہیں۔ لیکن

حضرات صحابہ چونکہ اس کے اسباب وعوامل سے واقف تھے اور ان کے سامنے آپ کی زندگی کا سارا عمل تھا اور خصوصاً زندگی کا آخری عمل ۔ اس لئے انہوں نے اس سب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اوسط مقدار "پندرہ دن" متعین فرمادی ۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن عمر و ابن عباس رضی اللّٰہ عنہم انہما قالا اذا قدمت وفی نفسک ان تقیم بہا خمس عشر لیلۃ فاکمل الصلوۃ۔

(المغنی ج ۲ ص ۲۸۸ صلاۃ المسافر)

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب کسی جگہ تمہارا پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو نماز مکمل پڑھو۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انہ قال من اقام خمسۃ عشر یوماً اتم الصلاۃ (ترمذی: فی کم تقصر الصلاۃ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جو شخص پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلے وہ پوری نماز پڑھے۔

(۲۳۴) جمع بین الصلاتین

یعنی دو نمازوں کو اکٹھا کر کے جیسے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھنا اس کی دو صورتیں ہیں۔

اول: جمع تقدیم یا جمع تاخیر۔ یعنی دوسری نماز کا وقت آنے سے پہلے نماز پڑھنا جیسے ظہر و عصر کو ظہر کے وقت میں ایک ساتھ پڑھنا یا پہلی نماز کو موخر کر کے دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا جیسے مغرب و عشاء کو عشاء کے وقت میں اکٹھا پڑھنا۔

دوم: جمع ظاہری۔ یعنی پہلی نماز کو وقت کے آخری حصہ میں اور دوسری نماز کو وقت کے پہلے حصہ میں پڑھ لینا اس میں بظاہر دو نمازیں اکٹھی پڑھی گئیں لیکن دونوں اپنے اپنے مقررہ اوقات میں پڑھی گئیں جیسے ظہر کا وقت ایک بجے سے چار بجے تک ہو اور عصر کا وقت چار بجے سے غروب آفتاب تک تو ظہر کو پونے چار بجے اور عصر کو چار بجے پڑھنا۔

(۲۲۳) جمع بین الصلاتین کا کیا حکم ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ہر ہر نماز کا وقت متعین فرمایا ہے۔ اس لئے قبل از وقت نماز نہیں ہوتی اور بعد از وقت قضا شمار ہوتی ہے۔

حتیٰ کہ میدان جنگ میں عین لڑائی کے وقت نماز خوف پڑھنے کا حکم ہے نہ یہ کہ نمازوں کو باہم جمع کر کے پڑھا جائے اور اگر لڑائی سخت ہو اور نماز میں اتنی تاخیر ہو جائے کہ اس کا وقت ہی جاتا رہے تو وہ نماز قضاء شمار ہوگی اس کو جمع تاخیر کا عنوان نہیں دیا جاسکتا۔ اسی لئے غزوہ خندق کے موقع پر جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ کی بعض نمازوں میں تاخیر ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر افسوس کا اظہار فرمایا، اگر اس کو جمع تاخیر کا عنوان دینا ممکن ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت نہ ہوتی۔ ارشاد ربانی ہے:۔

إن الصلاة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً. (النساء: ۱۰۳)

بے شک نماز ایمان والوں پر پابندیٔ وقت کے ساتھ فرض ہے۔

عن أبي قتادة وفيه ...... ثم قال أما إنه ليس في النوم تفريط إنما التفريط على من لم يصل الصلاة حتى يجيء وقت الصلاة الأخرى.

(مسلم: القضاء الفائتة)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیند میں کوتاہی نہیں، کوتاہی یہ ہے کہ کوئی شخص نماز نہ پڑھے تا آنکہ دوسری نماز کا وقت آ جائے۔

واضح رہے کہ جمع بین الصلاتین کی جتنی روایات منقول ہیں وہ جمع ظاہری کی ہیں تمام روایات کے تفصیلی تجزیے کے بعد یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ البتہ دوران حج صرف عرفات میں جمع تقدیم (ظہر کے وقت میں ظہر و عصر) اور مزدلفہ میں جمع تاخیر (عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لہذا ان مقامات کے علاوہ اپنے قیاس سے نمازوں کے اوقات میں تقدیم و تاخیر کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس سلسلہ میں بڑی واضح ہے۔

عن عبد الله رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

يصلي الصلوة لوقتها إلا بجمع مزدلفة و عرفات. (نسائی).

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بروقت نماز پڑھنے کی تھی مگر مزدلفہ اور عرفات میں جمع کر کے پڑھتے تھے۔

كتب عمرؓ إلى عامل له ثلاث من الكبائر، الجمع بين الصلوتين الا في عذر، والفرار من الزحف، والنهب. بيهقي: ذكر الأثر في أن الجمع من غير عذر.

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک گورنر کو لکھا کہ تین گناہ بہت بڑے ہیں۔ بلا عذر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا میدان جنگ سے بھاگنا اور کسی کی چیز چھیننا۔

عن عبدالله رضي الله عنه قال ما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم صلى صلوة بغير ميقاتها إلا صلوتين جمع بين المغرب والعشاء وصلى الفجر قبل ميقاتها. (بخاري: كتاب الحج متى يصلي الفجر بجمع)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے نماز کے اصلی وقت کے بغیر کوئی نماز پڑھی ہو، ہاں دو نمازیں کہ موسم حج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب وعشاء کو جمع فرماتے اور فجر کو معمول کے وقت سے کچھ پہلے ادا فرماتے۔

(۲۲۳) جمع ظاہری

اگر سفر کی حالت میں یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے جمع ظاہری کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے، چونکہ اس میں پابندی وقت کا لحاظ رہتا ہے۔ عرفات ومزدلفہ کے علاوہ جمع بین الصلاتین کی جو روایات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ جمع ظاہری کی ہیں اور اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا کہ جمع ظاہری کے لحاظ سے یہ ممکن تھا۔ جب کہ آپؐ نے کبھی بھی فجر وظہر کو جمع نہیں کیا چونکہ یہاں اوقات کی رعایت نہیں رہتی۔ ملاحظہ ہو۔

عن انس أن النبي صلى الله عليه وسلم إذا عجل عليه السفر يؤخر الظهر إلى أول وقت العصر فيجمع بينهما ويؤخر المغرب حتى يجمع بينها وبين العشاء حين يغيب الشفق. (مسلم: جواز الجمع بين الصلاتين في السفر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر کی جلدی ہوتی تو آپ ظہر کو عصر کے ابتدائی وقت تک مؤخر کرتے اور دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے۔ اس طرح غروب شفق تک مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ جمع کر کے پڑھتے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف وسفر کے عذر کے بغیر بھی جمع ظاہری پر عمل کر لیا کہ ایک نماز کو آخری وقت میں اور دوسری کو ابتدائی وقت میں پڑھ لیا تاکہ امت کو اگر ضرورت پڑے تو وہ مشقت میں مبتلا نہ ہو۔(۱)

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظہرَ والعصرَ جمیعاً بالمدینۃ فی غیر خوف ولا سفرٍ قال ابو الزبیر فسألت سعیداً لم فعل ذلک؟ فقال سألت ابن عباس کما سألتنی فقال اراد ان لا یحرج احداً من امتہ.

(مسلم الجمع بین الصلاتین فی الحضر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا، حالانکہ یہ کسی خطرہ یا سفر کی حالت نہ تھی۔ ابو الزبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت سعید نے جواب دیا کہ میں نے بھی یہ بات حضرت ابن عباس سے پوچھی تھی تو انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تھا کہ لوگ تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔

---

(۱) مشہور غیر مقلد محقق علامہ مبارک پوری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کی بابت فتاویٰ نذیریہ میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں جمع بین الصلوٰتین سے مراد جمع صوری ہے یعنی ظہر کو اس کے آخر وقت میں اور عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھا اور علیٰ ہذا القیاس مغرب وعشاء کو پڑھا۔ اس جواب کو علامہ قرطبی نے پسند کیا ہے اور امام الحرمینؒ نے اس کو ترجیح دی ہے اور قدماء میں سے ابن الماجشون اور طحاوی نے اس کے ساتھ جزم کیا ہے اور ابن سید الناس نے اس کو قوی بتایا ہے اس وجہ سے کہ اس حدیث کے راوی ابو الشعثاء (جنہوں نے اس کو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے) کا بھی یہی خیال ہے کہ اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہے...... علامہ شوکانی نیل میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہونا متعین ہے۔ (محمد نذیر حسین دہلوی: فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۶۵)

(٢٢٥) چاند و سورج گہن کی نماز

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو برس قبل بتایا تھا کہ نظام فلکیات اللہ تعالیٰ کے منظم اصولوں کے تابع ہے اور سورج و چاند کا گرہن لگنا عجائبات قدرت اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ آج اللہ تعالیٰ نے سورج یا چاند کو مکمل یا جزوی طور پر تھوڑے وقت کیلئے بے نور کیا ہے۔ جب چاہے گا مکمل بے نور کر دے گا اور جس طرح یہ گرہن لگانے یا ہٹانے میں کسی کا دخل نہیں اس طرح باقی کائنات میں بھی کسی کا کچھ اختیار نہیں ہے، اس لئے اللہ ہی سے مانگو اسی کے سامنے جھکو اسی سے ڈرو۔ نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خصوصاً اور انسانیت کو عموماً توہم پرستی جاہلانہ افکار کی ظلمتوں سے نکال کر ایک کائناتی حقیقت سے روشناس کرایا کہ کسی کی موت وحیات کے افسوس یا خوشی میں یہ گرہن نہیں لگتا۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر ذرہ کو اپنے منظم نظام سے منسلک کر رکھا ہے اور جب وہ خود اس نظام کے تسلسل میں ذرا سا فرق بھی ڈالتے ہیں تو موجودات پر اس کا اثر ایک منطقی عمل ہے کہ کسی کی بینائی ضائع ہوگئی، کسی کا حمل ساقط ہوگیا، کسی پر عجیب و غریب مرض کا حملہ ہوا اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں محفوظ رکھیں جس کو چاہیں مبتلا کر دیں۔

اسی لئے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جونہی سورج و چاند گرہن لگے تو خالق کائنات کی طرف متوجہ ہو جاؤ، دو رکعت نماز پڑھو، اور اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں امن و سلامتی کی دعا مانگو تا آنکہ سورج و چاند اپنی طبعی حالت پر آجائیں۔

عن ابی مسعود رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال "ان الشمس والقمر لاینکسفان لموت احد من الناس ولکنہما آیتان من آیات اللہ تعالی فاذا رأیتموہ فقوموا فصلوا.

(مسلم : النداء الصلوۃ الکسوف)

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک سورج و چاند کسی کی موت کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے۔ البتہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جب تم یہ کیفیت دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر نماز پڑھو۔

عن قبیصۃ رضی اللہ عنہ قال کسفت الشمس ونحن اذ ذلک مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ فخرج فزعاً یجر ثوبہ فصلی رکعتین اطالھما. (نسائی : صلاۃ الکسوف)

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ میں تھے کہ سورج گرہن ہو گیا۔ آپ گھبرا کر جلدی سے باہر نکلے اپنے کپڑے کو کھینچتے ہوئے اور دو رکعتیں خوب لمبی پڑھیں۔

عن النعمان بن بشیر أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال إذا خسفت الشمسُ والقمرُ فصلوا کاحدث صلوۃ صلیتموھا .

(نسائی : صلوۃ الکسوف)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سورج و چاند گرہن ہو جائے تو اس کیفیت پر نماز پڑھو جس طرح تم نے یہ آخری نماز پڑھی ہو۔ (نماز فجر کی طرح)

(۲۲۶) نمازِ استسقاء

استسقاء کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے بارش مانگنا۔

بارش اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جب لوگ زیادہ گناہ کرنے لگتے ہیں تو کبھی کبھی تنبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ بارش کو روک دیتا ہے یا کم کر دیتا ہے۔ جس کا براہ راست اثر اس علاقہ کی زراعت، معیشت، صحت وصفائی پر پڑتا ہے یہ صرف اس لئے کہ معاشرہ اپنا احتساب کرے اور اپنے مولیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لے اور آئندہ کے لئے ارتکاب گناہ سے باز رہنے کا عہد کرکے بارش کی دعا مانگے۔ اللہ تعالیٰ ضرور باران رحمت نازل فرمائیں گے۔ استسقاء کے مختلف طریقے منقول ہیں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ:

(۲۲۷) استسقاء کا پہلا طریقہ

دو رکعت نماز استسقاء با جماعت پڑھے اور جماعت میں سب سے نیک وصالح شخص امامت کرے نماز کے بعد خوب عاجزی وزاری سے گڑگڑا کر دعا مانگے اور نیک فال کے طور پر اپنی اوڑھنے والی چادر کا رخ بدل لے دائیں جانب کو بائیں جانب اور بائیں جانب کو دائیں جانب کر لیں کہ اے اللہ تعالیٰ تو اپنے رحمت والے بادلوں کا رخ ہماری طرف کر دے۔

عن عباد بن تميم عن عمه قال خرج النبي صلى الله عليه وسلم إلى المصلى فاستسقى واستقبل القبلة وقلب رداءه وصلى ركعتين.

(مسلم: صلوة الإستسقاء)

حضرت عباد اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصلیٰ کی طرف

تشریف لائے۔ (یہ مسجد سے ایک ہزار فٹ دور کھلی جگہ تھی، فتح الباری) اور بارش کی دعا مانگی۔ قبلہ رخ ہوتے اپنی چادر کا رخ بدلا اور دو رکعت نماز پڑھی۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال خرج نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوماً یستسقی وصلی بنا رکعتین بلا أذان ولا إقامۃ ثم خطبنا ودعا اللّٰہ وحوّل وجھہ نحو القبلۃ رافعا یدیہ ثم قلّب رداءہ فجعل الأیمن علی الأیسر والأیسر علی الأیمن. (ابن ماجۃ : ماجاء فی صلاۃ الإستسقاء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے لئے نکلے اور اذان و اقامت کے بغیر دو رکعت نماز با جماعت پڑھائی۔ پھر ہمیں نصیحت کی اور دعا کی۔ پھر قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ پھر اپنی چادر کا رخ بدلا، دائیں طرف کو بائیں کندھے پر اور بائیں جانب کو دائیں کندھے پر کیا۔

(۲۲۸) استسقاء کا دوسرا طریقہ

خطبہ جمعہ کے دوران بارش کے لئے دعا کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ دوران خطبہ ایک دیہاتی شخص نے آکر بارش نہ ہونے کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کیلئے دعا کی۔ فوراً بارش شروع ہوگئی۔ دوسرے جمعہ پھر وہی دیہاتی دوران خطبہ آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارش ہوگئی۔ اب رکنے کی دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ "اے اللہ بارش کا رخ ٹیلوں، دیواروں اور درختوں کے جھنڈ کی طرف کر دے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے بعد ہم دھوپ میں نکل رہے تھے۔

(بخاری: الاستسقاء فی المسجد الجامع)

نماز حاجت

(۲۲۹) زندگی کے علمی یا عملی میدان میں کوئی مشکل درپیش ہو تو یہ کوئی عجیب نہیں، چونکہ مخلوق کی طاقت و اختیارات محدود ہیں لہٰذا ایسی مشکلات کے حل کے لئے ہمیں ایسی ذات کا سہارا لینا ہوگا جس کے سامنے کوئی مشکل نہ ہو جس کی طاقت و

قدرت کی انتہا نہیں اور وہ صرف اللہ جل جلالہٗ کی ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی کو مشکلات، مصائب و پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے اور جو خود مبتلائے مشکل ہو اور اپنی مشکل کو حل نہ کرسکتا ہو وہ کسی کی مشکل کشائی کیا کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بد عقیدہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر حاضر ہونے کی بجائے غیروں کی درگاہوں پر جاتا ہے سو وہ زندگی بھر یہاں وہاں ادھر اُدھر کی ٹھوکریں کھاتا ہے اور نامراد رہتا ہے۔ واضح رہے کہ عطاء کرنے والا ہر حال میں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

لہٰذا ہر مسلمان صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتا ہے اور جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اسی سے مدد چاہتا ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز خشوع و خضوع سے پڑھ کر خوب عاجزی و زاری سے دعا کرے یقیناً اللہ تعالیٰ مشکل رفع فرمائیں گے۔ ارشاد نبوی ہے۔

عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: من توضأ فاسبغ الوضوء ثم صلی رکعتین یتمھما اعطاہ اللّٰہ ما سأل معجلاً او مؤجلاً۔ (مسند احمد)

حضرت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر خشوع و خضوع سے دو رکعت نماز پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے سوال کو پورا کرے گا اور جلد یا بدیر۔ (جیسے چاہے)

نماز تسبیح

(۱۵۰) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے چچا تمہیں ایک عطیہ ہدیہ اور تحفہ دوں، کیا تمہیں ایسی دس خصلتیں نہ بتادوں کہ اگر تم ان کو کرلو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہ معاف فرمادے۔ پہلے گناہ ہوں یا پچھلے، بھول کر کئے ہوں یا جان بوجھ کر چھوٹے ہوں یا بڑے، چھپ کر کئے ہوں یا ظاہراً، وہ دس خصلتیں یہ ہیں کہ تم چار رکعت نماز

پڑھو، اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ لو اور پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ یا سورۃ کے بعد کھڑے ہو کر پندرہ مرتبہ یہ پڑھو سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إلٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ أکبر۔ پھر رکوع میں دس مرتبہ اور رکوع سے اٹھ کر دس مرتبہ پڑھو۔ پھر سجدہ میں جا کر دس مرتبہ، سجدہ سے اٹھ کر جلسہ میں دس مرتبہ، پھر سجدہ میں دس مرتبہ، پھر دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر دس دفعہ پڑھ کر کھڑا ہو۔ اس طرح ایک رکعت میں کل ۷۵ کی تعداد ہوگی اور اس طرح چار رکعتیں مکمل کرو۔ اگر یہ چار رکعتیں روزانہ پڑھ سکو تو بہت بہتر ورنہ جمعہ میں ایک دفعہ پڑھا کرو۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ماہانہ پڑھا کرو، ورنہ سال میں ایک مرتبہ ورنہ کم از کم عمر میں ایک مرتبہ تو پڑھ ہی لو۔ (ابوداؤد : صلاۃ التسبیح)

جزء القراءۃ للبخاری: رواہ مختصراً

نماز استخارہ

(۱۵۱) جب بھی کوئی اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز نفل پڑھ کر دعائے استخارہ کرتا رہے انشاء اللہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کی بابت شرح صدر ہو جائے گا۔ یہ نماز اور دعا کسی بھی مناسب وقت میں پڑھی جا سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اہتمام سے یہ عمل حضرات صحابہ کرامؓ کو بتایا کرتے تھے۔ بعض بزرگان دین کے تجربہ میں یہ بات بھی آئی ہے کہ اگر رات کو سونے سے پہلے سات دن تک یہ عمل کیا جائے تو انشاء اللہ اس دوران متعلقہ کام کی بابت خواب میں کچھ اشارہ ہو جائے گا یا پھر طبیعت کا میلان ورجحان کسی ایک طرف ہو جائے گا۔ بس اب وہی کام کرے ماشاءاللہ اسی میں خیر و بھلائی ہوگی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر کام میں استخارہ کر لینا سکھاتے تھے۔ جیسے کہ قرآن کی سورۃ سکھاتے ہوں۔ آپ فرماتے کہ تم میں سے جب کوئی کسی اہم کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نفل نماز پڑھ کر یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم إنی أستخیرک بعلمک و أستقدرک بقدرتک و أسألک من فضلک العظیم فإنک تقدر ولا أقدر و تعلم ولا أعلم و أنت علام الغیوب، اللّٰھم إن کنت تعلم أن ھذا الأمر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ أمری (أو قال عاجل أمری وآجلہ) فاقدرہ لی ویسرہ لی ثم بارک لی

فیہ وان کنت تعلم أن ھذا الامر شر لی فی دینی ومعاشی و عاقبة أمری (أو قال عاجل أمری وآجلہ) فاصرفہ عنی واصرفنی عنہ و اقدرلی الخیر حیث کان ثم ارضنی بہ۔ (بخاری : ماجاء فی التطوع مثنی)

اے اللہ میں تیرے علم کی مدد سے بہتری کا طالب ہوں اور تیری قدرت کے سہارے (یہ کام کرنے کی) طاقت مانگتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا سوالی ہوں کہ قدرت تیری صفت ہے میری نہیں اور صرف تو ہی علم حقیقی رکھتا ہے میں نہیں اور تو ہی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے اے اللہ اگر تو اس کام کو (جو میں کرنا چاہتا ہوں) میرے لئے بہتر جانتا ہے میرے دین، میری زندگی، اور دنیا و آخرت میں تو اس کام کو میرے مقدر میں کر اور اسے آسان بنا دے اور میرے لئے باعث برکت بنا اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین، میری زندگی میری دنیا و آخرت میں میرے لئے نقصان دہ ہے تو اس کام کو مجھ سے اور مجھے اس کام سے پھیر دے اور جس میں بھی میری بھلائی ہے مجھے اس کی توفیق دے اور میرے دل کو اس سے مطمئن کر۔

(دوران دعا ھذا الامر کی جگہ اپنے کام کا ذکر کرے یا دل میں اس کا خیال کرے)

نماز توبہ

(۲۵۴) اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی و بدی دونوں کی صلاحیتیں دی ہیں اور بھلائی و برائی کا راستہ دکھایا تاکہ عملی تمیز ہو جائے کہ کون شخص صدق دل سے رضائے الٰہی اور حصول جنت کا خواہاں ہے اور اس کے لئے عملی جدوجہد کرتا ہے اور کون شخص نفس پرستی کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی سے اعراض کرتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر شخص سے چھوٹی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مسلمان کی شان یہ ہے کہ جب بھی کوئی غلطی یا غلطیاں ہو جائیں تو اپنے مستقبل سے نا امید نہ ہو، بلکہ توبہ کر کے پاک صاف ہو جائے کہ ماضی پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے سیدھی راہ پر قائم رہنے کا عہد کرے۔ ارشاد باری ہے۔

قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمة اللہ إن اللہ یغفر الذنوب جمیعاً إنہ ھو الغفور الرحیم۔ (الزمر: ۵۳)

آپ کہہ دیجئے میرے ان بندوں سے جو اپنے آپ پر زیادتی کر چکے ہیں کہ اللہ کی

رحمت سے ناامید نہ ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا کہ وہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وانی لغفار لمن تاب وآمن وعمل صالحاً ثم اھتدی۔ (طٰہٰ)

میں ایسے لوگوں کو بخشنے والا ہوں جو توبہ کرتے ہیں ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔

الغرض اسلام میں توبہ کا بڑا سیدھا اور آسان راستہ ہے جس کے لئے کسی واسطے سہارے یا سفارش کی ضرورت نہیں (یہاں ایسا کوئی تصور نہیں کہ جب تک پادری کے سامنے گناہوں کا اعتراف نہ کیا جائے اور مغفرت چیک پر دستخط نہ کرائے جائیں توبہ قبول نہ ہوگی اور جنت میں داخلہ نہ ہوگا۔)

بہتر ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگے۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس سے گناہ سرزد ہو جائے اور وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

(ترجمہ) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی بے جا حرکت کر بیٹھتے یا اپنے ہی حق میں کوئی ظلم کر ڈالتے ہیں تو اللہ کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی طلب کرنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور یہ لوگ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔ درآنحالیکہ وہ جان رہے ہوں۔ (ابوداؤد: باب الاستغفار)

نماز جنازہ

(۱۵۳) دنیا میں ہر انسان کی زندگی طے شدہ ہے۔ مقررہ وقت پر اسے دنیا سے قبر والے گھر کی طرف منتقل ہونا ہے اس انتقال کا طبعی صدمہ میت کے احباب و اقرباء کو ہوگا۔ اس پریشانی کے عالم میں ضرورت ہے کہ ہر کام شریعت کی ہدایات کے مطابق ہو اور مبتدعانہ رسوم و قبائلی رواج سے مکمل اجتناب کیا جائے، ورنہ سب محنت اکارت جائے گی اور بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔

آخری لمحات کا مسنون عمل

(۱۵۴) جب حالات سے ظاہر ہو کہ موت قریب ہے تو گھر کے ذمہ دار حضرات کو چاہیے کہ مریض کے قریب آہستہ آہستہ آواز سے کلمہ دہرائیں تا کہ جانے والے کو بھی خیال آجائے اور وہ بھی پڑھ لے، واضح رہے کہ اس تکلیف دہ وقت میں اس کو پڑھنے کا حکم نہ دیں کہ شیطان اس وقت میں گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش میں ہوتا ہے۔ نیز تکلیف اور ہوش وحواس قائم نہ رہنے کے سبب کہیں وہ انکار نہ کردے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ. (مسلم : تلقین الموتی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کیا کرو۔

عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان آخر کلامہ لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ. (ابوداؤد)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا آخری کلام لا إله إلاَّ اللهُ ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔

موت کے بعد مسنون عمل

(۲۵۵) مرنے کے بعد اگر میت کی آنکھیں کھلی ہوں تو بند کر دیں۔ تھوڑی کو پٹی سے باندھ دیں۔ اعضاء کو سیدھا کر دیا جائے اور چونکہ اس وقت اللہ کے خاص فرشتے موجود ہوتے ہیں اور دعا کرنے والوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔ لہٰذا ان کو یا کسی کو بددعا نہ دی جائے۔ نیز با آواز بلند اور مختلف لہجوں کے ساتھ رونے سے گریز کیا جائے کہ اس سے میت کو تکلیف ہوتی ہے۔

عن أم سلمة رضي الله عنها قالت دخل رسول الله صلى الله عليه وسلم على أبي سلمة وقد شق بصره فأغمضه ثم قال إن الروح إذا قبض تبعه البصر، فضج ناس من أهله فقال لا تدعوا على أنفسكم إلا بخير فإن الملائكة يؤمنون على ما تقولون ثم قال "اللهم اغفر لأبي سلمة وارفع درجته في المهديين واخلفه في عقبه في الغابرين، واغفر لنا وله يا رب العالمين وافسح له في قبره ونوّر له فيه.

(مسلم : باب في إغماض الميت)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ابو سلمہ کی وفات کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابو سلمہ کی کھلی ہوئی آنکھوں کو بند کیا اور فرمایا کہ جب روح لے جائی جاتی ہے تو آنکھ اس کو دیکھتی رہتی ہے۔ پھر جب اہل و عیال کے جذبات قابو سے باہر ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف اچھی دعائیں کرو چونکہ اس وقت فرشتے بھی تمہاری دعا پر آمین کہہ رہے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی اے اللہ ابو سلمہ کی مغفرت فرما مہدیین میں اس کے درجات بلند فرما اس کے بعد اس کے اہل و عیال کو اچھا جانشین عطا فرما اے جہانوں کے رب ہماری اور اس کی مغفرت فرما، اس کی قبر کشادہ اور روشن کر دے۔

عن عمر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : الميت

يعذب في قبره بما نيح عليه، وفي رواية قال إن الميت يعذب ببكاء أهله عليه. (مسلم : الميت يعذب ببكاءِ أهله)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نوحہ گری کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ گھر والوں کی رونے پیٹنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔

جنازہ کی نماز

(۲۵۶) جتنی جلدی ہو سکے میت کو غسل، کفن کے بعد چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ کا اہتمام کیا جائے۔ پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر ثناء (سبحانك اللهم) یا بطور حمد و ثناء سورۂ فاتحہ پڑھے۔ دوسری تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھائے بغیر درود پڑھے اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا مانگے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال نعى النبي صلى الله عليه وسلم إلى أصحابه النجاشي ثم تقدم فصفوا خلفه فكبّر اربعاً.

(بخاري : الصفوف على الجنازة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو نجاشی کی وفات کی خبر دی، پھر آپ آگے بڑھے۔ حضرات صحابہؓ نے آپؐ کے پیچھے صف بندی کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار تکبیریں کہیں۔

پہلی تکبیر کے بعد حمد و ثنا

(۲۵۷) نماز جنازہ دراصل میت کے لئے دعا ہے، اس دعا کی تمہید کے طور پر پہلے حمد و ثناء و درود پڑھ کر دعا پیش کیا جاتا ہے اس لئے پہلی تکبیر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھ لے اور ثناء (سبحانك اللّٰهم) پڑھے یا پھر حمد و ثناء کے طور پر سورۂ فاتحہ پڑھ لے (جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا) چونکہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے (جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے) یہی وجہ ہے کہ ثناء آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ چونکہ پوری دعا کا آہستہ کرنا ہی پسندیدہ ہے۔

عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابیه انه سال ابا هریرة کیف تصلی علی الجنازة فقال ابو هریرة انا لعمر اللّٰه اخبرک اتبعها من اهلها فاذا وُضعت کبرت وحمدت اللّٰه وصلیت علی نبیه ثم اقول : اللّٰهم عبدک وابن عبدک...... ۱۲.

(مؤطا مالک : مایقول المصلی علی الجنازة)

حضرت سعید کے والد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا میں تمہیں بتاتا ہوں۔ میں اس کے گھر سے اس کے ساتھ چلوں گا۔ جب جنازہ رکھ دیا جائے تو میں تکبیر کہہ کر حمد وثنا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ کر یہ دعا پڑھوں گا۔ اللّٰهم عبدك وبن عبدك۔ قال بن مسعود رضی اللّٰه عنه أنّ النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لم یوقت فیها قولاً ولا قراء ة۔ (المغنی۔ الجنائز)

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں کوئی خاص کلام یا خاص قرآت متعین نہیں فرمائی۔

دوسری تکبیر کے بعد درود شریف

(۲۵۸) ثنا کے بعد دوسری تکبیر کہیں امام ومقتدی سب ہاتھ باندھے رہیں بار بار کانوں تک نہ اٹھائیں اور تکبیر کے بعد درود شریف پڑھیں۔

تیسری تکبیر کے بعد دعا

(۲۵۹) حمد وثنا وصلوٰۃ کے بعد اب تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا پڑھے۔ ابو ابراہیم اشہلی کے والد کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پر یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللّٰهم اغفر لحینا ومیتنا وشاهدنا وغائبنا وصغیرنا و کبیرنا وذکرنا وانثانا اللّٰهم من احییته منا فاحیه علی الاسلام ومن توفیته منا فتوفه علی الایمان۔ (مصنف عبدالرزاق : القرأة والدعاء) (ترمذی : مایقول فی الصلوة علی المیت)

اے اللہ تعالیٰ ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے۔ ہمارے حاضر و غائب کو بخش دے۔ ہمارے چھوٹوں بڑوں کو بخش دے۔ ہمارے مردوں عورتوں کو بخش دے اے اللہ تو ہم میں سے جس کو بھی زندہ رکھے اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جس کو موت دے ایمان کی حالت میں موت دے۔

نابالغ میت کی دعا

(۲۶۰) اگر میت نابالغ بچے کی ہو تو دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لئے آخرت میں اجر و ثواب کا سبب بنا دے۔ (بخاری: قراءۃ فاتحۃ الکتاب علی جنازۃ)

اور چونکہ نابالغ بچہ احکام کا مکلف نہیں ہوتا لہٰذا دعاءِ مغفرت کی ضرورت نہیں بس یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم اجعله لنا فرطا واجعله لنا اجرًا و ذخرًا واجعله لنا شافعًا و مشفعًا۔

اور اگر وہ میت نابالغ بچی کی ہو تو یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم اجعلها لنا فرطًا واجعلها لنا اجرًا و ذخرًا واجعلها لنا شافعۃً و مشفعۃ۔

اے اللہ اس بچے کو ہمارا پیش رو بنا دے اور اسے ہمارے لئے باعث اجر و ذخیرہ بنا اور اسے ہماری سفارش کرنے والا بنا اور اس کی سفارش کو قبول فرما۔

چوتھی تکبیر کے بعد سلام

(۲۶۱) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوا علی النجاشی سماھا صلوۃ لیس فیھا رکوع ولا سجود ولا یتکلم فیھا تکبیرٌ و تسلیمٌ۔

(بخاری: سنۃ الصلوۃ علی الجنائز)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نجاشی پر نماز پڑھو۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو نماز کہا ہے جس میں رکوع سجدہ نہیں ہے اور اس میں گفتگو کی اجازت بھی نہیں بس اس میں تکبیرات ہیں اور سلام پھیرنا ہے۔

رفع یدین

(۲۶۲) پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین نہ کرے۔

روی ان ابن عباس رضی اللہ عنهما کان یرفع یدیه فی تکبیرة الاولی ثم لا یرفع بعدو کان یکبر اربعاً. وروی ذلک عن ابن مسعود رضی اللہ عنهما. (مصنف عبدالرزاق : رفع یدین فی التکبیر......)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے وہ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے بعد میں نہیں اور کل چار تکبیریں کہتے تھے۔

خود علامہ وحید الزمان بھی یہی کہتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

ولا یرفع یدیه الا فی التکبیرة الاولی۔ (نزول الابرار۔ ج ۱۔ ص ۱۷۴)

نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھائے بعد میں نہیں۔

"عن عائشة رضی اللہ عنها عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لایموت احد من المسلمین فیصلی علیه امة من المسلمین یبلغون ان یکونوا مائة فیشفعوا له الا شفعوا فیه."

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی مسلمان فوت ہو اور اس پر ایک سو کے قریب مسلمان جنازہ پڑھیں اور اس کی مغفرت کی سفارش کریں۔ تو ان کی یہ سفارش قبول ہوگی۔

غائبانہ نماز جنازہ

(۲۶۳) اگر کوئی مسلمان ایسے علاقہ میں فوت ہو جائے جہاں اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی ہو تو ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنا مسنون ہے۔ چونکہ شاہ حبشہ نجاشی فوت ہوئے تو وہاں کوئی اور مسلمان نہ تھا لہذا خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز ادا فرمائی۔ ملاحظہ ہو۔

عن ابی هریرةؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیه خرج الی المصلی فصف بهم وکبر اربعاً.

(بخاری : الرجل ینعی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو نجاشی کے فوت ہو جانے کی خبر دی۔ پھر باہر نکل کر صف بندی کی اور چار تکبیریں کہہ کر

نماز پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کا جنازہ نہ ہوا ہو اس کی غائبانہ نماز پڑھی جائے گی۔ البتہ جس کا جنازہ ہو چکا اس کی غائبانہ نماز نہیں پڑھی جائے گی چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ سے یہ عمل ثابت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آپ کے بہت سے جان نثار صحابہؓ دور دراز علاقوں میں فوت ہوئے لیکن آپؐ نے کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا۔

ابن تیمیہ کا تجزیہ

(۲۶۳) علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

الصواب أنّ الغائب إذا مات ببلد لم يصل عليه فيه صلى عليه صلوة الغائب كما صلى النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي لأنّه مات بين الكفار ولم يصل عليه وأن من صلى عليه حيث مات لم يصل عليه صلاة الغائب، لأنّ الفرض قد سقط بصلاة المسلمين والنبي صلى الله عليه وسلم صلى على الغائب وتركه وفعله سنة وهذا له موضع وهذا له موضع.

(زاد المعاد ج ۱ ص ۲۰۵)

صحیح بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے شہر میں فوت ہو جہاں اس کا جنازہ نہیں

---

(۱) آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس واضح سنت اور طریقے کے باوجود پھر بھی بعض لوگ ہر موقع پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور نجاشی کے واقعہ کو بنیاد بناتے ہیں۔

تجزیہ:

(۱) نجاشی کی غائبانہ نماز اسی لئے ادا کی گئی کہ ان کا جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا۔ لہٰذا اس واقعے سے ایسے شخص کے غائبانہ جنازہ کا استدلال نہیں کیا جا سکتا جس کا جنازہ ہو چکا ہو، چونکہ ایک دوسرے کی حالت و کیفیت باہم مختلف و برعکس ہے۔

(۲) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس موقع پر جو کچھ کیا ہے وہاں وہی کچھ کرنا سنت ہے اور یہ تو ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے علاوہ کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا لہٰذا عام حالات میں غائبانہ جنازہ حدیث سے ثابت نہیں۔ واضح رہے کہ اس سلسلہ میں معاویہ بن معاویہؓ کی بابت جو روایت بیان کی جاتی ہے وہ بالکل صحیح نہیں۔ ابن القیمؒ نے یہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(زاد المعاد ج ۱ ص ۵۲۰)

پڑھا گیا تو اس کی غائبانہ نماز پڑھی جائے گی۔ چونکہ نجاشی کفار کے علاقہ میں فوت ہوئے جہاں ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا۔ لہذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی البتہ جس شخص کا جنازہ پڑھا جا چکا ہو اس کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔ چونکہ ایک نماز سے فرض پورا ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے شخص کی غائبانہ نماز نہیں پڑھی۔ جب کہ ایک اور موقع پر آپ کا غائبانہ جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔ لہذا یہ دونوں عمل اپنی اپنی جگہ سنت ہیں۔ اور موقع محل کے مطابق ہر سنت پر عمل ہوگا۔

خاتمۃ الکتاب

(۲۶۵) آج یہ دل تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز پیمبر لکھنے کی توفیق سے نوازا جس کا علمی مواد مدینہ منورہ میں جمع کیا ترتیب و تدوین کا آغاز بیت اللہ کے سایہ میں مقام ابراہیم سے قریب ہوا۔ کچھ ابتدائی حصہ اور آخری مباحث مسجد نبوی ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر لکھے گئے۔ جس کی تکمیل آج بیت اللہ کے سایہ میں ہو رہی ہے۔ الحمد للہ رب العالمین۔

گزشتہ صفحات سے واضح ہے کہ اس کتاب کا مرکز و محور قرآن کریم، احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ ہیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ یہ نماز سنت کے عین مطابق ہے اور یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ فقہ حنفی کا مبدأ، ماخذ و مرکز قرآن و سنت و آثار صحابہ ہیں نیز بعض سطحی نظر رکھنے والوں کا یہ شبہ اور بعض علماء کا یہ مغالطہ بھی ختم ہوا کہ فقہ حنفی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی آراء کا مجموعہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن و سنت، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و اسلاف امت رحمہم اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فہم سلیم عطا فرمائے اور اسلاف کی مخالفت و عداوت ان کے ساتھ بغض و کینہ رکھنے سے اور نفس پرستی سے بچائے۔ آمین

یارب العالمین، والحمد للہ رب العالمین